بہارِ انقلاب

مترجم سید محمد عسکری

باسمہ سبحانہ

بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

بقیۃ اللہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے اگر تم مومنین ہو۔

بہارِ انقلاب

یعنی

انقلابِ مہدی آخر الزمانؑ کے بعد کے حالات

از

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی قم ایران

مترجم

سید محمد عسکری حوزۂ علمیہ قم جمہوری اسلامی ایران

امامیہ آرگنائزیشن پاکستان

ناشر

امامیہ پبلیکیشنز

۱۷۔ نور چیمبرز۔ گنپت روڈ ــــ لاہور ۲

فون : ۳۲۵۱۵۳

(بارہویں پیشکش)

نام کتاب ——————— بہارِ انقلاب

مصنف ——————— آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

مترجم ——————— سیّد محمد عسکری

تعداد ——————— ۱۱۰۰

مطبع ——————— شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

بار ——————— اوّل

تاریخ اشاعت ——————— ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

کتابت ——————— خاور بٹ ، حفیظ قریشی

ناشر ——————— امامیہ پبلیکیشنز۔ لاہور

ھدیہ ——————— Rs 2500

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خراسان بک سنٹر

۱۲۔ سنیمہ آرکیڈ، بریلوی روڈ، کراچی ۵ فون: ۲۱۳۱۱۵

مدرسة الامام امیر المؤمنین (ع)

(قم- حوزه علمیه)

تاریخ ۲۷ / ۳ / ۹۰

شماره

تلفن ۰۷۷ ...

بسمه تعالی

دامت افاضاته

به جناب ثقة الاسلام دانشمند محترم آقای سید محمد عسکری

اجازه داده می‌شود که کتاب «مهدی انقلابی بزرگ»

تالیف اینجانب را به زبان «اردو» چاپ و نشر شود

با تشکر از ایشان. قم - ناصر مکارم

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

ہم قیامت کے دن ہر انسان کو اپنے امام کے ساتھ پکاریں گے؛

عرضِ ناشر

بہار انقلاب امامیہ پبلیکیشنز کی بارہویں پیشکش ہے۔ یہ ایک حسین اور عجیب اتفاق ہے کہ بارہویں پیشکش بارہویں امامؑ کے دورِ حکومت کی ایک مدہم سی تصویر ہے۔ اسے ایک خاکہ سمجھ لیں یا جائزہ جدید ترقی یافتہ دور کے مادہ پرست انسان اور اسلام پسند انسان دونوں سوچ و فکر میں غلطاں ہیں کہ وہ زمانہ، وہ دَور کیسا ہو گا؟ نظامِ حکومت کیسا ہوگا؟ اقتصادیات کا نظام کیا ہو گا؟ معاشی اور سماجی ترقی اتنی کیسے ہو جائے گی؟ کس طرح سے وہ زمانہ عدل و انصاف سے بھر جائے گا؟ وہ مثالی معاشرہ کن اصول و ضوابط پر کاربند ہوگا؟ اتنی تیز رفتار ٹرانسپورٹ کونسی ہوگی؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ امام عالی مقامؑ پوری دنیا میں کیسے حکومت کریں گے؟ نظام حکومت اور سیاست کس قسم کی ہوگی؟

جناب آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی (قم ایران) جو عہد حاضر کے عظیم فلاسفر اور روحانی بزرگ ہیں۔ انہوں نے ان سوالات کے جواب دینے کی سعی کی ہے۔ اور محترم حجۃ الاسلام سید محمد عسکری حوزۂ علمیہ قم نے اسے اُردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ادارہ ان محترم ہستیوں کا بے حد ممنون و مشکور ہے۔

ہم نے اپنی پیشکش "آیت اللہ خمینی قم سے قم تک" کے عرضِ ناشر میں کہا تھا کہ ہم نے تہیہ کیا ہے کہ دورِ جدید کے تقاضوں کے پیشِ نظر علمی، ادبی، دینی، مذہبی اور تعمیری لٹریچر فراہم کریں گے۔ جو ہر اعتبار سے دیدہ زیب اور معیاری ہوگا۔ یہ فیصلہ تو قارئین کرام ہی کریں گے کہ ہم کسی حد تک اس عہد پر پورے اُترے ہیں۔ لیکن ہم اہلِ ذوق اور دانش ور حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اِس عہد کو پورا کرنے کے لئے ہماری مدد فرمائیں اور اپنی گرانقدر آراء و تجاویز سے ہماری راہنمائی کریں۔

والسلام

ادارہ امامیہ پبلیکیشنز

۱۷۔ نور چیمبرز گنپت روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ

بے شک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں۔

و

جس دن

ظلم وستم کی کالی گھٹائیں پوری دنیا کے آسمان پر چھا جائیں گی۔

جس دن:

سامراجی اہریمنی طاقتیں اپنے خونخوار پنجوں سے پوری قوت کے ساتھ، دنیا کے ستم رسیدہ عوام کا گلا گھونٹ رہی ہوں گی۔

جس دن:

مادّہ اور مادّہ پرستی کے معیار کے سوا تمام معیار لوگوں کے افکار کو پرکھنے کی کسوٹی سے مفقود ہو جائیں گے۔

جس دن:

مشرق و مغرب کے طاغوت کی طاقتور پروپیگنڈہ مشینری اپنے ناجائز مفادات کیلئے ہر حق کو باطل اور ہر باطل کو حق کے روپ میں پیش کر رہی ہو گی۔

اور آخر کار جس دن:

نامہربانیوں، تنگ نظریوں، تفرقوں، جدائیوں نا حق امتیازات، نیز ظلم و ستم کے تازیانے دنیا کے محروم اور مستضعف عوام کی پشت کو لہو لہان کر رہے ہوں گے۔

اس وقت۔

اے عظیم عالمی مصلح!

ہماری اُمیدوں سے لبریز نظریں آپؑ ہی پر جمی ہوں گی ؛ آپؑ کے انقلاب اور آپؑ کی عالمی حکومت کی لو لگائے ہوئے ہوں گی !

اس لئے آپؑ ہمارے لئے اپنے اللہ سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم اپنے آپ کو غور و فکر، جدوجہد، جہاد کے میدانوں میں تمام دنیا کی ہمہ گیر اصلاح کرنے کے لئے اس طرح سے سنواریں کہ اس عظیم انقلابی منصوبہ میں شریک ہونے کے لائق ہو جائیں !

ہر محقق کے ذہن میں یہ سوالات کروٹیں لیتے ہیں کہ :

۱۔ کیا انسانیت کا مستقبل صلح و عدل، امن و امان سے عبارت ہے، اور مستقبل میں اسے ہر قسم کے ظلم و ستم، ناحق امتیازات اور سامراجیت کے خونخوار پنجوں سے انسانوں کو آزادی مل جائے گی ؟

یا جیسا کہ بعض لوگ پیشگوئی کرتے ہیں کہ بے سر و سامانیوں میں دن بدن اضافہ ہوتا جائے گا، فاصلے بڑھتے جائیں گے، اختلافات، لڑائی جھگڑے اور جرائم کی شرح میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی رہے گی، اور آخر کار ایک عالمگیر ایٹمی — یا اس سے بھی زیادہ خطرناک جنگ انسانی تہذیب کے محلوں کو مسمار کر دے گی، اور اگر کچھ بدنصیب انسان رُوئے زمین پر باقی بچ گئے تو وہ پسماندہ، مفلوج، بے نوا اور مفلوک الحال ہوں گے !؟

۲۔ اگر پہلا عقیدہ صحیح ہے اور دُنیائے انسانیت کا انجام صلح و عدل ہے تو

اس کی دلیل کیا ہے ؟

۳۔ اور اگر دنیا کو "صلح" و "عدل" اخوت و محبت کی طرف قدم بڑھانا ہے تو کیا ان اصولوں کا نفاذ انقلاب کے بغیر ممکن ہے ؟

دوسرے لفظوں میں : کیا اتنے سارے مفاسد اور برائیوں کے باوجود "تدریجی" اصلاحات میں اتنی توانائی ہے کہ وہ پوری دنیا کی حالت کو بدل دیں، ظلم و ستم اور انحطاط کی بیخ کنی کر کے صلح و عدل اور انسانی اقدار سے سنوار دیں ؟!

۴۔ اگر انقلاب لانا ضروری ہے تو کیا یہ انقلاب صرف مادی قوانین کے سہارے لایا جا سکتا ہے، یا یہ انقلاب معنوی و روحانی اصولوں اور حقیقی انسانی اقدار کے بغیر ممکن نہیں ہے ؟

۵۔ اگر یہ مان لیں کہ۔ بہرحال ۔ ایک ایسا انقلاب آکر رہے گا تو اس انقلاب کے رہبر کو کن صفات سے آراستہ ہونا چاہیئے ؟

۶۔ کیا حتماً اس انقلاب کا نتیجہ ایک عالمی حکومت کا قیام ہو گا ؟

۷۔ کیا اس طرح کی حکومت کے قائم ہونے سے پہلے کچھ مخصوص قسم کی تیاریوں کی ضرورت نہیں ہے ؟

۸۔ کیا ہمارے دور میں اس طرح کی آمادگیاں موجود ہیں جو اس انقلاب کیلئے ضروری ہیں ؟ اور اگر نہیں تو کیا دنیا ایک ایسے انقلاب کیلئے تیار ہونے کی جانب قدم بڑھا رہی ہے ؟ یا معاملہ اس کے برعکس ہے ؟

۹۔ کیا یہ امور ۔ کسی بھی شکل میں ۔ ایک عظیم آسمانی مصلح کے ظہور کے بارے میں مختلف مذاہب کے عام عقیدے سے رابطہ رکھتے ہیں یا نہیں ؟

۱۰۔ ظہور مہدیؑ کے بارے میں مسلمانوں کا عمومی عقیدہ کیا ہے اور ان مستقبل ساز

مسائل سے اس کا کیا تعلق ہے؟

۱۱۔ کیا اس طرح کے ظہور پر اعتقاد ہمیں ایک ہمہ گیر انقلاب کے ذریعے دنیا کی اصلاح سے نزدیک کرتا ہے، یا ایسا نہیں ہے بلکہ یہ عقیدہ بعض افراد کے خیال کے مطابق درحقیقت ہمیں اس انقلاب سے دُور کر رہا ہے؟

۱۲۔ اس سلسلہ کا آخری سوال یہ ہے کہ کیا ادیان و مذاہب کا یہ عقیدہ اور فکر ایک عینی واقعیت ہے، منطقی دلائل سے مطابقت رکھتا ہے یا "صلح" و "عدل" کی راہ میں انسانوں کی شکست خوردہ خواہشات کو بہلانے کے لئے ایک تسلّی بخش خیال ہے؟!......

اس کتاب میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تعصّبات اور ذاتی رجحانات کی قید سے آزاد ہوکر، اور بات سمجھنے سے پہلے غیر منطقی فیصلے صادر کرنے کے بجائے، اِن سوالوں کے ایسے جواب دیئے جائیں جو رُوح کی گہرائیوں سے نکلیں، اور عقل سے سازگار ہوں تاکہ یوں "عقل" و "عطوفت" اور "جان" سیراب ہو سکے۔

مدّتوں سے اس موضوع پر ایک مسوّدہ تیار کئے ہوئے تھا، لیکن قم میں حد سے زیادہ مصروفیت اور کاموں کی بھرمار اسکو "منظم" و "مکمل" کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، اور کتابوں کی تصنیف کے سلسلہ میں ہمارا دائمی وسوسہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ کتاب پر نظرثانی کئے بغیر اسی طرح شائع کرا دوں، اور دا مقالہ پر نظرثانی کی ضرورت تھی لیکن حادثاتِ زمانہ مجھے ایسی جگہ پر کھینچ لے گئے جہاں کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جاہ بہار بندرگاہ! ...... یعنی ایران کا سب سے دُور افتادہ پسماندہ

تابناک مستقبل

چند دلیلیں جو دُنیا کے تابناک مستقبل پر دلالت کرتی ہیں

۱۔ معاشرے کا ارتقائی سفر
۲۔ نظامِ خلقت کی ہم آہنگی
۳۔ معاشرتی ردِّ عمل
۴۔ معاشرتی ضروریات
۵۔ فطرت، صلح اور عالمی عدل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ معاشرے کا ارتقائی سفر

اگر دُنیا کے حالات کا ایک سرسری مطالعہ کیا جائے تو ہمیں کچھ اس طرح کے آثار نظر آتے ہیں جیسے دُنیا ایک ہولناک مستقبل کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہی ہو۔ ایک ایسا مستقبل جو مہر و محبّت اور الفت و عطوفت کے خاتمہ، غریب اور مالدار طبقوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلے، چھوٹے اور بڑے ملکوں کے اختلافات، نوک جھونک اور جھڑپوں میں روز بروز اضافہ، جرائم کی شرح میں دن دگنی، رات چوگنی ترقی، اخلاقی، فکری اور روحانی انحطاط نیز مشینی زندگی کے غلط اور ناقابل پیش بینی نتائج کی پیداوار ہے۔

جب ہم ماضی قریب کے واقعات اور موجودہ حالات کا مقابلہ کریں، تو اس تاریک مستقبل کا چہرہ پوری طرح اُبھر کر سامنے آجاتا ہے اور اس مقابلہ کے سبب اب ان

حضرات کی اُمیدوں میں بھی مایوسی اور بددلی کے آثار پیدا ہونے جا رہے ہیں جو اس دنیا کے روشن مستقبل کے بارے میں سب سے زیادہ پُرامید مانے جاتے ہیں جو لوگ عالمی مسائل سے باخبر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ صرف وہ ایٹم بم جو بڑی طاقتوں کے اسلحہ خانوں میں موجود ہیں۔ زمین کی ساری آبادی کو ایک مرتبہ کے بجائے سات مرتبہ نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہیں!! اور ان میں اتنی توانائی موجود ہے کہ وہ کرۂ ارض کو سات مرتبہ تہ و بالا کرکے رکھ سکتے ہیں!!!

ظاہر ہے کہ یہ لاتعداد اسلحے جن کے اخراجات کے اندازہ کے لئے اجرامِ فلکی کے اعداد و شمار کی ضرورت ہے بلا وجہ نہیں بنائے گئے ہیں اور نہ ہی یہ کھلونے ہیں۔ بلکہ ان کو ایک دہشت ناک ایٹمی جنگ ہی میں استعمال کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، پھر اس پُرآشوب دور میں، جہاں آئے دن سرحدی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ روزانہ باہمی مفادات ٹکراتے ہیں اور ایسے علاقے موجود ہیں جہاں دھماکے کیے جا سکتے ہیں۔ ایٹمی جنگ کو شروع کرنے کے لیے کسی بہانے کا ڈھونڈ نکالنا کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے۔ موجودہ دور کے بڑے بڑے رہنماؤں میں ریاست طلبی کا جذبہ، اور قوت و طاقت کا جنون بھی اتنی زیادتی اور افراط کے ساتھ نظر آتا ہے جو ایک ہولناک جنگ چھیڑنے کے لیے بہت کافی ہے۔

ان باتوں کی روشنی میں یہ پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی بہت خطرناک حادثہ رُونما ہونے والا ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ ایک ہولناک ایٹمی جنگ کے نتیجہ میں یا بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کی وجہ سے پھیلتی ہوئی غربت و افلاس معاشی بدحالی کے سبب سے۔ یا انرجی کے سرچشموں اور خزانوں کے ختم اور خالی ہو جانے کی وجہ سے۔ یا اس بنا پر کہ دنیا کی فضا انسانی زندگی کی بقا اور دوام کی صلاحیت کو کھو بیٹھے، دنیا میں انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

لیکن بدگمانیوں کے ان تمام ظاہری اور سرسری اسباب و علل کے مقابلہ میں جب ہم واقعات اور حادثات کی گہرائی میں جاتے ہیں اور دُنیا کے حالات کے مطالعہ میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں، تو یہی حالات واضح طور پر ایک تابناک اور درخشاں مستقبل کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آخر کار:

- یہ بھیانک کالی گھٹائیں، دل ہلا دینے والی گرج، چمک کے ساتھ رخصت ہو جائیں گی، اور مطلع صاف ہو کر رہے گا۔
- اس اندھیری رات کے پیچھے صبح امید کا سپیدۂ سحر پوشیدہ ہے۔
- اس جہالت و فساد اور ظلم و ستم کے کڑکڑاتے جاڑے کے پس منظر میں عدل و انصاف کی دل پذیر بہار بھی ہے۔
- یہ جان لیوا رنج و غم، یہ تباہ کن سیلاب، یہ بھیانک طوفان، آخر کار تھمے گا

اور ـــــ

اگر اچھی طرح سے دیکھیں،

تو، ـــــ دور ـــــ بہت دور ـــــ افق پر

ساحل نجات کی نشانیاں نظر آ رہی ہیں

بظاہر شاعری معلوم ہوتی ہے، مگر در اصل یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کے ثبوت کے لیے پہلی منطقی دلیل، معاشرے کے ارتقائی سفر کا قانون ہے:

جب سے انسان نے ہوش سنبھالا، اور اپنے آپ کو پہچانا ہے، اس وقت سے آج تک اس کی زندگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی یکسانیت کا عمل دخل نہیں رہا ہے، بلکہ وہ اپنے اندرونی جذبات و احساسات کے سبب شاید لاشعوری طور پر۔ ہمیشہ اس کوشش میں رہا ہے کہ اپنے آپ اور اپنے سماج کو، ترقی دے

ع ہے جستجو کہ خُوب سے خُوب تر کہاں

اگر آپ اس ارتقائی عمل کے سلسلہ میں مختلف پہلوؤں سے غور کرنا چاہیں تو آپ دیکھیں گے کہ؛

مکان اور رہن سہن کے لحاظ سے، ایک دن وہ تھا، جب انسان غاروں میں بسر کرتا تھا لیکن آج ایسی ایسی فلک بوس عمارتیں بنائی ہیں، کہ صرف ایک بلڈنگ میں، کسی چھوٹے شہر کی پوری آبادی سما سکتی ہے۔ ایک شہر کے رہنے والوں کے لئے، زندگی کی جن سہولتوں کی ضرورت ہے وہ سب موجود ہیں۔ لباس کے اعتبار سے، ایک زمانہ وہ تھا کہ یہی انسان درخت کے پتوں سے تن پوشی کرتا تھا۔ لیکن آج ہزاروں قسم کے رنگ برنگے ماڈل اور مختلف تراش خراش کا لباس اس کے پاس موجود ہے۔ اس کے باوجود وہ روز بروز نئے سے نئے رنگوں، ڈیزائنوں، اور اقسام کی تلاش میں ہے!

خوراک پر غور کیجئے" تو آپ کو ایک وہ دَور نظر آئے گا جُب! اس کا کھانا، حد سے زیادہ سادہ اور مختصر تھا، لیکن آج اتنے لذیز، مختلف النوع اور نفیس و اعلیٰ درجے کے کھانے موجود ہیں کہ صرف ان کے نام لکھنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے!

سواری کو دیکھیئے؛

کسی زمانے میں اس کی سواری، صرف اس کے پیر تھے، لیکن آج 'وہ اپالو میں بیٹھ کر آسمانوں کے سینے چیرتا، دوسری دنیاؤں کی سیر میں مگن ہے۔

اسی طرح علم و دانش کے میدان میں آیئے؛

آپ کو ایک وہ بھی زمانہ ملے گا جب انسان کی تمام معلومات کو ایک صفحہ میں سمویا جا سکتا تھا اور اس وقت انسان فنِ تحریر سے نا آشنا تھا۔ لیکن آج مختلف موضوعات پر، کروڑوں کتابیں بھی، ہمارے دَور کے علوم و فنون کو بیان کرنے اور

ان کو سمیٹنے سے عاجز ہیں۔

اُس زمانہ میں، آگ کا انکشاف، پہیے جیسی ایک گول چیز کو ایجاد کر لینا اور خنجر کے مانند، ایک نوکیلے اسلحہ کی ایجاد اس کے نزدیک اختراعات و ایجادات و انکشافات کے میدان میں بہت بڑی کامیابی تصور کی جاتی تھی۔ اس وقت اگر درخت کے تنے کو کسی نہر پر گرا کر، وہ نہر پار کر جاتا تھا تو خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا تھا کہ ایک پُل بنا لیا ہے! اور آج کی، یہ بھاری بھرکم صنعتیں، حیرت انگیز ایجادات، ہر دیکھنے والے کو چکرا دیتی ہیں، اور الیکٹرونک کمپیوٹروں کا پیچیدہ نظام انسان کو خواب و خیال کی دنیا میں سیر کراتا ہے ـــــــ!

اس کے باوجود تعجب یہ ہے کہ وہ اتنی عظیم، اختراعات و مصنوعات پر بھی قانع نہیں ہے۔ کسی چیز کو کافی نہیں سمجھتا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بہتر اور اعلیٰ سطح پر پہنچنے کے لیے دن رات انتھک محنت اور سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔

ع اَب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں!؟

اِن تمام باتوں سے، ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ، ارتقا اور تکامل کا عشق انسان کی فطرت میں ایک ایسا زندۂ جاوید شعلہ ہے، جو کبھی بجھے گا نہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی انسان کی وہ سب سے بڑی خصوصیت ہے جو اس کو اُن دوسرے حیوانوں اور جانداروں سے ممتاز کرتی ہے، جو صدیوں سے ایک ہی مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور بظاہر ان کی زندگی میں یکسانیت حکم فرما ہے۔

اسی بنا پر ہم بڑی آسانی کے ساتھ، یہ نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں کہ انسان کی یہ بلند فطرت چین سے نہیں بیٹھے گی بلکہ اسی طرح مسلسل انسان کو ارتقائی منزلوں کی جانب آگے بڑھاتی ہی رہے گی اور ہمیشہ انسان کی طاقت و قوت کو موجودہ زندگی کی پریشانیوں، مشکلوں، اور بے سرو سامانیوں پر غلبہ پانے کے لیے حرکت

میں رکھے گی۔

یہ اسے بہرحال ایک ایسے معاشرے کی طرف لے جائے گی جس میں "مادّی ارتقا" کے دوش بدوش انسانی اقدار کا بھی بول بالا ہو۔ انسان "اخلاقی ارتقا" بھی حاصل کرے! ایک ایسے سماج کی جانب، جس میں ترقی کی راہوں میں روڑے اٹکانے والی خونریز، بھیانک اور تباہ کن جنگوں کا نام و نشان بھی نہ ہو! ایسے معاشرے کی طرف جس میں، انسانوں کی تقدیر پر صرف اور صرف "عدل و صلح" کی حکومت ہو اور اس سماج میں سامراجیت اور جارحیت کے جذبات، جو کہ "مادّی اور روحانی ارتقا" کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، مُردہ ہو چکے ہوں۔

شاید کوئی صاحب یہ کہیں کہ گذشتہ تمام ترقیاں، اور ماضی کا ارتقا صرف مادّی میدان ہی میں نظر آتا ہے، اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ، ہم اخلاقی اور روحانیت کے ارتقائی سفر کو بھی اسی میں شامل مان لیں۔

لیکن اس کا جواب بہت صاف اور سیدھا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ماضی کی ارتقائی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس ارتقا میں بہت سے انسانی اصول بھی پائے جاتے ہیں، یعنی انسان کے ان علوم و دانش میں جنھوں نے ارتقا اور تکامل کے پرتو میں عظیم کامیابیاں حاصل کی ہیں، اخلاقی اور روحانی ترقی بھی دیکھی جاسکتی ہے (جیسے طبّ و نفسیات و رفاہِ عامہ کے بہت سے علوم و فنون) نیز غیر مادّی علوم بھی کم نہیں ہیں، مثلاً "خدا" کے بارے میں پہلے انسان کے اعتقادیں، جو کہ پتھر اور لکڑی کے ٹکڑوں کی پوجا، حتیٰ کہ خرما کے بتوں کی پرستش کی شکل میں اجاگر تھا، اور "خدا" کے بارے میں آج کے ایک خدا پرست، روشن خیال دانشور، یا ایک عارف ربّانی فلسفی کے ادراک کے درمیان، زمین آسمان کا فرق ہے۔

دوسرے یہ کہ ارتقا، ہر جگہ ارتقا ہے اور ہمارے وجود کو، ارتقا اور کمال سے جو عشق اور لگاؤ ہے وہ کسی سرحد کا پابند نہیں۔ ہم ہر میدان میں ارتقا اور کمال کی تلاش میں ہیں، اور اس کو حاصل کرنے کے لیے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ مادّی اور روحانی اصول، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر جس قدر ایک ایٹم بم کے ذریعہ، انسان کی مادّی زندگی تباہ ہو سکتی ہے اتنی ہی تباہی، جارحیت، اجارہ داری اور ظالمانہ جذبات سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، بلکہ ایٹمی تباہی، اخلاقی انحطاط کے بغیر ناممکن ہے، ایٹمی جنگ اسی وقت چھڑ سکتی ہے جب کہ اجارہ داری اور سامراجیت کا بھوت سر پر سوار ہو اور اخلاقی انحطاط اوج پر ہو!

یہیں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "تکامل اور ارتقا کا یہ قافلہ ہر میدان اور ہر فن میں آگے بڑھتا رہے گا۔

اسی سبب معاشرے کے ارتقائی سفر کے قانون کے سائے میں ہمیں ایک ایسے ترقی یافتہ معاشرے تک رسائی" کی اُمید کی پہلی کرن نظر آتی ہے جو عدل و انصاف، اخوّت و محبّت اور صلح و آشتی سے لبریز ہو گا۔!!!

۲۔ نظامِ خلقت کے ساتھ ہم آہنگی

ہماری معلومات کے مطابق یہ کائنات کئی نظاموں کا مجموعہ ہے اور پوری دُنیا میں منظم اور ہمہ گیر قوانین کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نظام آپس میں متحد اور مربوط ہیں۔

اس وسیع کائنات میں نظم و انضباط، قانون و ڈسپلن اور حساب کتاب کا مسئلہ، دنیا کے اہم مسائل میں مانا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر، اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں الیکٹرونک کمپیوٹر، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، تاکہ خلائی سفر کے اندازوں اور حساب کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دے کر خلائی مسافروں کیلئے راستہ ہموار کریں اور ان کے یہ اندازے صحیح بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اگرچہ زمین اور چاند دونوں ہی تیزی کے ساتھ گردش کر رہے ہیں پھر بھی فضائی سفینہ، چاند کی سرزمین پر، پہلے سے معیّن کی ہوئی جگہ پر اتر جاتا ہے۔ انسانی اندازوں کی یہ کامیابی دراصل نظام شمسی کے نظم و انضباط کی مرہونِ منّت ہے، کیونکہ یہ ستارے اگر ایک سیکنڈ کے لیے بھی اپنی منظم اور ثابت گردش سے منحرف ہو جاتے تو خلائی مسافروں کا انجام کچھ اور ہی ہوتا! اور خدا جانے وہ کس جگہ پر گر جاتے!!

آیئے اس عظیم کائنات کو چھوڑ کر چھوٹی سے چھوٹی دنیا کی سیر کریں، خصوصاً زندہ موجودات کی دنیا میں۔ یہاں نظم و ضبط کا مظاہرہ کچھ زیادہ ہی واضح اور حسین نظر آتا ہے، بدنظمی اور ہنگامہ آرائی کا یہاں نام و نشان بھی نہیں۔

مثال کے طور پر، انسانی دماغ کے کسی خلیے میں معمولی سی بدنظمی، اس کی زندگی کو غم انگیز طریقے سے تباہ کر دینے کے لیے کافی ہے۔

کچھ عرصہ قبل رسالوں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک نوجوان طالب علم، ایکسیڈنٹ میں ذہن کو شدید جھٹکا لگنے کی وجہ سے، اپنے ماضی کو بالکل بھول گیا ہے حالانکہ اس کے جسم کے باقی تمام اعضا صحیح و سالم ہیں، وہ اپنے بھائی بہنوں کو پہچاننے سے معذور ہے، جب اس کی ماں اس کو اپنے سینے سے چمٹاتی اور اس کے رخساروں کو بوسہ دیتی ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے کہ اس غیر عورت کو مجھ سے کیا لگاؤ ہے؟

اس کو اس کی جائے پیدائش لے جایا گیا۔ جس کمرے میں وہ پلا بڑھا تھا۔

اس کمرے اور اپنے ہی ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویروں، آرٹ اور اپنی ہی تخلیقات کو دیکھ کر کہنے لگا کہ، میں پہلی مرتبہ اس کمرے میں قدم رکھ رہا ہوں، اس آرٹ کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا!! شاید وہ یہ سمجھتا ہے کہ؛ کسی اور دُنیا سے بھٹک کر اس دنیا میں آگیا ہے، اس کو ہر چیز نئی معلوم ہوتی ہے۔

شاید اس کے ذہن کے اربوں خلیوں میں سے، صرف چند مواصلاتی خلیے جو اس کے ماضی کو حال سے ملاتے تھے خراب ہو گئے تھے، لیکن اسی معمولی سی بدنظمی کا نتیجہ کس قدر بھیانک ہے!

اس بات کو اس حقیقت سے سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ؛

اگر ہم کسی ایٹم کو بڑا کریں، تو وہ نظامِ شمسی کی شکل اختیار کر لے گا اور اگر نظامِ شمسی کو چھوٹا کریں تو وہ ایک ایٹم کے مانند ہو جائے گا، دونوں کا نظام ایک ہے، سب سے بڑا نظام اور سب سے چھوٹا نظام!

کیا ایک ایسی دنیا میں، انسان، جو اس "کُل" کا ایک "جُز" ہے، ایک استثنائی حیثیت اختیار کر سکتا ہے؛ اور ممکن ہے کہ وہ اس نظامِ کائنات کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو؛ نیز بے جوڑ پیوند کی طرح باقی رہے؛

کیا انسانی معاشرہ "بدنظمی" ھنگامہ آرائی، بے سروسامانی اور ظلم وستم کو انتخاب کرکے، اپنے دامن کو عالمِ تخلیق کے اس عظیم سمندر سے جس میں سبھی نظم وضبط، تنظیم و ترتیب کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، بچا سکتا ہے؟!

کیا دنیا کے روزمرّہ کے عام حالات؛ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتے کہ بشریت کو بھی نظامِ تخلیق کی چوکھٹ پر سر جھکانا پڑے گا؛ بشریت، منظم قوانین کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی، اور اصلی راستہ کی طرف پلٹ کر اس واحد ومتحد نظام کے رنگ میں رنگی جائے گی!

جب ہم انسان کے بدن کی پیچیدہ اور رنگ برنگی مشینریوں کی بناوٹ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک خاص قسم کی تنظیم ہے اور سب کے سب قواعد و ضوابط کے تابع ہیں۔ ایسی صورت میں کیسے ممکن ہے کہ انسانی معاشرہ، عادلانہ نظام، اور صحیح قوانین کی پیروی کیے بغیر برقرار رہ جائے؟

ہم بقا کے خواہاں ہیں، اور اس کے لیے کوشش کرتے ہیں لیکن ابھی ہمارے سماج کا شعور اس منزل تک نہیں پہنچا ہے کہ ہم اس بات کو سمجھ سکیں کہ موجودہ راہ و روش، ہم کو فنا و نابودی، تباہی اور بربادی کے دہانے کی طرف لیے جا رہی ہے لیکن آہستہ آہستہ عقل راہ پر آئے گی، اور ہم لامحالہ فکری رشد و ارتقا کی اس منزل تک پہنچ جائیں گے جہاں ہم اس ضرورت کا ادراک کر سکیں۔

بات یہ ہے کہ ہم اپنے مفادات کے خواہاں ضرور ہیں، لیکن اس بات سے غافل ہیں کہ موجودہ صورتِ حال کی بقا ہمارے مفادات کو تباہ و برباد کر دے گی مگر، رفتہ رفتہ مثلاً جب ہم اسلحے کی دوڑ کے میدان میں زندہ اور گویا اعداد و شمار کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تب ہمیں معلوم ہوگا کہ کس طرح دنیا کی بہترین جسمانی اور فکری صلاحیت اور اس عظیم دولت و ثروت کا آدھا حصّہ اس مقصد کیلئے نہ صرف یہ کہ برباد کیا اور لٹایا جا رہا ہے، بلکہ اس کے بقیہ آدھے حصّے کو بھی قلع قمع کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے!

جب ہماری معرفت اور علم و دانش میں اضافہ ہوگا، تب ہم کو صاف نظر آئے گا کہ ہمیں کائنات کے ہمہ گیر نظام کے سایہ میں آجانا چاہیئے۔ اس وقت ہم عملی طور پر بھی اسی طرح اسی کل کا ایک جزو ہو جائیں گے جس طرح ہم حقیقی طور پر اس آفاقی نظام کا جزوِ اعظم ہیں۔ جیسے ہی یہ ادراک عمل کا محرک بنا۔ اس کے بعد ہم ہر میدان میں اپنے مقاصد تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ : نظامِ تخلیق اِس بات پر ایک اور دلیل ہے کہ انسانی دنیا مستقبل میں ایک صحیح معاشرتی نظام کو تسلیم کر لے گی۔

۳۔ معاشرتی ردِّ عمل

"ردِّ عمل کا قانون" صرف فزکس و طبیعیات ہی میں منحصر نہیں ہے — جب کوئی جسم جتنی قوت کے دباؤ کے ساتھ دیوار یا کسی رکاوٹ سے ٹکرائے گا۔ اتنی ہی طاقت سے پیچھے دھکیل دیا جائے گا، بلکہ سماجی مسائل میں اس قانون کی اہمیّت اور بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

تاریخی تجربے، ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمیشہ، سماجی تبدیلیاں اور بڑے بڑے انقلاب، تشدّد، گھٹن اور ظلم و ستم کا ردِّ عمل ہوتے ہیں۔ شاید دنیا میں کوئی ایسا عظیم انقلاب رُونما نہیں ہوا جس سے پہلے، مخالف سمت میں تشدّد، گھٹن اور ظلم و ستم کا بازار گرم نہ رہا ہو!

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ ہمیشہ، تشدّد اور ظلم و ستم انقلاب کا سرچشمہ رہا ہے، مثلاً :

۱۔ یورپ کا علمی انقلاب۔ نشاۃِ ثانیہ :

یہ انقلاب دراصل قرونِ وسطیٰ کی ایک ہزار سالہ جہالت اور پسماندگی نیز عوام کو پسماندہ رکھنے کیلئے کلیسا کے خرافاتی ٹھیکیداروں کی جانب سے پھیلائی جانے والی گھٹن اور تشدّد کی فضا کے مقابلے میں ایک ردِّ عمل تھا جس نے ایک مرتبہ جہالت کے اسباب و علل کو دُور کرکے مشعلِ علم کو فروزاں کر دیا۔ دانش و فرہنگ کے جھنڈے ہر طرف لہرا دیئے۔

۲۔ انقلابِ فرانس : ۱۷۸۹ء میں فرانس کا عظیم انقلاب جو سیاسی اور سماجی اعتبار سے خلافِ عادت اُڑان بھی، ظلم وستم، آمریت، سامراجیت اور حکمران طبقہ کی مطلق العنانی کے مقابلہ میں سامنے آیا۔ اس انقلاب نے فرانسیسی سماج اور اس کے بعد دوسرے یورپی معاشرے کو تاریخ کے ایک نئے باب میں داخل کر دیا۔ اور کسی حد تک آمریت اور مطلق العنانی کے بجائے، قانون کی بالادستی قائم کر دی۔

۳۔ غلامی کے خاتمے کے لیے انقلاب : یہ انقلاب ۱۸۴۸ء میں سب سے پہلے انگلینڈ سے شروع ہوا۔ یہ غلاموں کے ساتھ آقاؤں کے انسانیت سوز اور ظالمانہ سلوک کا ردِّعمل تھا جس نے ایک طرف غلاموں کے دلوں میں نفرت اور دوسری طرف معاشرے میں ان کے لیے رحم اور ہمدردی کے اُبھرتے ہوئے جذبات میں انقلاب کی آگ کو بھڑکانے کے ساتھ ساتھ غلامی کے نظام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اگرچہ غلامی دوبارہ ایک دوسرے روپ میں ظاہر ہو گئی۔ جو پہلی غلامی سے زیادہ وسیع اور خطرناک تر ہے۔ اس کا یہ روپ "پسماندہ ملکوں کی امداد" کی آڑ میں سامراجیت کا پھیلاؤ اور منحوس آقائی اور سیاہ غلامی کا نیا جنم ہے۔

۴۔ سامراجیت کے خلاف انقلاب : یہ انقلاب ہمارے زمانہ میں غلامی کے جال میں پھنسے ہوئے ملکوں میں، سامراج کے انسانیت سوز سلوک کا ردِّ عمل تھا، اور ہے، یہ انسانیت سوز عمل، سامراج زدہ عوام کے سماجی

شعور کی بیداری کا سبب بنا۔ استعماری طاقتوں کے خلاف بغاوت کے جھنڈے بلند ہو گئے، اگرچہ غالباً ایسا ہوا کہ سیاسی، معاشی، فکری اور سماجی اعتبار سے پوری طرح آزادی حاصل نہ کر سکے، لیکن حالات پہلے سے کہیں بہتر ہیں۔

۵۔ کمیونسٹ انقلاب

: یہ انقلاب ۱۹۱۷ء میں محنت کشوں، مزدوروں اور دست بستہ غلام عوام، پر سرمایہ داروں کے بے انتہا مظالم، اور ان کے حقوق کی پامالی کا ردِ عمل تھا! اگرچہ۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ۔ یہ انقلاب بھی، ستم رسیدہ طبقہ کو آزاد نہ کرا سکا، اور ایک دوسرا آمرانہ نظام "پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ" کے عنوان سے دبے ہوئے عوام کے سروں پر مسلط ہو گیا۔ اس انقلاب کا نتیجہ دراصل پارٹی کے چند لیڈروں کی سخت گیر ڈکٹیٹر شپ بن کر رہ گیا۔

۶۔ نسلی امتیازات کے خلاف انقلاب

: نسلی امتیازات کے خلاف انقلاب کا پرچار آج کل زوروں پر ہے یہ انقلاب، کالوں پہ گوروں کے ظلم و تشدد، اور کالوں کی سماجی حقوق سے محرومیت کا ردِ عمل ہے۔

❖

مختصر یہ کہ اگر تاریخ کا ورق اُلٹ کر پچھلی دنیا کی سیر کریں، تو آپ کو قدم قدم پر ردِ عمل کے قانون کے آثار نظر آئیں گے۔

پیغمبروں کی تاریخ، اس طرح کے انقلابوں سے بھری ہوئی ہے، جن کیلئے سماجی ظلم و تشدد کی وجہ سے پہلے ہی سے زمین ہموار تھی، پیغمبروں نے اپنی آسمانی

تعلیمات کے سایہ میں اِن انقلابوں کی قیادت فرمائی اور اس کو کامیاب بنا کر صحیح راستہ پر آگے بڑھایا۔

نہ صرف یہ کہ تاریخِ معاصر اور پُرانی تاریخوں میں اقوامِ عالم کے حقیقی اور سچے واقعات کے درمیان اس قانون کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں، بلکہ قصّے، کہانیوں، افسانوں اور اساطیر میں بھی اس قانون کا انعکاس نظر آتا ہے۔

"ضحاک" جس کے کاندھوں پر سانپ تھے اور "کاوہ آہنگر" کے افسانہ میں یہ ملتا ہے کہ ضحاک کے اُن سانپوں کی خوراک، انسان کا "مغز" تھا۔ ہر روز انسانی کھوپڑیوں میں سے بھیجے نکال کر سانپوں کی نذر کیے جاتے تھے تاکہ وہ خوش رہیں۔
حقیقت بھی یہی ہے کہ سامراجی، زہریلے، خوشنما سانپ کی خوراک "دماغ" ہی ہے اور فکری غلام سازی، سامراجیت کی اساس اور بنیاد ہے! پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی محروم اور مظلوم معاشرہ میں سے جو ضحاک کے قدموں تلے بے دردی سے روندا جا رہا تھا۔ ایک ایسا لوہار اٹھ کھڑا ہوتا ہے، جو آگ کی تپش کو برداشت کر چکا تھا اس کے طاقتور بازوؤں میں اتنی قوّت تھی کہ انقلاب کے ہتھوڑے کو چلا سکے۔
اس نے لوہاری کے اسی تپش بند سے انقلاب کا پرچم بنایا جس نے آگ کی چنگاریوں کا مقابلہ کیا تھا وہ بہت سی سختیوں کو جھیل چکا تھا، اس لوہار نے ظالم و ستمگر ضحاک کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور آخری ردِّ عمل انجام پذیر ہو گیا!

*

آج کے "علم النفس" "نفسیاتی تجزیہ" Phsycho Analysis میں بھی ایک بحث پائی جاتی ہے جو اسی قانون کا انعکاس ہے۔

یہ بحث ہمیں بتاتی ہے کہ، اگر انسان کی خواہشات، مناسب طریقوں سے پوری نہ ہوں، تو یہ ناکام اور شکست خوردہ خواہشات "ظاہری شعور" کے مرحلہ سے

گزر کر روح کے ناشناختہ اور "باطنی شعور" کے کسی گوشے میں دبک جائیں گی، اور اسی گوشۂ لاشعور میں کسی الجھاؤ اور کمپلکس Complex کو تشکیل دیں گی۔ بلکہ بعض دانشوروں کا تو عقیدہ یہ ہے کہ لاشعور اسی پسپا اور شکست خوردہ خواہشات کا دوسرا نام ہے!

یہ پسپا خواہشات انسان کے لاشعور میں چین سے بیٹھی نہیں رہتیں بلکہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے کو سامنے لائیں، اس نفسیاتی الجھن کا ردِ عمل مختلف لوگوں میں مختلف طریقوں سے نمایاں ہوتا ہے، اندازہ ہے کہ یہ ردِ عمل غالباً، حسب ذیل صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے:

۱۔ دماغی توازن کو خراب اور فکری شعور میں گڑبڑ پیدا کرنے کے ذریعہ۔
۲۔ معاشرہ سے دامن کشی، گوشہ نشینی اور بدظنی کی صورت میں۔
۳۔ اس معاشرہ سے لاشعوری اور نادانستہ طور پہ انتقام لے کر جس نے اس کو اس مرحلے پہ پہنچایا ہے۔
۴۔ خیالات کی دنیا میں اپنی خواہشات کو پورا کرکے۔
۵۔ "تصعید" اور عالی ترین مراحل تک ترقی کرکے۔

مثال کے طور پر فرض کیجیے کہ ایک لڑکا کسی لڑکی پر عاشق ہو گیا ہے، لیکن ماں باپ اس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی کے لیے راضی نہیں ہوئے اس لیے وہ والدین کی شدید مخالفت کی وجہ سے اپنی پسندیدہ بیوی کے وصال سے محروم ہو گیا، یہ شدید عشق اس کی روح کے شعوری مرحلہ سے گزر کر لاشعور کی طرف پلٹتا ہے، یہ عشق نہ صرف یہ کہ فنا نہیں ہوتا، بلکہ جلد ہی شدید ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ردِ عمل سخت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس کو پاگل یا ہمیشہ کے لیے گوشہ نشینی

یا ایک انتقامی انسان اور خطرناک مجرم بنا دے، یا اس کو ادب اور شعر و شاعری کی دنیا میں داخل کر کے شاعرانہ خواب و خیال کی دنیا میں، محبوب کے وصال سے سرفراز کر دے۔

لیکن ممکن ہے یہی مادّی عشق ایک بہت ہی گہرے آسمانی اور الٰہی عشق کی صورت میں بدل جائے اور وہ غیر خدا سے ناطہ توڑ لے، دنیا سے اس کا دل اچاٹ ہو جائے، اور وہ پرہیزگار عارف کی شکل میں اعلیٰ اور بلند پروانہ افکار کے ساتھ ظاہر ہو۔

چونکہ لوگ نفسیاتی استعداد اور صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں اس لیے نفسیاتی الجھن اور عقدہ کا ردِ عمل بھی یکساں نہیں ہوتا۔

ان چیزوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نفسیاتی دباؤ کو بھی ہمیشہ انقلاب اور ایک شدید ردِّ عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ "ردِ عمل کے قانون" ہی کا ایک پہلو ہے۔

❁

نتیجہ : یہ قانون ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کی موجودہ حالت، اپنے دامن میں ایک انقلاب کو پروان چڑھا رہی ہے۔

جنگوں کی سختیاں، ظلم و ستم کا دباؤ، ناانصافی اور بے عدالتی، نسلی امتیاز کا تشدد بڑھتا جا رہا ہے، اور انسان موجودہ قوانین کے ذریعہ ان مشکلات کو حل کرنے یا کم کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ یہ تشدد اور دباؤ، یہ شکست اور ناکامی آخر کار اپنے شدید ردِّ عمل کا اظہار کرے گی۔

آخر کار یہ ناکام اور شکست خوردہ انسانی خواہشات، معاشرے کے

دن بدن بڑھتے ہوئے شعور اور علم کے پرتو میں، ایک ایسی معاشرتی الجھن تشکیل دیں گی جو معاشرے کے لاشعور کی کمینگاہ سے اچانک نکل کر اپنے آپ کو ظاہر کر دے گی، اور انسانی معاشرے کے موجودہ نظام کو تہ و بالا کر کے، ایک نئے نظام کا سنگِ بنیاد رکھے گی۔

ایسا نظام جس میں نہ اسلحہ کی تباہ کن دوڑ ہوگی، اور نہ اس قدر کشمکش، خونریز جنگوں، ظلم و فساد اور سامراجیت و آمریت کا وجود ہوگا۔

یہ بات عالمی برادری کے تابناک مستقبل کی طرف، اُمید کی دوسری، کرن ہے۔

۴۔ مُعاشرتی ضروریات

"معاشرتی ضرورت" کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی سماجی زندگی کسی ایسے مرحلے پر پہنچ جائے جہاں اس کو کسی چیز کی احتیاج محسوس ہو، اور وہ اس چیز کو ایک "ضرورت" کے عنوان سے مان لے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہر انسان، پہلے پہل یہ چاہتا ہے کہ آزاد رہے، اس کی زندگی میں، کسی طرح کی قید اور پابندی نہ ہو لیکن رفتہ رفتہ اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس طرح کی آزادی اس کو بہت سے معاشرتی امتیازات سے محروم کر دیگی، اور اس کی اصل خواہشات کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ نیز یہ کہ اگر "قانون" کے عنوان سے کچھ پابندیوں اور قیود کو تسلیم نہ کرے تو وہ جس معاشرہ میں زندگی بسر

کر رہا ہے وہ بدنظمی اور انتشار کا شکار ہو کر تباہ ہو جائے گا۔

ایسی صورت میں وہ مجبور ہو کر اصول و قوانین کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

اسی طرح جیسے جیسے معاشرے ترقی کرتے جاتے ہیں ویسے ویسے پابندیاں بھی بڑھتے بڑھتے ایسے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہیں کہ انسان ان تمام پابندیوں کو "ضرورت" کے طور پر قبول کر لیتا ہے۔

بات کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے ہم ایک آسان سی مثال بیان کرتے ہیں: ٹریفک اور ڈرائیونگ کے قوانین پر نظر ڈالیے، جب کوئی تیز رفتار گاڑی انسان کے ہاتھ لگ جاتی ہے، تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اسے آزادی کے ساتھ جدھر چاہے لے جائے، اور جہاں چاہے کھڑا کر دے، جتنی زیادہ رفتار سے چاہے ڈرائیونگ کرے نیز چوراہوں پر رکے بغیر آگے بڑھ جائے، لیکن جلد ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ، اگر وہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو پھر دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کیوں نہ کریں، اور اگر سب ایسا ہی کرنے لگیں تو ہر طرف افراتفری اور جان کے لیے خطرات کی بھرمار ہو جائے گی۔ لہٰذا آج بچہ بچہ، اس بات سے واقف ہے کہ یہ کام غلط ہے، کچھ اصول اور قوانین کا ہونا ضروری ہے۔ چاہے اس کو اپنے مقصد تک پہنچنے میں چند گھنٹوں کی دیر ہو جائے، نظم وضبط اور جرمانہ کا ہونا ضروری ہے (لیکن معقول اور منصفانہ!) ورنہ ہر روز سینکڑوں جانیں ضائع ہوں گی۔ اور لوگ حادثات میں اپنی گاڑیوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اسی چیز کو معاشرتی "ضرورت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ، معاشرہ کی "واقعی ضروریات" اس قدر آشکار ہو جائیں اور اتنی شدت سے اس کا احساس ہونے لگے کہ اس کی ضرورت کو ہر شخص، یا کم از کم سماج کے لیڈر اور مفکر حضرات تسلیم کر لیں

یہ بات پہلے مرحلہ میں عوام کے سیاسی اور سماجی شعور میں اضافہ اور ان کے علم و دانش کی سطح کی بلندی سے نیز دوسرے مرحلہ میں معاشرہ کی موجودہ حالت کے غلط اور ناپسندیدہ و مکروہ نتائج کے منظرِ عام پر آنے اور اس کی بقا کی راہوں کے مسدود ہو جانے سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ، زندگی کی فضا کے خراب ہو جانے کے سلسلہ میں چیخ پکار کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اور کوئی شخص اس بات کی طرف توجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے، حفظانِ صحت کے اصول پر عمل کرے، لیکن اگر عوام یہ دیکھ لیں کہ کسی شہر کی فضا اسقدر خراب ہو گئی ہے کہ وہاں کے باشندوں کو طرح طرح کی بیماریوں کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ سانس لینا دشوار ہے، اور آنکھیں جلنے لگتی ہیں نیز شماریات کے ماہرین کے بقول ہر روز دس آدمی اندھے ہو جاتے ہیں' شہر میں چند گھنٹے گھومنے پھرنے کی وجہ سے لعاب دہن کالا ہو جاتا ہے نیز جلدی بیماریوں' سانس کی مشینری کی خرابی اور دل و جگر کی بیماریوں کے اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں انسان "ضرورت" کے نام پر' مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت ضابطے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے' اور بہت سی پابندیوں کو تسلیم کر لیتا ہے مثلاً بڑے بڑے قیمتی کارخانوں کو بند کر دیتا ہے، دھواں چھوڑنے والی ہزاروں گاڑیوں سے دستبردار ہو جاتا ہے' اور بہت سے ایسے فوری نفع بخش کام چھوڑ دیتا ہے جو شہر کی فضا کی خرابی اور گندگی کا سبب بنتے ہوں۔

⁂

آئیے اسی مثال کی روشنی میں اصل مطلب کی طرف چلیں۔

شاید سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں بہت سے لوگ، صنعت کی

روز افزوں ترقی کو دیکھ کر بیسویں صدی کا جو نقشہ اپنے ذہن میں کھینچتے رہے ہوں گے وہ بہشت بریں کا نقشہ ہوگا، وہ خیال کرتے ہوں گے کہ جس برق رفتاری کے ساتھ صنعت ترقی کر رہی ہے۔ ایک دور آئے گا کہ:

زمین کے سینہ میں چھپے ہوئے خزانوں کا یکے بعد دیگرے انکشاف ہو جائیگا۔

"ایٹمی طاقت" جو انرجی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے آخر کار علم کے ہاتھوں رام ہو جائے گی۔

انسان، آسمانوں کی طرف اڑنے کے لیے اپنے پرانے خوابوں کی تعبیر یں دیکھے گا۔ ایک بٹن دبانے ہی اس کے گھر میں مکمل صفائی، کھانا تیار نیز کپڑے اور برتن دھل جائیں گے۔ سردی کے موسم میں کمرے گرم اور گرمی کے موسم میں ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ ایک اور بٹن کے دبانے ہی زمین جُت جائے گی، بیج بوئے جائیں گے اور آخر کار مشینوں کے ذریعہ فصل کٹ کر صاف ستھری حالت میں لفافوں میں بند، استعمال کے قابل ہر شخص کے سامنے ہوگی۔ انسان بیٹھے بیٹھے امن و امان کے عالم میں راحت و اطمینان چین سکون، رفاہ و آسائش، رنگ برنگی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہے گا۔

وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ، صنعتی دور کے انسان کی زندگی سکون و راحت سے نہیں کٹے گی۔ بلکہ صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ نئی نئی مشکلیں، اور انوکھی پریشانیاں بھی پیدا ہو جائیں گی۔

"عالمی جنگوں" کا دیو مشینوں اور صنعت کے مرکزوں پر اپنا منحوس اور بھیانک سایہ مسلط کر دے گا، اور مختصر سے عرصے میں انسانی زندگی کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دے گا کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

اس وقت اس کو ہوش آئے گا اس وقت وہ محسوس کرے گا کہ اس کی

زندگی کتنے خطرات میں گھری ہوئی ہے ؟

اگر ماضی میں ایسی جنگوں کا چرچا تھا جن میں ہزاروں آدمی اپنی جان گنوا بیٹھتے تھے، تو آج ایسی جنگ درپیش ہے جس کی قیمت، روئے زمین کے تمدن کی بالکل تباہی اور پتھر کے دَور کی دوبارہ آمد ہے !

آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھتی جارہی ہے کہ اپنی موجودہ حیثیت کو بچانے کے لیے، صنعت اور تہذیب و تمدن کے میدان میں، عظیم کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے، اِن پرانے قوانین سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ نئے قانون بنانے کی ضرورت ہے، کچھ نئے اصول بنانا پڑیں گے۔

رفتہ رفتہ، وہ زمانہ بھی آجائے گا کہ اسلحہ کی خطرناک دوڑ کو ختم کرنے، بڑی طاقتوں کی بڑھتی ہوئی کشمکش کو ختم کرنے، اور دنیا کو تباہی و بربادی کے دھانے سے ہٹانے کے لیے "ضرورت" اور ایک "ناقابل نظر انداز واقفیت" کے عنوان کے تحت ایک " **عالمی حکومت کا وجود** " بہت ہی شدت کے ساتھ محسوس ہوگا، تاکہ ان پریشان کن، موہوم، سرحدوں کا خاتمہ ہو جائے اور پوری دُنیا ایک جھنڈے تلے، ایک قانون کے سایہ میں زندگی بسر کرے !!

ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ، دنیا میں سماجی شعور اس منزل پر پہنچ جائے گا کہ لوگوں کو صاف نظر آئے گا کہ، دولت کی تقسیم کے اس ظالمانہ رویے کا انجام بہت بھیانک اور نتیجہ بہت دھماکہ خیز ہے جس نے دنیا کو اس طرح دو حصوں میں بانٹ دیا ہے کہ دنیا کے ایک کونے میں بلکہ ایک ہی شہر کے ایک گوشے میں کچھ لوگ اسقدر عیش و عشرت میں مگن ہیں، اتنی زیادہ دولت کی ریل پیل ہے کہ ان کے کتّے اور بلّیوں کے لیے بھی اسپتال، ڈاکٹر، ماہر دندان موجود ہیں، ان کے رہنے کے لئے عالی شان محل اور بڑے بڑے باغات ہیں اور اسی شہر کی دوسری سمت غربت کے

مارے لوگ بھی ہیں، جو بھوک کی شدت سے، خزاں کی زرد پتیوں کے مانند، مرجھائے ہوئے زمین پر پڑے ہیں اور ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے !!

تب وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ دولت کی تقسیم کے ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام کے بغیر دنیا میں امن برقرار نہیں ہوسکتا اور موجودہ صورتِ حال میں ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک، مالدار اور غریب دونوں ہی پریشانیوں کے شکار رہیں گے۔

اس وقت موجودہ صورتِ حال کے ناپسندیدہ نتائج کے آشکار ہوجانے اور عوام کے سماجی شعور میں اضافہ کی وجہ سے یہی مسائل "ضرورت" کے مرحلے میں داخل ہوکر اور ایک حتمی انقلاب کی بنیاد بن جائیں گے، جیسا کہ ماضی میں ہوچکا ہے۔

چنانچہ "معاشرتی ضرورت" ایک اور مؤثر محرک ہے جو اپنی طاقت کو استعمال کرکے، دنیا کو، خواہ مخواہ، ایک ایسی زندگی کی جانب لے جارہی ہے جس میں صلح و عدل کی حکمرانی ہو اور نئی بنیادوں پر عالمی حکومت قائم ہو !!

٭

عالمی سطح پر عوام کی بیداری کے آثار

بحث یہ چل رہی تھی کہ موجودہ قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دنیا کا انجام، صلح و عدالت ہے ؛ یا اس بات پر کہ اس کا انجام نسل انسانی کی تباہی و نابودی ہے ؟

ابھی تک چار طریقوں سے اس بات کی واضح دلیل مل چکی ہے کہ دنیا کا خاتمہ، صلح و عدل پر ہوگا، لیکن ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کر بیٹھیں کہ : اگر ایسا ہے تو پھر دنیا کی موجودہ صورتِ حال، اور آج کے انسان کی طرزِ زندگی میں اس مقصد کی طرف

قدم بڑھانے کے آثار نظر کیوں نہیں آتے ؟ بلکہ ہمیں تو کچھ اس کے برعکس ہی معلوم ہوتا ہے، موجودہ صورتِ حال دلاسا دینے کے بجائے، یاس اور ناامیدی کے گہرے سمندر کی طرف دھکیل رہی ہے ؟!

ہم بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ دنیا کا ایک سرسری مطالعہ' آپ کے اس اعتراض کی تائید کرتا ہے، لیکن جب مسائل کی گہرائی میں جاکر، غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آج کا انسان بھی اپنی تمام تر وحشیت و بربریت، تباہ کاری و بدکاری اور ظلم وستم کے باوجود، اس عظیم مقصد کی طرف قدم بڑھا چکا ہے اور بڑھا رہا ہے، اس کی فکر اور اس کی زندگی میں بیداری اور خود آگاہی کے آثار نظر آرہے ہیں!

اگرچہ ابھی کوئی بہت بڑا قدم نہیں اٹھایا گیا ہے، بلکہ بعض اقدام تو بہت زیادہ مؤثر بھی معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن بہرحال یہ بھی ماحول کو، فکری اعتبار سے آمادہ کرنے کے لیے ایک قابلِ توجہ اقدام ہے، ان آثار اور قرائن کے کچھ نمونے یہ ہیں۔

۱۔ عالمی انجمنوں اور سوسائیٹیوں کا قیام اور حقوقِ انسانی کے منشور کی تدوین

آپ جانتے ہیں کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم نے جس کو عالمِ بشریت میں جنون کے دور سے تشبیہ دینا غلط نہ ہوگا، اپنے مہلک اور تباہ کن اثرات کے ساتھ ساتھ ذہنوں کو جھنجھوڑنے اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے بھی کچھ آثار، یادگار کے طور پر چھوڑے ہیں۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد ایک "عالمی معاشرہ" کی داغ بیل ڈالی گئی اور کچھ ہی دنوں کے بعد دوسری جنگِ عظیم کی توپوں کی گھن گرج نے اس کو ملیا میٹ کر دیا۔

لیکن اسی مختصر سے تجربے کے سبب دوسری جنگِ عظیم کے ختم ہو جانے

کے بعد اس فکر نے زور پکڑا کہ، نسبتاً زیادہ مستحکم عالمی مرکز اور برادری کی بنیاد رکھی جائے
اس عالمی برادری کو آج "اقوامِ متحدہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس ضمن میں
"اِنسانی حقوق کے منشور" کے نام سے ایک گراں قدر منشور بھی تدوین کیا گیا۔
ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اس کے بہت سے مادے ایسے ہیں
جو "بلی" اور "گھنٹی" کی مشہورِ زمانہ، مثل، سے مشابہت رکھتے ہیں اور موجودہ
حالات میں ایسا شخص ملنا محال ہے جو اِس گھنٹی کو اُس بلی کی گردن میں پہنا سکے
لیکن یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ اتنے بہت سے عیوب اور نقائص کے باوجود،
یہ ایک بہت اہم اقدام ہے، اور کم از کم پوری دنیا اس بات کی معتقد ہے کہ یہ
بہت اچھی چیز ہے، اگرچہ عمل کے میدان میں یہ لوگ کترا کے نکل جاتے ہیں!
ہم "اِنسانی حقوق کے عالمی منشور" سے چند مادے یہاں نقل کر رہے ہیں،
اس کا اچھی طرح غور سے مطالعہ کیجئے اور بتائیے کہ کیا یہ وہی چیز نہیں ہے جس کو
گزشتہ بحثوں میں تلاش کر رہے تھے؟!

مادہ نمبر ۱ : ہر انسان دنیا میں آزاد آتا ہے، حیثیت اور حقوق
کے لحاظ سے سب برابر ہیں، ہر شخص صاحب عقل اور صاحبِ ضمیر ہے، اور
ان کو آپس میں بھائی چارگی کا سلوک کرنا چاہیئے ۔۔۔۔

مادہ نمبر ۳ : ہر شخص آزاد ہے، اس کو آزاد رہنے، اور شخصی
حفاظت و امنیت کا حق حاصل ہے۔

مادہ نمبر ۵ : کسی شخص پر تشدد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اِنسانیت سوز

اور ظالمانہ سزائیں نیز توہین آمیز سلوک ممنوع ہیں۔

مادہ نمبر ۶ : ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو ہر جگہ پر ایک انسان کے عنوان سے قانوناً تسلیم کیا جائے۔

مادہ نمبر ۷ : قانون کے سامنے سب برابر ہیں، اور ان کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی امتیاز کے بغیر مساوی حقوق کے ساتھ، قانون کی حمایت سے بہرہ مند ہوں .....

مادہ نمبر ۲۶ : ہر شخص کو تعلیم و تربیّت سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے، ... تعلیم و تربیّت کو اس طرح سے منظم کیا جائے کہ وہ ہر شخص کی انسانی شخصیّت کو اعلیٰ مدارج تک پروان چڑھائے اور انسان کی آزادی اور حقوق کے احترام کو تقویت بخشے ....

مادہ نمبر ۲۹ : ہر شخص پر اپنے اُس معاشرہ کی کچھ "ذمّہ داریاں" عائد ہیں جس نے اس کی شخصیّت کو آزادانہ طور پر، پروان چڑھنے کے امکانات فراہم کئے ہیں۔ اور آخرکار، اس عالمی منشور کا آخری مادہ، ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے لیے تمام راستے مسدُود کر دیتا ہے۔

مادہ نمبر ۳۰ : اس منشور کے کسی بھی اصول کو اس طرح سے تفسیر و توجیہ نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی حکومت، یا جمعیت، یا فرد کو کوئی ایسا حق دے دیا جائے

جس کی بنا پر وہ اس منشور میں مندرج آزادیوں اور حقوق میں سے کسی ایک کو پامال کر سکے یا اس کو نابود کرنے کے لیے کوشش کرے۔

ش

ایک دفعہ پھر اس بات کی یاد دہانی کرانا ضروری ہے کہ اس گفتگو سے ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہو جانا چاہیے کہ ان دلکش اور دلپذیر نعروں کو جو آج کی دنیا کے تنزبتر حالات میں ایک "سہانے خواب" کی مانند ہیں، اور ابھی اس پر عملدر آمد ہونے تک کوسوں فاصلہ ہے، ایک انجام شدہ کام سمجھ بیٹھیں، یا یہ کہ اس اقوام متحدہ کی کمزوریوں، اور بہت سی مشکلات کو حل کرنے میں اس کی عاجزی سے چشم پوشی کرلیں!
لیکن منفی پہلو کو اختیار کرنے والے حضرات کی طرح، اس کے اس وجود کو، جو اس بات کی دلیل ہے کہ بشریت ایک نئے تاریخی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، نظر انداز بھی نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کو معلوم ہے کہ " اقوام متحدہ " ایک اصل اور مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بہت سے شعبے ہیں انھیں کا ایک شعبہ " سلامتی کونسل" ہے۔

اس شعبہ اور مرکز میں فرق یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے پاس کوئی قوت نافذہ موجود نہیں ہے، اور اس میں جو تجویزیں پاس ہوتی ہیں، وہ دنیا کے ملکوں سے صرف ایک طرح کی سفارش اور درخواست سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں !!

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات، بدظن اور بدبین حضرات اس عالمی اجتماع کو "تقریر کا اسٹیج" یا " عالمی تقریر کا ھال" یا " بغیر حکومت کی پارلیمنٹ" وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، لیکن بہر حال اس کا اتنا فائدہ ضرور ہے کہ دنیا کا ہر ملک مساوات اور برابری کی بنیاد پر، وہاں پر ووٹنگ میں شرکت کرتا ہے، اور جو بل اس اجتماع میں پاس ہوتا ہے، وہ دنیا کی رائے عامہ پر، روحانی اور نفسیاتی اعتبار سے بہت اچھا اثر چھوڑتا ہے۔

لیکن اس کا ایک ادارہ "سلامتی کونسل" بھی ہے۔ یہ ادارہ طاقتور ہے، اس کے پاس قوتِ نافذہ موجود ہے، اگر وہ چاہے تو اپنے طے شدہ احکام پر عملدرآمد کر سکتا ہے، لیکن افسوس کہ ووٹنگ کرانے کے لیے اس کے پاس وافر مقدار میں طاقت نہیں ہے! کیونکہ پانچ بڑی طاقتیں (امریکہ، روس، چین، انگلینڈ، فرانس) جو اس کونسل کی دائمی رکن ہیں، ان میں سے کوئی ایک طاقت منفی ووٹ دے کر کونسل کے تمام ارادوں کو خاک میں ملا سکتا ہے، اور یہ "ویٹو" کا حق جو کہ اس اہم عالمی ادارے کی پیشانی پر سامراجیت کے عہد کا، کلنک کا ٹیکہ ہے" اکثر اوقات، اہم پروگراموں میں سلامتی کونسل کے ہاتھ پیر، باندھ کر، اس کو مفلوج بنا دیتا ہے۔

چنانچہ ایک کے پاس قوتِ نافذہ ہے مگر وہ کوئی تجویز پاس ہی نہیں کر پاتا اور دوسرا تجاویز کو پاس کرتا ہے، مگر اس پر عملدرآمد کرانے سے معذور ہے۔

لیکن ان تمام اعتراضات کے باوجود اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اسی "ناقص مرکز" اقوامِ متحدہ اور مختلف شعبوں نے، جہاں پر ہلڑ ہنگامہ زیادہ اور کام کم ہوتا ہے، اب تک بہت سے کام ۔ خواہ معمولی ہی سہی ۔ انجام ضرور دیئے ہیں اور عملی میدان میں اس کے کردار کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس کا یہی ظاہری ڈھانچہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں ایک نئی فکر پروان چڑھ رہی ہے، جس کا آغاز ایسے مرحلے سے ہوا ہے، جو ہنسی مذاق کی مانند ہے، لیکن اب مذاق کی حد سے گزر کر سنجیدگی اور واقعی مراحل کی طرف رواں دواں ہے، کیونکہ تہذیب و تمدن، دین و مذہب اور راہ و روش کے اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی، ہر ملک کو اس بات کا احساس ہے کہ اس ادارہ کا وجود ضروری ہے۔ اور وہ سب اس کے نابود یا بند ہو جانے کو بہت بُرا سمجھتے ہیں

۲۔ عالمی سطح پر تخفیف اسلحہ کی تحریک

اگرچہ یہ موضوع ابھی تک بنیادی طور پر تقریروں، کمیشنوں، اور فائلوں سے آگے نہیں بڑھا ہے؛ کیونکہ اس وقت بھی "عالمی تخفیف اسلحہ کمیشن" کے باہر جو کچھ گزر رہا ہے وہ اس بات پر گواہ ہے کہ، اسلحہ کی دوڑ میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے لیکن دنیا میں اس پیشکش کا ہمہ گیر استقبال یہ بتاتا ہے کہ عالمی ضمیر میں ایک طرح کا شعور اور خود آگاہی پیدا ہو چکی ہے؛ اور کم از کم ہر ملک اس بات سے ناراض ہے کہ اپنی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ایسے تباہ کن لوہے کے کوڑے کرکٹ پر صرف کرتا ہے، جس نے بہترین دانشوروں کے ذہنوں کو اس کی وسعت اور تکمیل میں مشغول کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کو "عمرانی مسائل میں اس" دولت" اور" ذہن" کی سخت ضرورت ہے؛ اور سبھی اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح خود کو اس خطرناک تباہی کے جنجال سے آزاد کر الیں، اور ہر شخص کی یہ آرزو ہے کہ جلد از جلد وہ وقت آ جائے کہ یہ عظیم انسانی اور معاشی سرمایہ، بنیادی کاموں کی انجام دہی نیز پریشانیوں، مشکلوں اور احتیاجات کو برطرف کرنے کے لیے صرف کیا جائے۔

عالمی اعداد و شمار کے ایک مرکز نے، ان اخراجات کے بارے میں جو اعداد و شمار پیش کیے ہیں، جو بڑے ممالک اپنے فوجیوں پر صرف کرتے ہیں، فوجی جو معاشرہ کے سب سے زیادہ جوان اور قیمتی افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ اس عظیم طاقت کو تباہ کرنے کے لیے ہر سال کمر شکن اخراجات برداشت کیے جاتے ہیں، اس مرکز نے جو حیرت انگیز اعداد و شمار پیش کیے تھے وہ ستاروں کے اعداد و شمار سے مشابہ ہیں، یہ اعداد و شمار، اس بات پر گواہ ہیں کہ ان غلط پروگراموں کے قدم بقدم نئی فکریں بھی اُبھر کر سامنے آ رہی ہیں، ایک ایسی

طرزِ فکر جو یہ کہتی ہے کہ یہ پروگرام اب برداشت سے باہر ہیں، اس میں تجدیدِ نظر کی ضرورت ہے اور یہ خود اس عظیم مقصد کی جانب ایک اہم قدم ہے۔

۳۔ حملہ صلح!

آج دنیا میں ہر شخص صلح کی باتیں کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو ہی گفتگو کرتے نظر آتے ہیں جنگ کی آگ بھڑکانے والوں کے سرغنہ ہیں، ان کی زبان پر بھی صلح کا نعرہ ہے، کیونکہ آج ہر انسان جنگ سے متنفر ہے، پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کی ویرانیاں اور بربادیاں ابھی فراموش نہیں ہوئی ہیں اور ہرگز فراموش نہ ہوں گی!

اگرچہ صلح کی حمایت ابھی انسان کی اور بہت سی خواہشات کی طرح آرزو کی حد سے آگے نہیں بڑھی ہے، اور ہر جگہ اس کی حمایت صرف نعرے بازی کی حد تک کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جنگ کی آگ کو بھڑکانے والے حضرات بھی اس کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن بہرحال اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص امن کا پیاسا، اور "صلح کے آبِ حیات" کا طلبگار ہے، یہ پیاس ہمہ گیر ہو چکی ہے، اور دنیا کے تمام عوام، دل و جان سے، ترقی اور خوشحالی کے لیے اصولی اور بنیادی طور پر اس کے خواہاں ہیں۔

خاص طور سے جب لوگ اس بات پر غور کرتے ہیں کہ آج کل جنگیں اتنی زیادہ مہنگی اور تباہ کن ہیں کہ ممکن ہے کہ صرف چند روز کی جنگ میں، اربوں روپے کے مالی نقصان، ہزاروں مقتول اور زخمیوں کو برداشت کرنے کے علاوہ معاشی اور عمرانی لحاظ سے برسوں پیچھے جائیں گے تو ان کی خواہش اور گہری ہو جاتی ہے۔

اس ہمہ گیر مطالبہ کو ناچیز نہیں سمجھنا چاہیئے، کیونکہ ہر انقلاب پہلے ایک "آرزو" ایک "خواہش یا ایک" دل پسند نعرے" کی شکل میں دلوں کی گہرائیوں میں

اپنے قدم جماتا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ، ایک "ضرورت" اور ایک "ناقابلِ اجتناب حقیقت" کے روپ میں سامنے آجاتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے معاشرے کے اصول کو بدل ڈالتا ہے۔

امریکہ اور ویٹ نام کی گزشتہ جنگوں میں، خبر رساں ایجنسیوں کے بقول جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی پانچ لاکھ مرتبہ ہوئی ہے۔ لیکن آخرکار وہ فیصلہ کن مرحلہ بھی آن پہنچا، اور جس "ضرورت" کو متحقق ہونا تھا، وہ ویٹ نام کی کامیابی کے ساتھ معرضِ وجود میں آگئی۔

۴۔ اسلامی حکومت کی پیش کش

اس پیش کش کے موافقین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے اور مختلف محفلوں میں اس کے بارے میں بحث و گفتگو جاری ہے، بعض لوگ تو عالمی زبان "اسپرانتو" کی تجویز کو جو کہ اب بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے، اسلامی حکومت کے قیام کا مقدمہ سمجھتے ہیں، یہ پیش کش اس عظیم مقصد تک پہنچنے کے لیے، ایک اور مؤثر اقدام ہے۔

البتہ اس میں شک نہیں ہے کہ آج کی دنیا موجودہ حالات میں اس طرح کی حکومت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کیونکہ ابھی بعض نام نہاد ترقی یافتہ ممالک جیسے امریکہ میں سیاہ اور سفید نسل کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے، اور اس معاشرے میں کالے لوگ نسلی امتیاز کے قدموں تلے بہت ہی بے دردی کے ساتھ کچلے جارہے ہیں۔

اب بھی بڑی طاقتیں، جنوبی افریقہ کی نسل پرست، حکومت کی حمایت کررہی ہیں اور ابھی تک "پسماندہ" "ترقی پذیر" اور "ترقی یافتہ" طبقوں کا درمیانی فاصلہ

اپنی جگہ پر باقی ہے، بلکہ فاصلہ کچھ اور بھی بڑھتا جا رہا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ ان افکار کا پھیلنا، اور دنیا کے بہت سے طبقوں میں اس کی مقبولیت، اس بات پر زندہ دلیل ہے کہ "**عالمی صلح و عدالت**" برقرار کرنے کے لیے دنیا معاشرتی روحانی اور ثقافتی اعتبار سے آمادہ ہوتی جا رہی ہے۔

ٌ

جن چیزوں کو ہم بیان کر چکے ہیں، اس کے علاوہ، گوشہ و کنار میں عالمی اجتماعات کے اور بھی بہت سے ایسے آثار نظر آتے ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان بہت تیزی کے ساتھ وحدت اور یکتائی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے جیسے "مشترکہ منڈی" اور "عالمی یونینیں" یہ تمام باتیں اس بات کی گواہ ہیں کہ دنیا اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک طول و طویل سفر پر نکل پڑی ہے اور یہ باتیں ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کی بشارت دے رہی ہیں۔

۵۔ فِطرت، صُلح اور عالمی عدل

کسی مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے عمومی طور پر دو راہیں معین ہیں، ان میں کی پہلی راہ "عقل و خرد" کی راہ ہے اور دوسری "انسان کے فطری احساسات و جذبات" کی۔

فطرت ــ انسان کے ان نفسیاتی اور اندرونی ادراکات و الہامات کا نام ہے جس کے لیے بظاہر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، یعنی اسے انسان کسی استدلال اور بُرہان کے بغیر تسلیم کر لیتا ہے، اور اس پر اعتقاد رکھتا ہے۔

اس طرح کے ادراکات اور الہامات بعض اوقات عقل کے فیصلوں سے زیادہ مستحکم اور اصیل ہوتے ہیں، ان ذاتی ادراکات اور الہامات کو غالباً "غریزہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور حیوانات میں غرائز کی دنیا بھی بہت وسیع ہے۔

حیوانوں کی زندگی کے نہایت اہم امور بلکہ تمام بنیادی امور انہی غرائز کے زیر اثر انجام پاتے ہیں۔

غرائز کا انعکاس بعض اوقات اس قدر تعجب خیز ہے کہ انسان کو اس کے مقابلہ میں، ان تمام ترقی یافتہ وسائل اور اس کے الیکٹرونک آلات کے باوجود اپنے عجز و ناتوانی کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔

مثال کے طور پر، موسم کے بارے میں پیشن گوئی کرنے والے حشرات کی تعداد بہت زیادہ ہے، جو ایک دن اور کبھی کبھی چھ مہینہ کے موسم کی کیفیات کو سمجھ لیتے ہیں بلکہ میں نے بعض کتابوں میں یہاں تک پڑھا ہے کہ ایک ٹڈی ایسی بھی ہے جو ایک سال قبل موسم کے بارے میں درست پیشن گوئی کر لیتی ہے، یہ واقعتاً حیرت انگیز بات ہے کہ فضائی دور کا انسان موسمی پیشن گوئی کے بارے میں اتنے بہت سے نئے اور طاقتور آلات کے استعمال، تمام اہم مقامات پر موسم کے بارے میں اطلاعات حاصل کرنے کیلئے مضبوط چوکیاں قائم کرنے ٹیلیفون وائرلیس اور راڈار کے ذریعے ان تمام اہم مقامات کی فضائی اور موسمی کیفیات کے بارے میں اطلاعات اکٹھا کرنے کے لئے اسقدر محنت و مشقت تیار کرتا ہے اور صرف چھ گھنٹے کیلئے موسم کے بارے میں پیشگوئی کر سکتا ہے، وہ بھی ایسے الفاظ اور عبارات میں جس کے کئی پہلو ہوں مثلاً:

تھوڑا بہت ابر رہے گا۔

کبھی کبھی مطلع کاملاً ابر آلود رہے گا۔

چھینٹے پڑنے کا امکان ہے۔

شاید بہت ہی شدید بارش ہو۔

یا احتمال ہے کہ مطلع بالکل صاف رہے گا !! ۔۔۔۔

لیکن وہ موسم شناس کبڑا، دوسرے کبڑے ٹکوڑوں کے ساتھ رابطہ برقرار

کیے اور کسی آلہ کی مدد کے بغیر چھ ماہ کے لیے، یعنی گرمی ہی کے موسم سے، سردی کے موسم کی کیفیات کی پیش گوئی کرنا ہے، اور خود کو اس فصل کے لیے تیار کرلیتا ہے!
انسان کی فطری معلومات کے بہت سے دوسرے جانداروں سے کم ہونے کا سبب شاید یہ ہو کہ اسے عقل کا ایک بہت بڑا حصّہ عطا کیا گیا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ ہر میدان میں اپنی کم مائیگی کا مداوا کر لیتا ہے، لیکن انسان بھی زندگی کے اصولی مسائل میں، اور ضرورت کے مقام پر اس فطری ادراک اور الہام سے مستفید ہوتا ہے، اور یہ فطرت ہمارے، اس در پیش سفر میں بھی چراغِ ہدایت بن سکتی ہے۔

ٌ

زیرِ بحث مسئلہ میں کہ دنیا خوں ریز جنگوں اور ظلم و ستم کے ساتھ نابود ہو جائے گی، یا یہ کہ اس دنیا میں آخر کار، امن و امان اور صلح و عدل کی حکمرانی ہوگی؟ کیا اس سلسلہ میں فطری ادراکات اور الہامات، ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟
اس سوال کا جواب، اثبات میں ہے! کیونکہ، دو ایسی اہم نشانیاں موجود ہیں جو کہ ہم کو حقیقت تک پہنچانے میں مدد گار ثابت ہو سکتی ہیں:

ٌ

صلح اور عدل سے عشق:

۱۔ صلح اور عدل سے عشق انسانی فطرت کی گہرائیوں میں موجود ہے، ہر شخص صلح و عدل سے لطف اندوز ہوتا ہے؛ اور اس کے وجود کا ہر ہر ذرّہ، چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ہم صلح و عدل سے لبریز دنیا کے متمنّی ہیں!
دنیا کی مختلف اقوام کے طرزِ تفکر، آداب و رسوم، عشق و محبت، راہ و روش، اسلوب و انداز، آرزو اور خواہشات نیز دین اور مذہب میں شدید اختلاف پایا

جاتا ہے، اس کے باوجود سب کے سب اس مسئلہ میں متفق اور صلح و عدل کے
گرویدہ ہیں۔ میرے خیال میں اس عشق کے فطری ہونے کی سب سے بڑی دلیل
یہی ہے، اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ
کسی چیز سے ہر جگہ اور ہر معاشرہ میں عشق، اسکے فطری ہونیکی دلیل ہے
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلح و عدل کے بارے میں انسان کی یہ پیاس، کیا یہ ایک
جھوٹی اور مصنوعی پیاس ہے؟ یا یہ ایک ایسی واقعی اور حقیقی ضرورت ہے، جس کو
ثابت کرنے کے لیے داخلی ادراکات اور الھامات، عقل کی مدد کے لیے آگے
بڑھتے ہیں، تاکہ اس کی ضرورت پر اور زیادہ تاکید ہو جائے؟!

یہ سوال آپ حضرات کی توجہ کا طلب گار ہے۔ اس سوال کے جواب میں
ہم ایک اور سوال اٹھاتے ہیں اور وہ یہ کہ، کیا ہمیشہ ہماری پیاس اس بات پر
دلالت نہیں کرتی کہ طبیعت میں پانی موجود ہے، اور اگر دنیا میں پانی کا حقیقی
وجود نہ ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ ہمیں پیاس لگے، اور ہمارے اندر پانی سے لگاؤ اور
اُلفت پیدا ہو؟!

ہم چیختے ہیں، چلاّتے ہیں، آہ و بکا کرتے ہیں، نالہ و فریاد کرتے ہیں، تاکہ
عدل اور صلح کو برقرار کرسکیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخر کار ایک
دن وہ آئے گا جس دن ہماری یہ تمنّا پوری، اور عدل وصلح کی حکمرانی ہوگی۔

اصولاً فطرت کے جھوٹے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ہمیں
معلوم ہے کہ طبعی دنیا اور عالمِ تخلیق، متحد اور آپس میں ملا ہوا ایک پیکر ہے،
یہ ہرگز کچھ علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا موجودات کا مجموعہ نہیں ہے۔ دنیا کے تمام
موجودات ایک ایسے عظیم تنا ور درخت کی مانند ہیں، جس کی پھیلی ہوئی شاخوں
نے پوری کائنات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، ممکن ہے اس کی دو ڈالیوں

کے درمیان یا ایک ہی گچھوں کے ڈو دانوں کے درمیان لاکھوں نوری برسوں کا فاصلہ ہو لیکن اتنے زیادہ فاصلے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہیں! بلکہ یہ اس کی عظمت اور وسعت کی خصوصیتوں میں سے ہے!

اس عظیم پیکر میں "ہر جز" "کل" کی نشانی ہے، اور ہر حصہ دوسرے حصے کے ساتھ رابطہ رکھتا ہے، اور ان کے ردِ عمل ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، ایک دوسرے کے وجود کی نشانی ہیں، اور سب کا سر چشمہ ایک ہے!

اس اصول کی بنا پر ہر حقیقی اور فطری عشق، کسی معشوق کی موجودگی اور اس کی کشش کا پتہ بتاتا ہے۔

اس بات پر اچھی طرح غور کیجئے کہ:

"وہ عشق" جس کا معشوق صرف خیالات کی دنیا میں ہو، وہ ایک "مصنوعی عشق" ہے، عشق نہیں بلکہ دھوکا ہے، اور اس طبعی دنیا میں دھوکے اور تصنّع نام کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ یہ صرف، خلقت سے انحراف کا نتیجہ ہے جو ایک مصنوعی چیز کو حقیقی اور واقعی چیز کا جانشین بنا دیتا ہے۔

بہرحال انسانی فطرت پکار پکار کر، کھلے لفظوں میں کہہ رہی ہے کہ آخر کار اس دنیا میں صلح و عدل کا جھنڈا، لہرا کر رہے گا اور ظلم و ستم کی بساط تہ کر دی جائیگی کیونکہ یہ تمام انسانوں کی آرزو ہے اور عام تمنا ہے۔

⁂

ایک عظیم مصلح کا عالمگیر انتظار!!

۲۔ جن لوگوں نے اس سلسلہ میں مطالعہ کیا ہے، تقریباً وہ سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کی تمام قومیں ایک عظیم انقلابی رہبر کے انتظار میں زندگی کے شب و [illegible]

گزار رہی ہیں۔ ہر قوم، اس کو ایک مخصوص نام سے یاد کرتی ہے، لیکن تمام قومیں اس کے بنیادی اوصاف اور اس کے پروگراموں کے بارے میں متفق ہیں !

چنانچہ بعض لوگوں کے وہم و گمان کے برخلاف، بشریت کے جانکاہ زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے ایک عظیم نجات دہندہ کے ظہور پر ایمان کا مسئلہ صرف مسلمانوں ہی میں نہیں پایا جاتا، حتیٰ کہ یہ عقیدہ صرف مشرقی مذاہب سے بھی مخصوص نہیں ہے بلکہ ایسی اسناد اور دستاویز موجود ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ ایک پرانا اور عالمگیر اعتقاد ہے جو مشرق و مغرب کے تمام مذاہب اور اقوام میں پایا جاتا ہے، اگرچہ اسلام کی طرح، بعض دوسرے مذہبوں میں اس مسئلہ پر کچھ زیادہ تاکید نظر آتی ہے۔

اور یہ اس مسئلہ کے فطری ہونے پر ایک اور دلیل ہے۔

ہم یہاں پر بہت ہی اختصار کے ساتھ مختلف اقوام و ملل کے درمیان اس عقیدے کے انعکاس کی طرف دو مقصد کے لیے اشارہ کریں گے :

پہلا مقصد اس مسئلہ کی ہمہ گیری کو ثابت کرنا اور دوسرا اس عظیم مصلح کے ان پروگراموں کو تلاش کرنا جو ہر قوم میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔

زرتشتیوں کی کتابوں میں اس پروگرام کی تجلّی !

۱۔ مشہور و معروف کتاب "زند" میں "یزدانیوں" اور "اھرمنوں" کی دائمی جنگ کے ذکر کے بعد تحریر ہے کہ :

"... اس وقت یزدانیوں کو ایک عظیم کامیابی حاصل ہوگی۔ اور اھرمن صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے گا ...

یزداں کی کامیابی اور اھرمنوں کی نابودی کے بعد، دنیا اپنی حقیقی سعادت اور

خوش نصیبی سے ہمکنار ہو جائے گی، اور فرزندان آدم خوش قسمتی کے تخت پر جلوہ افروز ہوں گے"۔ !

۲۔ "**جاماسپ نامہ**" میں "**جاماسپ**" زردشت کی زبانی نقل کرتا ہے کہ :

"تازیوں کی سرزمین سے ایک شخص خروج کرے گا ۔۔۔۔ ایک ایسا مرد، جو بڑے سر، بڑے جسم، اور بڑی پنڈلیوں کا مالک ہو گا، اپنے جد کے آئین پر عمل، اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ایران کا رُخ کرے گا، دنیا کو آباد اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا"۔

٭

برہمنوں اور ہندوؤں کی کتابوں میں اس عقیدہ کی تجلیاں

۳۔ ہندوؤں کی کتابوں میں سے "وشنو یگ" میں تحریر ہے کہ :

" آخر کار دنیا اس کے ہاتھوں میں ہو گی جو خدا کو دوست رکھتا ہے اور اس کے خاص بندوں میں سے ہے، اور اس کا نام "**مُبارک اور میمون**" ہے" !

۴۔ "وید" نامی ایک دوسری کتاب میں آیا ہے کہ :

" دنیا کے خراب ہو جانے کے بعد آخری زمانہ میں ایک ایسا بادشاہ ظاہر ہو گا جو پیشوائے خلائق ہو گا۔ اس کا نام "منصور" ہے وہ تمام دنیا پر قبضہ کر کے سب کو اپنے آئین کا پیرو بنا لے گا"۔

۵۔ برہمنوں کی مقدس کتابوں میں سے "**دواتک**" نامی کتاب میں آیا ہے :

"۔۔۔۔۔ دست حق، نکلے گا اور "**ممتاطا**" کا آخری جانشین ظہور کرے گا، مشرق و مغرب اس کے قبضہ میں ہو گا، اور خلائق کی ہدایت کرے گا"۔

۶۔ ہندوؤں کی کتابوں میں سے "پاتنیکل" نامی کتاب میں آیا ہے :
"جب ان کی مدت ختم ہو جائے گی، اور پرانی دنیا نئی اور زندہ ہو جائے، اور ایک نئے بادشاہ کا ظہور ہو جائے، دنیا کے دو پیشوا کے فرزندوں میں سے ایک آخری زمان کی آبرو۔۔۔۔۔ اور دوسرا۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ ان کا بڑا، جس کا نام "پشن" ہے، اور اس نئے بادشاہ کا نام "راہنما" ہے، وہ بحق بادشاہ ہوگا وہ رام کا خلیفہ ہوگا، حکومت کرے گا، اور وہ بہت سے معجزہ کا مالک ہوگا"۔

۷۔ ہندوؤں کی کتابوں میں سے "باسک" نامی کتاب میں آیا ہے :
"دنیا کا دور آخری زمانہ میں ایک ایسے عادل بادشاہ پر تمام ہو جائے گا جو فرشتوں، پریوں اور آدمیوں کا پیشوا ہوگا، اور سچ تو یہ ہے کہ حق اس کے ساتھ ہوگا اور جو کچھ دریا زمینوں اور پہاڑوں میں مخفی ہوگا، سب اس کے ہاتھ لگ جائے گا اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہوگا وہ اس کی خبر دے گا اور دنیا میں اس سے بڑا کوئی شخص نہ آیا ہوگا"!

❁

عہد قدیم (توریت اور اس کے ملحقات) میں ایک پرتو

۸۔ "مزامیر داؤد" نامی کتاب کے مزمور ۳۷ میں آیا ہے کہ :
"۔۔۔ کیونکہ شریر لوگ نابود ہو جائیں گے، اور خدا پر توکل رکھنے والے زمین کے وارث ہوں گے، تھوڑی ہی مدت کے بعد کوئی شریر نہ ہوگا، تم اس کی جگہ کے بارے میں غور کرو گے اور اس کے مکان میں تامل وہ وہاں نہیں ہوگا۔ اس کے دور میں فقط حلیم (صالح) لوگ زمین کے وارث ہوں گے"!

اسی مزمور ۳۷ (کتاب مزامیر داؤد سے) کے جملہ ۲۲ میں آیا ہے :

"کیونکہ" خداوند عالم کے متبرک لوگ" زمین کے وارث ہوں گے، لیکن اس کے ملعون لوگ نابود ہو جائیں گے"۔

جملہ ۲۹ میں آیا ہے کہ:

"صدیق حضرات زمین کے وارث ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں سکونت کریں گے"۔

۹۔ "حبقوق نبی" نامی کتاب، فصل ۲ میں آیا ہے:

.... اور اگر وہ تاخیر کرے تو اس کا انتظار کرو!
کیونکہ وہ حتماً آئے گا، درنگ نہیں کرے گا،
بلکہ تمام امتوں کو اپنے اِرد گرد اکٹھا کرے گا،
اور سب کو اپنے لیے فراہم کرے گا"۔

۱۰۔ "اشعیا نبی" نامی کتاب، فصل ۱۱ میں ایک ایسی بحث میں جو سر تا پا تشبیہ ہے آیا ہے کہ:

"اور، لیسی[1] کے تنے سے ایک نہال نکل کر، اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ بڑھے گی.... جو ذلیلوں کے لیے عادلانہ حکم اور زمین کے مسکینوں کے لیے سچ مچ میں تنبیہ (اور بیداری کا سبب) ہو گی.....

اس کی کمر بند، عدالت ہے،
اور وفا، اس کی میان کا نطاق ہو گی۔
اور بھیڑیا، بکری کے بچوں کے ساتھ سکونت کرے گا......
اور ایک چھوٹا سا بچّہ ان کا چرواہا ہو گا،
اور میرے تمام مقدّس پہاڑوں میں ذرّہ برابر ضرر اور فساد نہیں ہو گا۔ کیونکہ

---

[1] لیسی بہ وزن منی نوی، داؤد کے باپ کا نام ہے (قاموس مقدس سے نقل کیا گیا ہے)

زمین خداوند عالم کے علم و دانش سے بالکل اسی طرح لبریز ہو جائے گی جیسے پانی سے سمندر۔

ث

عہدِ جدید میں (انجیل اور اسکے ملحقات میں) نشانیاں

۱۱۔ انجیل "متی" فصل ۲۴ میں آیا ہے کہ :

"جس طرح بجلی مشرق سے نکلتی ہے اور مغرب تک ظاہر ہوتی ہے، انسان کے فرزند کا آنا بھی ایسے ہی ہوگا ......

انسان کے فرزند کو آسمانی بادل پر دیکھیں گے کہ قدرت و عظمت و جلال کے ساتھ آرہا ہے !

اور اپنے فرشتوں (اپنے یار و مددگاروں) کو بلند آواز (صور) کے ساتھ بھیجے گا اور وہ اپنے برگزیدہ لوگوں کو اکٹھا کریں گے"۔

۱۲۔ انجیل "لوقا" بارہویں فصل میں ذکر ہوا ہے کہ :

"اپنی کمر کو باندھے اور اپنے چراغ کو جلائے رکھو،

اور تم ایسے لوگوں کی طرح رہو، جو اپنے آقا کا انتظار کر رہے ہوں۔ تاکہ جس وقت وہ دروازہ کھٹکھٹائے، فوراً اس کے لیے کھول دو۔

ث

چینیوں اور مصریوں وغیرہ کے درمیان اِس عقیدے کی تجلی

۱۳۔ کتاب علائم الظہور[1]

ص۴۷ پر یہ عبارت نظر آتی ہے

---

[1] حسن قائمیان

"صادق" نے پہلوی متون کے جو ترجمے درج کیسے ہیں ان کا اکثر و بیشتر حصّہ ظہور اور علائم ظہور کے بارے میں ہے اور اگر مجموعی طور پر بھی صادق کے تمام پہلوی متون کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ان سب میں مذہبی پہلو پایا جاتا ہے۔

...... ظہور اور علائم ظہور ایک ایسا موضوع ہے کہ جس کو دنیا کے تمام بڑے مذہبوں میں ایک خاص مقام حاصل ہے "صادق" کے بقول:

اس عقیدہ اور ایمان سے قطع نظر جس پر آرزو کی بنیاد قائم ہے، ہر وہ شخص جو انسانیت کی سرنوشت کے سلسلہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اتنی حیرت انگیز فکری اور علمی ترقی کے باوجود غافل اور بے خبر بشریت ہر روز اپنے کو تباہی و بربادی کے دھانے سے نزدیک کیئے جا رہی ہے، خداوند عالم سے زیادہ سے زیادہ دور نیز مسلسل اس کے احکام کی نافرمانی کرتی جا رہی ہے تو اسے سخت افسوس ہوتا ہے اور وہ اپنی ذاتی فطرت کی بنا پر خداوند عالم کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر ظلم و ستم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اس کی بارگاہ سے مدد کا خواہاں ہوتا ہے!

اسی وجہ سے ہر دَور اور ہر زمانے میں، خدا پرستوں کے دلوں میں ایک ایسے عالمگیر اور عظیم مصلح کی تمنّا مچلتی رہی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ یہ آرزو صرف بڑے مذاہب کے ماننے والوں، جیسے زردشتی، یہودی، عیسائی اور مسلمانوں ہی میں پائی جاتی ہو، بلکہ اس کے آثار "چینیوں کی پرانی کتابوں اور ہندوستانیوں کے عقائد، اور اسکنڈینیویا کے باشندوں، یہاں تک کہ پرانے مصریوں اور میکسیکیوں وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں"

❊

یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ کتاب " زند ' وصو من لیسن " اور زردشتیوں کی چند دوسری کتابیں جن میں خاص طور سے جاماسپ کے آخری دو باب، جو جاماسپ حکیم کی زبانی زردشتی مذہب قبول کرنے والے بادشاہِ وقت "گشتاسپ" کے لیے ہے۔ موعود آخر الزمان کے بارے میں زردشت کی پیشین گوئی پر مشتمل ہے، اس کو صادق ہدایت نے پہلوی متن سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے، اور صادق کے دوست اور ہم قلم، حسن قائمیان نے اس کو علائم الظہور کے نام سے شایع کیا ہے۔

مغربی اقوام میں اس فکر کی تجلّی

۱۴۔ ایک عظیم آزادی بخش کے ظہور اور انسانوں کے درمیان سے ظلم و ستم کی بساط کے تہ ہو جانے اور عدل و حق کی حکومت برقرار ہونے پر ایمان، صرف مشرقی اقوام اور مشرقی مذاہب میں منحصر نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عالمگیر عقیدہ ہے جو مختلف اقوام کے درمیان مختلف روپوں میں نظر آتا ہے۔ نیز اس کے یہ تمام روپ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ:

اس پرانے عقیدے کی جڑیں انسان کی فطرت اور اس کی سرشت کی گہرائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں، نیز ہر پیغمبر کی دعوت اور تبلیغ میں یہ عقیدہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

" دیباچہ ای بر رہبری " میں مغرب کی مختلف قوموں میں ایک عظیم نجات بخش کے ظہور کے انتظار کے وجود، اور کچھ لوگوں کے اس ہمہ گیر انتظار سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا ذکر کرتے ہوئے، پانچ ایسے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے

انگلینڈ میں اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ عظیم مصلح جس کا انتظار کیا جا رہا ہے (یہ افراد ہیں)

۱۔ جیمز نایلور ۲۔ یوحنا ساؤتھ کاٹ ۳۔ رچرڈ برادرز
۴۔ جان نیکولس ٹام ۵۔ ہنری جیمز پرنس

امریکی ماہر سماجیات ' برنارڈ باربر ' کی زبانی ' سرخ فام امریکیوں کے درمیان بھی اس طرح کے اعتقاد کے وجود کو نقل کرتے ہوئے " لیاقت منجی گری " میں تحریر ہے کہ :

" سرخ فام امریکن قبائلیوں میں ...... یہ بات مشہور ہے کہ ایک دن (نجات دہندہ) سرخ فاموں کے آس پاس ظہور کرے گا، اور ان لوگوں کو زمینی بہشت میں داخل کر دے گا....

صرف ۱۸۹۰ء تک امریکہ کی تاریخ میں اس طرح کی ۲۰ سے بھی زیادہ تحریکیں درج کی جا چکی ہیں ۔

کتاب " علائم الظہور " سے ابھی جس بحث کو نقل کیا تھا ۔ اس میں یہ بات بہت صراحت سے کہی گئی ہے کہ " اس عقیدے کے آثار اسکنڈے نیوی باشندوں اور میکسیکو کے قدیمی باشندوں وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں ۔

☆

اب تک جو کچھ بیان ہوا ۔۔ اور بہت سے دوسرے مطالب اور شواہد جو اختصار کی وجہ سے بیان نہ ہو سکے ۔ ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ انتظار کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہیں ہے ۔ بلکہ یہ ایک عالمی، وسیع اور ہمہ گیر انتظار ہے اور یہی بات آخر کار اس اعتقاد کے فطری ہونے پر دلیل ہے ۔

آئندہ بحثوں میں آپ یہ دیکھیں گے کہ اسلامی عقائد میں ' اس عقیدہ نے " ظہور مہدی " کے عنوان کے ذیل میں بہت وسعت پائی ہے ' نیز اسلام میں

اسے ایک بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے۔

آگے چل کر آپ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ فطری حقیقت جسے عقل و خرد کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ انسانی روح کی فضا پر چھا جانے والی یاس و ناامیدی، بدظنی اور بدبینی کی کالی گھٹاؤں کو برطرف کرنے، اور اس کو ایک تابناک مستقبل کے لیے آمادہ کرنے میں کس قدر کامیاب رہی ہے۔

— کہ یہ ؛

طاقتوں کو اور زیادہ آمادہ ؛

افکار کو اور زیادہ بیدار ؛

تیاریوں کو اور زیادہ بہتر ؛

نیز عشق کو اور زیادہ آتشیں بنا کر ؛

صحیح معنوں میں ایک انسانی معاشرہ تک پہنچنے کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے !!

ایک ایسا معاشرہ ——— ؛

جس کو ،

نہ تو ظلم و ستم کی آگ کوئی نقصان پہنچا سکے ،

نہ نسلی امتیازات کا گھن اسے کھوکھلا کر سکے ،

اور

نہ ہی بے انصافیاں اس کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہو سکیں !!

۱۔ اِس باب میں "علائم الظہور"، "شکوفہ ھای اُمید" اور "دیباچہ ای بر رھبری" سے استفادہ کیا گیا ہے

اِنقلاب یا تدریجی اِصلاحات

ابھی تک اس سلسلہ میں بحث ہو رہی تھی کہ انسان اپنی عقل کی پکار اور فطری الہام کی روشنی میں ایک ایسے "تابناک مستقبل" کے انتظار کی گھڑیاں گن رہا ہے، جو اس کے "حال" سے بہت زیادہ مختلف ہوگا۔ اس درخشاں مستقبل میں اس دور کی ان تمام مصیبتوں اور مشکلوں کا نام و نشان تک نہ ہوگا جو اسے مسلسل پریشان کیے ہوئے ہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ، کیا یہ تبدیلیاں "تدریجی اصلاحات" کے ذریعہ حاصل ہوں گی یا اس کے لیے ایک بنیادی انقلاب کی ضرورت ہوگی؟!

سماجی اصلاحات کے نفاذ کے سلسلہ میں دانشوروں کے درمیان اس مسئلہ پر اصولی اور کلی اختلاف پایا جاتا ہے۔ دانشوروں کا ایک گروہ، "تدریجی اصلاحات

کی حمایت کرتا ہے۔ ان لوگوں کو "مصلح Reformist" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور ان لوگوں کے مدِ مقابل "انقلابی Revolutionist" گروہ ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ انسانی معاشرے میں انقلاب کے بغیر بنیادی تبدیلی ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ کام بھی طبیعت کے انداز پر انجام پانا چاہیئے کیونکہ وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ طبیعت میں تبدیلیاں، جست اور انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں، اور تدریجی "کمی" تبدیلیاں ایک منزل پر پہنچ کر "کیفی" شکل اختیار کر لینے کے بعد ایک جست اور انقلاب کے ساتھ اپنی ضد کو اپنا جانشین بنا دیتی ہیں۔

ہر طرح کی سماجی تبدیلیوں اور تغیرات کے بارے میں، اس طرزِ تفکر کے حامیوں نے معاشرے کے انقلاب کی کیفیت کے لیے، بہت ہاتھ پیر مارے ہیں، اور طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں، کہ نہ تو سب کی سب مستدل ہیں، اور نہ ہی تاریخی مسائل اور مشاہدات سے مطابقت رکھتی ہیں، لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ "اصل" بہت سے مسائل میں قابلِ قبول ہے۔

توضیح: لیکن جو بات حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرے کے فاسد ہونے کے مدارج، مختلف ہیں جس معاشرہ میں ابھی فساد اور بدعنوانی، ہمہ گیر نہ ہوئی ہو، اخلاقی بیماریاں ابھی پورے طور پر نہ پھیلی ہوں وہاں اصلاحی پروگراموں کی بنیاد، تدریجی اصلاحات پر رکھی جا سکتی ہے لیکن جس معاشرہ میں ہر طرف فساد ہی فساد، بدعنوانیوں اور بے سروسامانیوں کا راج ہو، یا اکثر اداروں میں فاسد عناصر رخنہ کر چکے ہوں، تو اس کی اصلاح اور بدعنوانیوں کے خاتمہ کے لیے ایک جست اور انقلاب کی ضرورت ہے۔

انقلاب کے بغیر فساد کا قلع قمع ممکن نہیں ہے۔

اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے کسی عالیشان عمارت کی تدریجاً مرمت کر کے اس کے شکوہ اور جلال کو دوبارہ پلٹا دیا جاتا ہے، لیکن اگر اس کی بنیاد ہی خراب ہو گئی اور جس ستون پر وہ عمارت قائم تھی اس کو ہی گھن لگ چکا ہو تو اس عمارت کو گرا کر اس کی جگہ پر ایک نئی عمارت کی بنیاد رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اس عقیدہ کی حقانیت پر بہت سی دلیلیں موجود ہیں:

٭

۱۔ تدریجی اصلاحات، ہمیشہ انہی قدیم بنیادوں پر انجام دی جاتی ہیں جو صحیح و سالم ہوں۔ اور ان اصلاحات کی تاثیر، اس بنیاد کے صحیح و سالم ہونے سے وابستہ ہے؛ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ "اصلاح" میں معیار اور ضوابط وہی سابقہ معیار اور ضوابط، صحیح و سالم صورت میں باقی ہوں، ورنہ "ایوانوں کے نقش و نگار" پر محنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ "عمارت کی بنیاد ہی خراب ہو چکی ہے" ایسی صورت میں نئے معیار اور ضوابط کو تلاش، اور اصلاحات کے لیے بنیادی مسائل پر تجدید نظر کرنا چاہیئے۔

۲۔ تدریجی اصلاحات، معمولاً مصالحت آمیز طریقوں سے انجام دی جاتی ہیں اور بہت سی جگہوں پر صرف "منطق" پر تکیہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ اس وقت مؤثر واقع ہو سکتی ہیں جب سماج اس کو قبول کرنے کے لیے فکری اور ذہنی طور پر آمادہ ہو۔

لیکن جہاں سماج میں آمادگی نہ پائی جاتی ہو، وہاں ضروری ہے کہ "انقلاب کی منطق" سے جس کا دوسرا نام طاقت کی منطق ہے، کام لیا جائے، اگرچہ انقلابی تبدیلیوں میں بھی "منطق" ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، لیکن آخری وار "انقلابی

طاقتوں ہی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

جس معاشرے میں ہر طرف بدعنوانی پھیلی ہوئی ہو، اور اس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہوں، وہاں پر غیر انقلابی اسلوب اپنانے سے، فساد کے اصلی عناصر کو اس بات کی فرصت مل جائے گی کہ وہ اپنے کو "اصلاح کرنے والوں" کے مقابلہ کے لیے تیار کرلیں، اور ان کے اسلحوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے کو دفاعی اسلحوں سے لیس کرلیں، جس طرح سے طاقتور جراثیم "تدریجی طور پر" دواؤں" کے استعمال کے مقابلہ میں اپنے کو محفوظ کر کے، اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں، اور ان کو قلع قمع کرنے کا واحد ذریعہ یہ رہ جاتا ہے کہ طاقت ور دواؤں کے استعمال کے ذریعہ، ان پر ایک برق آسا حملہ کیا جائے۔

۳۔ جس معاشرے میں بدعنوانیاں جڑ پکڑ چکی ہوں، اصلاح کے طاقتور مخالف عناصر معاشرے کے تمام اہم مراکز پر قابض ہوں، وہ ہر تدریجی اصلاحی تحریک کو نہایت آسانی کے ساتھ کچل سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں صرف ایک ہی صورت مفید ہے کہ یہ لوگ غافل گیر ہو جائیں نیز مقابلہ کی تیاری اور مزید اسلحوں سے لیس ہونے سے پہلے ہی ایک اچانک "**انقلابی حملہ**" کے ذریعہ ان کا قلع قمع کر دیا جائے!

۴۔ عظیم اصلاحی اور انقلابی طاقتوں کو معمولاً زیادہ دنوں تک، پر تحرک، متحد، اور پر جوش باقی رکھنا مشکل ہے، اور اگر اسی وقت ان کی طاقت، اتحاد اور جذبہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو ممکن ہے کہ وقت کے ساتھ ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں، جوش و خروش ختم ہو جائے، اور "انقلاب دشمن" عناصر ان کی صفوں میں گھس کر ان کے افکار پر چھا جائیں، لہذا وسیع اصلاحات کے لیے، ان انقلابی طاقتوں سے جلد از جلد، اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اس سے پہلے کہ ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں، اور قدامت پسند نیز رجعت پسند طاقتیں ان کے جوش و خروش

کو ختم کریں، ان کو کام میں لاکر بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۵۔ تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ ایسے معاشرے کبھی بھی تدریجی اصلاحات کے ذریعہ نہیں سدھرے ہیں، بلکہ ان کی سدھار اور اصلاح کے لیے ہمیشہ جست اور انقلابی راستوں کو اپنایا گیا ہے۔

اولوالعزم پیغمبرؑ، اور دنیا کے مصلح حضرات، جب اس طرح کے معاشرے سے دوچار ہوئے ہیں، تو انھوں نے ہمیشہ انقلابی اسلوب کو اپنایا ہے، اور میدانِ جہاد میں، طاقت کی آخری حد تک آگے بڑھے ہیں؛ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور خصوصاً حضرت رسولِ اکرمؐ، سلام اللہ علیہم اجمعین، یہ سب کے سب اعلیٰ درجے کے انقلابی تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے عظیم مرد و زن بھی جنھوں نے تاریخ کے دھارے کو موڑا ہے اور جو انسانی زندگی یا اپنے سماج میں، تاریخ ساز سمجھے جاتے ہیں، سب کے سب انقلابی تھے، اور یہ اس بات پر زندہ دلیل ہے کہ اس طرح کے معاشرے کی اصلاح کے لیے، انقلاب کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

۶

دنیا کی حالت کو سدھارنے، عالمگیر اصلاح، اور اُس نظام کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کے لیے، جو کار آمد طاقتوں کی تباہی، نسلی امتیازات، اور ظلم و ستم کی بنیاد پر قائم ہوا ہو، اور ایک ایسے عادلانہ نظام کو برقرار کرنے کے لیے جو ان بدعنوانیوں، بے سروسامانیوں، اور ظلم و ستم سے پاک ہو، یہ بات اور بھی زیادہ روشن ہو جاتی ہے کیونکہ دنیا میں یہ سب سے بڑا انقلابی کام ہے جس کو انجام دینا ضروری ہے، یہ کام تمام انقلابات سے زیادہ وسیع اور عظیم ہے، ایسی صورت میں کس طرح ممکن ہے کہ یہ عظیم اور بنیادی تبدیلیاں، تدریجی اصلاحات کے ذریعہ

انجام پائیں ؟!

یہاں ہمیں، صراحتاً اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ :

اگر ظلم و ستم، فساد اور بدعنوانی سے بھری ہوئی اس دنیا کو تباہی کے دہانے سے بچانا ہے، تو اس دنیا میں ایک **عظیم انقلاب** کا آنا ضروری ہے۔

ہر میدان میں انقلاب :

اخلاقی، فکری، علمی، اور ثقافتی میدان میں انقلاب، سیاست اور معاشیات کے میدان میں انقلاب، قواعد و ضوابط اور قوانین کے میدان میں انقلاب، ورنہ دنیا، عالمی جنگ کے شعلوں میں جل بھن کر راکھ ہو جائے گی!

٭

مادّی انقلاب، یا رُوحانی ؟

ایک دوسری بحث، جو گذشتہ بحث کا تکملہ ہو سکتی ہے، یہ ہے کہ کئی دلیلوں کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آخر کار انسان کی زندگی ایک اچھے دور میں داخل ہو جائے گی، اور انسانی تہذیب و تمدن کے آسمان سے، بے انصافی اور بدامنی کی کالی گھٹا چھٹ جائے گی، نیز یہ گھٹا ٹوپ اندھیرا، روشنی سے بدل جائے گا، لیکن یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ عظیم انقلاب، جسے اس فکر کو جامۂ عمل پہنانا ہے، کیا مادّی قوانین کے تکامل اور ارتقاء کے ذریعہ، آئے گا ؟ یا اس انقلاب کو معرض وجود میں لانے کے لیے، حتماً، روحانی اور معنوی دولت سے مدد لینا پڑے گی ؟

دوسرے لفظوں میں :

کیا "موجودہ ایک بعدی زندگی" کی بقا اور اس کی ارتقا اس طرح کے منصوبے کو جامۂ عمل پہنانے کی صلاحیت رکھتی ہے ؟ یا یہ کہ انقلاب کو، یہیں سے

شروع کرنا چاہیئے، اور ایک بعدی ارتقاء اپنی جگہ کثیر السمت، پہلودار، چند بعدی یا ہمہ گیر ارتقائ کے سپرد کر دے گا اور :

انسانی اقدار کا پھر سے احیاء ہو گا۔

اخلاقی اصول پر اعلیٰ پیمانے پر عمل کیا جائے گا۔

ایمان اور عواطف کا پرچار ہو گا۔

نیز اس روحانی، دولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، مادی اور مشینی زندگی کی طغیانیوں کو مہار کیا جائے ؟

اگر آپ اس دور کی بدبختیوں اور بے سروسامانیوں کے اسباب و علل پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ موجودہ صورتِ حال کا ارتقا، درحقیقت بدبختیوں کا ارتقائ ہے، اور اس راستہ کی بقا کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ سارے بحران اسی طرح اپنی حالت پر باقی رہیں گے۔

کیونکہ :

۱۔ آج کی دنیا میں، منصفانہ ترین حکومت، جمہوری حکومت اور عوام پر عوام کی حکومت مانی جاتی ہے، کہ دنیا کے اکثر حصّوں میں ابھی صرف اس کا نام ہی سننے میں آتا ہے، مان لیجیئے کہ اس طرح کی حکومت صحیح معنوں میں، پوری دنیا میں بھی قائم ہو جائے، تو یہیں سے عظیم مشکلوں کا آغاز ہو گا۔

کیونکہ ہم ایک سرسری مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں چار طرح کی حکومتیں قائم ہیں۔

۱۔ استبدادی حکومت (اپنے اصلی رُوپ میں)

اس سے مراد ایک ایسی شخصی اور آمرانہ حکومت ہے۔ جس کی حقیقت

ماضی اور حال میں اچھی طرح روشن ہے، اور ایک مختصر جملہ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ: انسان کی غلامی، بدبختی، پس ماندگی، ذلت و نکبت کا سرچشمہ اسی قسم کی تباہ کن اور مہلک حکومت ہے۔

۲۔ استبدادی حکومت (جمہوریت کے بھیس میں)

یہ وہی خونخوار و جبار، انفرادی اور آمرانہ حکومت ہے، جو ڈیموکریسی کا بھیس بدل کر، جمہوریت کا دُم چھلا لگا لیتی ہے، دکھاوے کی پارلیمنٹ اور پارٹی وغیرہ بنا کر، ڈیموکریسی کی اداکاری کرتی ہے، وہی پارٹی اور پارلیمنٹ، جس کے ممبروں، صدر اور لیڈروں کی لسٹ، اس کی تشکیل سے پہلے ہی تیار کر لی جاتی ہے اور اس کے اداکار، ترتیب کے ساتھ، پردے کے پیچھے بھیس بدلتے ہوئے آمادہ رہتے ہیں، اور باری باری اسٹیج پر ظاہر ہو کر اپنا رول ادا کرتے ہیں۔

پردے کے پیچھے سب ایک دل کے حامل ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے اور ایک ہی دسترخوان کے نمک خوار ہیں، لیکن پردہ پر ظاہر ہوتے ہی سب کا انداز بدل جاتا ہے، ایک موافق تو دوسرا مخالف ہو جاتا ہے، ایک ترقی پسند بازو میں تو دوسرا تعمیری طبقہ میں نظر آتا ہے، ایک اِس طبقہ کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ تو دوسرا اُس طبقہ کو، حتیٰ کہ بعض اوقات تو اس منظر کو مکمل کرنے کے لیے غصیلی صورت بنا کر، ایک دوسرے پر گھونسے اور لاتوں سے پل پڑتے ہیں، عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ ڈرامہ رچاتے ہیں، البتہ عوام اب ہوشیار ہو چکے ہیں، ان کے چکر میں نہیں آئیں گے۔

ماضی کی تاریخ میں اس طرح کی حکومت کی مثال نہیں ملتی، کیونکہ اس زمانہ کے لوگ حتیٰ کہ مطلق العنان اور ڈکٹیٹر حکام بھی صاف گو ہوا کرتے تھے اور شاید وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ڈیموکریسی کے بھیس میں بھی آمرانہ حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔

اس طرح کی دوغلی حکومت، ہمارے اس دور کی دین ہے، ہمارا زمانہ منافقت کا زمانہ ہے، اس دور میں لوگ بھیس بدل بدل کر ظاہر ہوتے ہیں، زبان پر کچھ، دل میں کچھ اور، یہ ایک ایسا تلخ پھل ہے جس کا گودا ماضی سے رابطہ رکھتا ہے، لیکن اس کا چھلکا اور غلاف اس دور کا ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ، اقوامِ عالم کی آزادی اور نجات کی تاریخ میں کچھ وقفہ پیدا کر دے اس کے علاوہ کوئی اور چیز اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

۳۔ گروہی استبدادی حکومت (پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ)

ماضی میں اس طرح کی حکومت، اس مفہوم کے ساتھ، نہیں پائی جاتی تھی، یہ مشین ازم دور اور خصوصاً کمیونسٹ ممالک کی پیداوار ہے، اس نظام میں پرولتاریہ (یعنی مزدور طبقہ) حکومت کی باگ ڈور سنبھالتا ہے، اور مارکس ازم کے جھنڈے کے نیچے، زندگی کے ہر شعبہ میں، صرف اپنی خواہشات اور افکار کو عملی جامہ پہناتا ہے۔

اگرچہ خود مارکسسٹوں ہی نے اپنی حکومت کے نعرے کے لیے "پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ" کے عنوان کو انتخاب کیا ہے، لیکن ان مفاہیم سے قطع نظر، جو اس عنوان کے اندر پوشیدہ ہیں، دیکھنا یہ چاہیئے کہ کیا واقعاً یہ پرولتاریہ طبقہ ہی ہے، جو

اس طرح کے معاشرے پر حکومت کرتا ہے ؟ یا یہ پارٹی کے چیئرمین اور مرکزی کمیٹی کے ممبروں کی حکمرانی ہے؟ وہ بھی ایسی پارٹی، جو نہ تو پورے معاشرہ پر چھائی ہوئی ہے نہ ہی اس میں آزادانہ طور پر الیکشن کرایا جاتا ہے۔ اور نہ وہاں ڈیموکریسی کا نام و نشان پایا جاتا ہے، حکمران طبقے کی مطلق العنانی اور ڈنڈے کے زور پر، انسانی آزادی کی پامالی، کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔

تاریخ لکھنے کے لیے حکمرانوں اور زمامداروں کی لسٹ تیار کرتے وقت، کیا اسٹالین خروشچیف اور ماؤ کو تاریخ کے جبار ترین آمروں، مستبدوں اور مطلق العنانوں کی صف کے علاوہ کہیں جگہ مل سکتی ہے ؟ جن کی حکومت کا دور، بشریت کے جانکاہ زخموں کو ہرا کر دیتا ہے اور اس کے بے پناہ درد و مصائب کی یاد دلاتا ہے ؟!

یہ صحیح ہے کہ اس طرح کے معاشرے میں، حکمراں حضرات، دولت و ثروت میں اعتدال برقرار کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرتے ہیں، اور یہ بھی سچ ہے کہ افسانوی اور ہوشربا سرمایہ داروں کے دور کو ختم کر دیتے ہیں، لیکن کیا اس عیاں اور واضح حقیقت پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے کہ وہ ملک کی اربوں دولت کو اپنی حکومت اور پوزیشن، مضبوط بنانے کے لیے برباد کرتے ہیں، اپنے عوام سے ہر طرح کی تنقید، اظہار خیال، ہڑتال اور ہر قسم کے اعتراض نیز وضاحت طلبی کا حق چھین لیتے ہیں ؟

۞

۴۔ جمہوری حکومت (اپنے اصلی روپ میں)

آج کی دنیا میں اس قسم کی حکومت کو بہترین اور عالی ترین حکومت مانا جاتا ہے

الیکشن کرایا جاتا ہے، اور عوام اس میں بھرپور حصہ بھی لیتے ہیں۔

البتہ اگر اکثریت یہ کام انجام دے سکے کہ پہلے اس مالدار اور طاقتور طبقہ کو طاقت اور قدرت کے تخت سے نیچے اتارے، اس کے بعد الیکشن کرائے، تب ممکن ہے کہ حقیقی معنوں میں اکثریت، معاشرے پر حاکم ہو جائے، لیکن یہ کام بھی دور و تسلسل کے بھنور میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور وہ محال ہے۔

اور اگر بالفرض کسی طرح حقیقی معنوں میں اکثریتی حکومت اقلیت پر قائم بھی ہو جائے اور اس کی حقانیت کو ہم تسلیم بھی کر لیں لیکن استحصال گر اقلیت کی استحصال شدہ اکثریت پر حکومت کی حقانیت کو کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی مغرب کی اس مادّی اور جمہوری حکومت کی ماہیت میں یہ عیب اور نقص پایا جاتا ہے۔

٭

قیادت کے بجائے اطاعت

اس نظام میں حکومتیں، اور پارلیمنٹ کے ممبر حضرات مجبور ہیں کہ (کسی قید و شرط کے بغیر) اکثریت کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہنائیں، کیونکہ اپنے حال اور مستقبل کے لیے وہ اسی اکثریت کے محتاج ہیں، اس اطاعت اور پیروی کے بغیر ان کی پوزیشن اور ان کے مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔

چنانچہ اس نظامِ حکومت کی ماہیت میں قیادت کے مسئلے نے عملی طور پر اپنی جگہ اطاعت اور پیروی کے سپرد کر دی ہے، اور اکثریت جس چیز کو پسند کرے نہ صرف یہ کہ اس پر عمل کیا جاتا ہے بلکہ اس کو اور بھی بڑھا دیا جاتا ہے اب چاہے ان کی یہ خواہشات کتنی ہی خراب اور نقصان دہ کیوں نہ ہوں اگر بدعنوانیاں

ذخیرہ اندوزی، اخلاقی انحطاط اور سماجی بیماریوں کو اکثریت پسند کرنے لگے تو ان کی اس خواہش کا احترام کرنا واجب ہو جاتا ہے!

اِس حقیقت کو سمجھنے کے بعد، جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ افسوس وصد افسوس انگلینڈ کی پارلیمنٹ "ہم جنس بازی" کو قانونی طور پر جائز قرار دیتی ہے تو کوئی تعجب نہیں ہوتا، کیونکہ پارلیمنٹ میں، ہم جنس بازوں کے نمائندے موجود ہیں!

ان باتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے آپ اِس بات کی تصدیق کریں گے، کہ کس طرح یہ آئیڈیل، مادّی حکومت، غیر آئیڈیل بن گئی ہے! کیونکہ:

اوّلاً : مادّی قوانین، بالفرض غریبوں کے لیے کتنے ہی مفید اور عدل کے پرچار کا سبب کیوں نہ ہوں۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ان پر عمل بھی کیا جائے گا۔ جس ماحول میں، تمام قدروں کو مادّی کسوٹی پر، پرکھا جاتا ہو وہاں ظالموں آمروں اور طاقتوروں کے لیے عدل و انصاف سے کام لینا عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس طرح ان کو اپنے بہت سے مادّی مفادات سے دستبردار ہونا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے ماحول میں صرف کمزور طبقہ ہی عدل و انصاف ومساوات کے نعرے لگاتا ہے، طاقتور حضرات اس کے نام سے بھی نفرت کرتے ہیں لیکن اگر انسانی اور رُوحانی اقدار کو معیار بنایا جائے، اور اس کو مدِ نظر رکھ کر کام کیا جائے تو ان لوگوں کے لیے بھی عدل اور انصاف کا ایک مفہوم ہو گا، کیونکہ عدل و انصاف سے کام لیتے وقت اگرچہ ان کو اپنے بہت سے مادّی مفادات سے دستبردار ہونا پڑے گا، لیکن اس کے بدلہ میں معنوی اقدار اور فضیلت کے مدارج پر فائز ہو جائیں گے۔

اس کا بہترین نمونہ وہ عالمی ادارے ہیں، جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد تاسیس ہوئے ہیں، یہ نام نہاد ادارے جو عالمی امن کو برقرار کرنے کے لیے اہم مراکز بانے

جاتے ہیں اور دنیا کے مفکر سیاست داں اس میں شریک ہیں، ہمیشہ بڑی طاقتوں کی کٹھ پتلی اور چھوٹے ملکوں کے لیے کانفرنس ہال یا تقریری مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ اپنے بعض مقاصد کو وہاں صرف بیان ہی کر سکتے ہیں۔

ﭖ

ثانیاً : تاریخی مطالعے اور تجربے ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ انسان کے لالچی اور افزوں طلبی کے جذبات و احساسات کبھی مادّی طریقوں سے سیر نہیں ہوئے ہیں۔ یعنی آج تک یہ دیکھنے میں نہیں آیا ہے کہ انسان کسی مرحلہ پر پہنچ کر یہ کہہ دے کہ بس اتنا ہی میرے لیے کافی ہے، انسانی خواہشات لامحدود ہیں، اور مادّی امکانات چاہے جتنے زیادہ ہوں، پھر بھی محدود ہیں۔ یہ محدود وسائل لامحدود خواہشات کو پورا کرنے سے عاجز ہیں، اسی "امکانات" اور "خواہشات" کے تضاد نے جنگ کو انسان کی مادّی زندگی کا جز بنا دیا ہے۔ لیکن اگر دین و مذہب، اور خداوندِ عالم پر ایمان پیدا ہو جائے، انسانی اور اخلاقی قدروں کا احترام کیا جائے اور اس خلّاقِ کائنات کی بارگاہ میں ذمّہ داری کا احساس، دلوں میں جاگ اُٹھے جو مادیات اور مادّی دنیا سے مافوق ہے تو ان خواہشات کو کنٹرول کر کے صحیح طریقوں سے پورا اور جنگ کے بجائے دنیا میں امن و امان، صلح و صفائی کو برقرار کیا جا سکتا ہے۔ دوسری لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ افزوں طلبی کے عزیزہ کو لامحدود، معنوی اور روحانی امور کے ذریعہ تسکین دی جاتی ہے یوں وہ تضاد جو ظلم اور جنگ کا سرچشمہ تھا ختم ہو سکتا ہے۔

ثالثاً - مساوات میں نا انصافی

اِس نظامِ حکومت میں ہر شخص ہر حالت اور ہر صورت میں، ایک ووٹ کا حق رکھتا ہے، یعنی :

ایک عظیم دانشور اور جاہل دونوں برابر ہیں، اسی طرح ایک تجربہ کار، باخبر سیاستدان، ایک سیاست سے بے بہرہ اور بے تجربہ شخص کے مساوی ہے، اور ایک پاک سیرت، پاک نفس، نیکنام انسان، ایک چور، قاتل اور بدکار کے برابر ہے ......

یہ ایک طرح کی کھلی ہوئی ناانصافی ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک، دوسرے کے مقابلہ میں ہزار گونہ زیادہ مفید اور قسمت ساز ثابت ہو سکتا ہے۔

البتہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ اگر افراد کے درمیان فرق کیا جائے تو، کوئی صحیح معیار اور ضابطہ نہ مل سکے گا، جس کی بنا پر لوگوں میں امتیاز کیا جا سکے۔

☆

ضروری تیّاریاں

ہم جس قدر چاہے پُرامید ہوں اور حسنِ ظن رکھتے ہوں پھر بھی اس بات کو مدِّنظر رکھنا چاہیئے کہ ایک ایسے تاریخی مرحلہ پر پہنچنا آسان نہیں ہے جسمیں تمام انسان ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھا ہو جائیں، اور صفحہ ہستی سے ان خطرناک دہشت ناک اور تباہ کن اسلحوں کو نابود کر دیا جائے۔

جس میں دنیا اسطرح کے دو طبقوں میں بٹی ہوئی نہ ہو کہ ایک طرف سامراجی طبقہ ہو اور دوسری طرف سامراج زدہ طبقہ، بڑی طاقتوں کی فوجی اور سیاسی کشمکش اور خطرناک کھیل کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے، دنیا بڑی طاقتوں کے خیرہ کر دینے والے ناموں سے آسودہ ہو جائیں، اور ان کی جہنمی طاقتوں کے ڈراؤنے اور منحوس خواب سے نجات پا جائے۔

غلط اور تباہ کن اقتصادی رقابتوں کی جگہ، زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے

حتیٰ کہ اس کی اداکاری اور اس کا دعویٰ کرنا بہت سے حکمرانوں کے لیے باعثِ فخر ہے، اس کا عینی اور خارجی وجود اور اس پر عملدرآمد تو بہت بڑی بات ہے۔
اس طرز کی حکومت کا مفہوم ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ:
اس نظامِ حکومت میں، سارے عوام، خواہ ان کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو، ظاہراً پوری آزادی کے ساتھ پولنگ اسٹیشن جا کر اپنی مرضی کے مطابق اپنے حقیقی اور واقعی نمائندوں کا انتخاب کر سکتے ہیں، اور کچھ قوانین کے ماتحت چند سال کے لیے اپنی قسمت کو ان کے سپرد کر دیتے ہیں۔
نمائندے بھی بظاہر پوری آزادی کے ساتھ ایسے قوانین اور اصول بناتے ہیں جو ان کے خیال میں عوام کے لیے مفید ہیں۔
البتہ حکومت کا سربراہ کبھی انہی نمائندوں کے ذریعہ منتخب ہوتا ہے اور کبھی عوام خود ہی اس کو بھی منتخب کرتے ہیں کہ اس کو وزیرِ اعظم یا صدرِ جمہوریہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

٭

لیکن اس طرزِ حکومت کی اُن تمام اچھائیوں کے باوجود جو ہمیں نظر آتی ہیں، جب ہم اس کی گہرائی میں جا کر اس کے نتائج پر غور و فکر کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کی ظاہری دلکشی اور حسن کے برخلاف، اس کی حقیقت بہت ہی بھیانک ہے، کیونکہ:

۱۔ گروہی استحصال

اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ اقلیت ہمیشہ کم اور ناچیز نہیں ہوا کرتی کہ جس کو گروہی حساب کتاب میں نظر انداز کیا جا سکے، اس قسم کی حکومت

یعنی اکثریتی حکومت کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ یہ گروہی استحصال کو جائز سمجھتی ہے
۵۱ فیصدی افراد کو ۴۹٪ افراد پر اپنے مقاصد اور افکار کو زبردستی ٹھونس دینے
کی کھلی چھوٹ مل جاتی ہے۔ نیز اکثریت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے
مفادات کی خاطر ایک عظیم اقلیت کے مفادات کو جو اس اکثریت سے صرف
دو فیصد بلکہ بعض اوقات صرف ایک فیصد کم ہے، پامال کر دے۔
یہ دنیائے انسانیت میں آزادی اور عدل کے پیکر پر بہت کاری ضرب ہے،
جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ طرزِ حکومت کے نام پر لگائی جاتی ہے۔

۲۔ اقلیّت اکثریت کے بھیس میں

اس سے بھی زیادہ بُری بات یہ ہے کہ اس طرح کی حکومت میں غالباً
"اقلیتیں" "اکثریت" کے بھیس میں منظرِ عام پر آ کر اپنے عقائد کو زبردستی ان پر ٹھونستی ہیں،
اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ "طاقت" اور "دولت" کے بل بوتے پر، پروپیگنڈہ
مشینری کو اپنے ہاتھ میں لے کر براہِ راست یا بالواسطہ انداز سے اپنے مقاصد و
افکار، اپنے منصوبوں اور اپنے منظورِ نظر اشخاص کو، تجارتی اخبارات اور ریڈیو،
ٹیلیویژن پر مسلط کر کے، اکثریت کے ذہن پر کچھ اس طرح چھا جاتے ہیں، ان کے
ذہنوں کو بدل ڈالتے ہیں، اور رائے عامہ کو اس طرح اپنی طرف منحرف کر لیتے ہیں کہ
عملاً ایک ایسی حکومت برسرِ کار آتی ہے جو صرف، زراندوز اور متکاثر اقلیّت
کے مفادات کے لیے اقدام کرتی ہے۔
اس لیے تعجب کی بات نہیں ہے کہ جن ملکوں میں یہ نظام برقرار ہے
وہاں کی حکومتیں "معمولاً" بڑے سرمایہ داروں اور بورژواؤں کی نمائندہ، اور ان ہی کے
مفادات کی محافظ ہوتی ہیں (اگرچہ ظاہری طور پر کسی دھاندلی کے بغیر ایک آزاد

کے لیے انسانی تعاون اور امداد باہمی کا راج ہو جائے، . . . .

ہمیں اس بات پر مکمل توجہ رکھنا چاہیئے کہ نہ صرف یہ کہ ابھی دنیا میں ایسے دور کا وقت نہیں آیا ہے بلکہ اس کے لیے ہمہ گیر تیاریوں کی ضرورت بھی ہے۔

لیکن چونکہ اس زمانہ میں تبدیلیاں اور انقلابات بہت ہی تیزی کے ساتھ واقع ہو رہے ہیں، لہٰذا اس کو ایک سہانے خواب کے مانند یا بہت زیادہ دور بھی نہیں سمجھنا چاہیئے۔

چنانچہ دنیا کو اس طرز کی حکومت تسلیم کرنے کے لیے چار طرح کی تیاریوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ فکری اور ثقافتی تیاری

یعنی ساری دنیا میں عوام کی سطح فکر اس قدر بلند ہو جائے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ انسان کی زندگی میں مثلاً "نسل" اور " جغرافیائی تقسیم" کے مسئلہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ رنگ، زبان اور سرزمین کا فرق الخ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکتا، قوم اور قبیلہ کے تعصّب کو اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیئے، "نسل برتر" کے مضحکہ خیز خیالات کو ذہن سے نکال دینا چاہیئے۔ خاردار تاروں سے گھری ہوئی، بناوٹی سرحدیں اور چین کی قدیمی دیوار، انسانوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرسکتی۔

بلکہ جس طرح سے سورج کی روشنی، نسیم سحر کی لوریاں، پانی کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے بادل، دنیا کی اور ساری نعمتیں اِن سرحدوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں، اور ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ پوری دنیا کو فیض پہنچاتی ہیں، اور وہ عملی طور پر ساری کائنات کو ایک ملک مانتی ہیں، ہم انسانوں کو بھی اتنا ہی بلند نظر

ہونا چاہیئے۔

اگر ذرا آنکھیں کھول کر غور سے دیکھیں تو دنیا کے سمجھ دار اور روشن خیال طبقوں میں یہ طرزِ فکر زور پکڑ رہا ہے، ارتقاء اور کمال کے مرحلے تیزی کے ساتھ طے ہو رہے ہیں، اور ہر روز ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو پوری دنیا کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور عالمی وطن کی فکر کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں۔

یہاں تک کہ عالمی زبان کا مسئلہ اب زبانی جمع خرچ کی حدود سے نکل کر عمل کے میدان میں داخل ہو چکا ہے، نیز "اسپرنتو" کی شکل میں ایک ایسی زبان ایجاد ہو چکی ہے، جو مستقبل میں، دنیا کے تمام باشندوں کو آپس میں ملا سکے۔ یہاں تک کہ اس زبان میں کئی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

۞

۲۔ سماجی تیاریاں

ضرورت ہے کہ دنیا ظلم و ستم اور موجودہ نظاموں سے تھک جائے اس ایک بعدی اور مادّی دنیا کی تلخیوں کو محسوس کر لے، بلکہ وہ اس بات سے بھی مایوس ہو جائے کہ، اس ایک بعدی راستہ کی بقاء اس کی مشکلات کو حل کر سکتی ہے۔

ساری دنیا کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں صنعت کی ترقی کی روشنی میں، جو ان کو ایک تابناک اور درخشاں مستقبل کی خوشخبری اور بشارت دی جاتی تھی، وہ ایک سبز باغ کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا، یا یہ بات تپتے ہوئے صحراؤں میں پیاسے مسافروں کے سامنے ایک سراب کے مانند تھی۔

نہ صرف یہ کہ اس صنعتی ترقی کے طفیل دنیا صلح و امن، رفاہ و آسائش سے

محروم ہوگئی، بلکہ مادّی اور معنوی بدامنیوں اور لڑائی جھگڑوں میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔
نہ صرف یہ کہ ظاہری طور پر دلکش قوانین ظلم و ستم، نسلی اور قومی امتیازات و
برتری، سامراجیت، مالداروں اور غریبوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو
ختم نہ کرسکے، بلکہ ماضی کی خرابیاں کچھ اور ہی زیادہ خطرناک شکل میں ایک اعلیٰ پیمانے
پر ساری دنیا میں پھیل گئی ہیں۔

جب انسان، موجودہ خطرناک صورتِ حال کی گہرائیوں میں جاتا ہے تو پہلے
تفکّر اور پھر تردّد کا شکار ہو جاتا ہے اور آخر کار دنیا کی موجودہ حالت سے مایوس
ہو کر، نئے معیار اور نئی اقدار کی بنیاد پر ایک عالمگیر انقلاب کے لیے تیاریاں،
شروع کر دیتا ہے۔

جب تک یہ بات پیدا نہ ہو، اس انقلابی مرحلہ پر پہنچنا ممکن نہیں ہے۔
یہ چیز ایک پھوڑے کے مانند ہے کہ جب تک اچھی طرح پک نہ جائے، اس
کے آپریشن کا وقت نہیں آتا۔

ث

۳۔ مواصلاتی اور صنعتی تیاریاں:

ان لوگوں کے خیالات کے برخلاف جو یہ سمجھتے ہیں کہ جدید صنعت یا ٹکنولوجی
کو نابود کیے بغیر، عدل و انصاف، امن و امان، صلح و محبت سے لبریز دنیا
میں قدم رکھنا ناممکن ہے، یہ ترقی یافتہ صنعتیں نہ صرف یہ کہ ایک عالمی منصفانہ
حکومت کے قیام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گی، بلکہ شاید ان ترقی یافتہ صنعتوں
کے بغیر اس مقصد کا حاصل کر لینا محال ہو۔

ایک عالمی نظام کو ایجاد اور پھر اس کو کنٹرول کرنے کے لیے کچھ بہت ہی ماڈرن

قسم کے آلات کی ضرورت ہے، تاکہ اس کے ذریعہ مختصر سے وقت میں پوری دنیا میں پہنچا جا سکے، اس پر کڑی نظر رکھتے ہوئے، ہر جگہ سے باخبر ہوا جا سکے۔ ضرورت پڑنے پر اہم وسائل کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے پر پہنچایا جا سکے نیز کم سے کم وقت میں ضروری پیغامات، اطلاعات اور بیانات کو پوری دنیا میں پہنچا سکیں۔

اگر صنعتی زندگی اپنی پرانی حالت پر پلٹ جائے کہ مثلاً دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک کسی پیغام کو بھیجنے کے لیے ایک سال کا عرصہ درکار ہو تو پھر پوری دنیا پر حکومت قائم کر کے عدل و انصاف کا پرچار کیسے ممکن ہے؟!

اگر کسی سماج دشمن شخص یا گروہ کو۔ کہ اس دنیا میں بھی اس کا امکان ہے۔ سرکوب کرنے کے سلسلہ میں اس بات کے لیے کہ حکومت اس کے وجود سے مطلع ہو اور پھر عدل و انصاف، اور امن و امان برقرار کرنے کے لیے فوج بھیجے ایک طویل عرصہ درکار ہو تو ایسی صورت میں پوری دنیا میں حق و انصاف، صلح وعدل کو کیسے برقرار کیا جا سکتا ہے؟!

خلاصہ یہ کہ کسی شک و تردید کے بغیر، ایک ایسی حکومت کے لیے جو پوری دنیا میں عدل و انصاف نیز امن و امان برقرار کرنا چاہتی ہو ضروری ہے کہ ایک ہی وقت میں سب جگہوں سے باخبر رہے، اور ہر جگہ پر اسے مساوی طور پر کنٹرول حاصل ہو، تاکہ اصلاح کے لیے آمادہ عوام کی تربیت اور قیادت کے فرائض انجام دے؛ ان کو آگاہ کرے اور خواب غفلت سے بیدار رکھے نیز اگر فاسد اور سماج دشمن عناصر سر ابھاریں تو ان کی سرکوبی کر سکے۔

جو لوگ اس کے برعکس سوچتے ہیں، شاید وہ عالمی حکومت کے مفہوم پر غور و فکر ہی نہیں کرتے، اور اس کا مقابلہ ایک معمولی سی حکومت سے کرتے ہیں۔

اصولی طور پر، جو دنیا ایک ایسے مرحلہ پر پہنچنا چاہتی ہے اس میں تعلیم و تربیت کے ذرائع اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہونا چاہیئے ہیں کہ وہ اکثر اصلاحی منصوبوں کو عوام کی

"خود آگاہی" اور انکے "باہمی تعاون" کے ذریعہ انجام دے اور عالمی سطح پر خود آگاہی نیز "امداد باہمی" کی روح کو پھونکنے کے لیے بہت ہی طاقتور اور متحرک ثقافتی مرکزوں پبلسٹی ڈسٹینسریوں، بہترین کتابوں نیز اعلیٰ صحافت وغیرہ کی ضرورت ہے، کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ترقی یافتہ اور اعلیٰ صنعتی آلات و وسائل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ہاں اگر ہر کام "معجزہ" کے ذریعہ انجام دینا ہوتا تو، اعلیٰ اور ترقی یافتہ صنعتی وسائل کے بغیر ایک ایسے نظام کو قائم کرنے کا تصور کیا جا سکتا تھا، لیکن دنیا کے نظم ونسق کو معجزہ کے ذریعہ سنبھالا نہیں جاتا۔ معجزہ طبیعت کے نظام میں کسی آسمانی حکم کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے ایک منطقی استثنا ہے، نہ کہ دنیا کے مسلسل نظام کو چلانے کے لیے ایک مستقل اصول۔ دنیا کے نظام کو صرف طبعی اور عادی قوانین ہی کے ذریعہ چلایا جاتا ہے۔

البتہ اس سلسلہ میں ہم ابھی مزید گفتگو کریں گے۔

⁂

اِنقلابی اور تعمیری اِنتظار

اور

کاہل و بے حس بنانے والا اِنتظار

ایک تابناک مستقبل کے بارے میں بحث و گفتگو سے ہمارے "حال" کو کیا فائدہ پہنچے گا ؟!

فلسفۂ انتظار

گذشتہ بحثوں کو پڑھنے کے بعد شاید آپ کے ذہن میں بھی یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ:

انسانی دنیا کے مستقبل کے بارے میں بحث کرنے سے ہماری موجودہ حالت میں کیا تبدیلی ہو گی یا اس بات سے ہمیں آج کے دور میں کیا فائدہ پہنچے گا!؟

آج ہم سینکڑوں قسم کی مشکلوں اور پریشانیوں میں پھنسے ہوئے ہیں، ہمیں ان مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔ ہمیں اس سے کیا مطلب کہ کل کیا ہو گا؟

مستقبل بہر حال آکر رہے گا، اچھا ہو یا بُرا۔ جو لوگ اس وقت تک زندہ ہوں گے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، اور جو اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں گے خدا ان پر رحمت نازل کرے!

فی الحال یہ ایک "اُدھار" معاملہ ہے، اور ہماری آج کی زندگی میں اس کا کوئی مثبت اور تعمیری اثر نہیں ہے!

ش

لیکن ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں، جو ہمیشہ حادثات کو سرسری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ: حال، ماضی اور مستقبل سے کاملاً جدا ہے اور دنیا کو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا عناصر سے مرکب مانتے ہیں۔

لیکن جب ہم اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ "آج کے حوادث" کا سبب اور علت ماضی کی تاریخ میں ہے۔ اور مستقبل کو سنوارنے کے لیے ہمیں آج ہی سے کوشش کرنا چاہیئے۔ اور اس چیز کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ "تاریک" یا "تابناک" مستقبل کی طرف توجہ کا انعکاس ہماری روزمرّہ کی زندگی میں بھی ظاہر ہوتا ہے، اور ہمیں حادثات کا مقابلہ کرنے کے لیے، اس سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ، چاہے اپنی روزمرّہ کی موجودہ زندگی ہی کے لیے سہی، ماضی اور مستقبل کے بارے میں غور فکر اور چھان بین کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ہم آئندہ کی گفتگو کے نتیجہ میں جلد ہی اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائیں گے کہ یہ عظیم انتظار کس قدر مفید اور تعمیری ہے!!

لیکن تعجب ہے کہ بعض قلمکاروں نے نہ صرف یہ کہ اس انتظار کے مثبت پہلوؤں کا انکار کر دیا ہے بلکہ یہ لوگ بہت ہی صراحت کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کر بیٹھے ہیں کہ ایک ایسے مستقبل کے انتظار کا اثر بہت ہی بُرا ہے۔ کیونکہ

یہ موجودہ سماجی طاقتوں کو کاہل بنا کر کوشش اور محنت کرنے سے روک دیتا ہے۔
اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ
ایک درخشاں مستقبل پر ایمان، شکست خوردہ اور کمزور طبقہ کی محرومیتوں کا انعکاس ہے
جو معمولاً مذہبی شکل میں رونما ہوتا ہے۔
لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض کوتاہ فکر حضرات نے
انتظار کے مسئلہ سے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے، اور یہ کہہ کر کہ ہم ایسے ظہور کے منتظر ہیں
اپنی گردن سے ہر طرح کی ذمہ داری اتار کر، محنت و مشقت سے جان چرانا شروع
کر دی ہے۔ یہ لوگ کام کاج کے بجائے صرف انتظار میں وقت برباد کرتے ہیں
اور وہ بھی صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک ــ!
دونوں جانب سے ہر طرح کی غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے ضروری سمجھتا ہوں
کہ اپنے اُس کتابچہ کے بعض حصّوں کو یہاں، محترم قارئین کے لیے نقل کروں،
جس کو کچھ عرصہ قبل میں نے اسی سلسلہ میں تحریر کیا ہے۔

غلط فیصلے!

اگرچہ بعض مستشرقین نے اس بات
پر اصرار کیا ہے کہ ایک عالمی اور عظیم الشان مصلح کے وجود پر ایمان، تاریخ کے
تاریک دور میں مسلمانوں کی بدحالی اور پریشان حالی کا ردِّ عمل ہے۔
نیز یہ کہ بعض مغرب زدہ ذہنیت رکھنے والے مسلمان اور مشرقی محققین
بھی اس طرزِ فکر کو ہوا دیتے ہیں، حتیٰ کہ ان کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ عالمی
مصلح اور "مہدی موعود" کے وجود پر ایمان، خالص اسلامی عقیدہ نہیں ہے بلکہ
یہودیوں اور عیسائیوں کے عقاید سے اقتباس کر کے اسلام میں داخل کیا گیا ہے۔

اور مادّہ پرست، ماہرین سماجیات کا ایک گروہ اس بات کی کوشش کرتا ہے، کہ ظہور مہدی کے انتظار کے مسئلہ کو، اپنے عقیدہ کے لیے دلیل بنا کر پیش کرے اور یہ بتائے کہ اس عقیدے کی اصل اور اساس معاشیات ہے، جس کو سامراج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عوام کو دھوکہ دینے، اور ان کی افکار پر پردہ ڈالنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

لیکن، حقیقت یہ ہے کہ، اس عقیدے کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے، جو ہر انسان کی رُوح کی گہرائیوں تک پھیلا ہوا ہے، ایک خالص اسلامی نظریہ ہے، اور اہم اسلامی کتابوں اور ماخذوں میں موجود ہے۔

شاید ایک طرف سے ان محققین کی ناقص معلومات اور دوسری طرف سے ہر طرح کی مذہبی فکر اور عقیدے کو مادّی عینک سے دیکھنے کی عادت، اس قسم کے افکار کی پیدائش کا سبب ہے۔

اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ بعض مغربی محققین جیسے "مارگولیوتھ" نے حضرت امام مہدیؑ کے بارے میں اسلامی احادیث سے انکار کرنے پر کمر باندھ لی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

اِن احادیث کی جو چاہے تاویل کریں، کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو مطمئن کر سکے کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے دینِ اسلام کو زندہ کرنے اور اس کے کمال و ارتقاء کیلئے ایک مہدی کے ظہور کو حتمی اور لازمی قرار دیا ہے، لیکن پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ایک متحد اُمّت کے درمیان داخلی جنگوں کے شعلے بھڑکنے، اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی بنا پر، اسلامی دنیا میں اضمحلال اور ہنگامہ آرائی کے سبب ایک "نجات دہندہ" کے ظہور کا نظریہ یہودیوں یا عیسائیوں سے اقتباس کیا گیا کیونکہ وہ لوگ "مسیح" کے ظہور کے انتظار میں زندگی کے رات دن گزار رہے ہیں۔

نہیں معلوم "مارگولیوتھ" نے اس سلسلہ میں کون سی اسلامی کتاب پڑھی ہے اور کس طرح ان روایات کی تفسیر میں اسے کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس کو مطمئن کرسکے حالانکہ سنیوں اور شیعوں کی بہت ہی اہم کتابوں اور ماخذوں میں اس ظہور کے سلسلہ میں بہت ہی صریح احادیث موجود ہیں، اور یہ احادیث بھی تواتر کا درجہ رکھتی ہیں!؟

ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ حضرت مہدی کے سلسلہ کی روایات سے۔ مارگولیوتھ کیوں مطمئن نہیں ہوسکا۔ کیونکہ تقریباً تمام مسلمان دانشوروں اور محققوں نے ان روایات کی صحت نیز آنحضرتؐ سے ان کے صدور کو کسی بھی شک و شبہ کے بغیر تسلیم کیا ہے۔ اگر کچھ افراد نے اس سلسلہ میں کوئی بحث کی ہے تو وہ گنتی کے چند لوگ ہیں اور انہیں نے کوئی تحقیقی موقف اختیار نہیں کیا ہے۔ ان میں کا ایک ابن خلدون ہے جس نے اپنے مقدمہ میں حضرت مہدی سے متعلق روایات کو رد کیا ہے!؟

٭

اسی مقام پر کچھ اور حضرات یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہے نیز اس انتظار اور اس کے اسباب و علل سے کوئی سروکار نہیں ہے، ہم تو اس کے نتیجہ کو دیکھتے ہیں کہ یہ درد و مصائب کے برداشت کرنے، بے سروسامانیوں اور مشکلات کے مقابلہ میں صبر، ظلم و ستم کے سامنے سر جھکا دینے کا سبب، اور ذمہ داریوں سے جان چرانے کا بہانہ بن گیا ہے۔

ہمیں تو صرف اس بات سے سروکار ہے کہ یہ انتظار ستم رسیدہ اور پریشان حال عوام کو خواب و خیال کی دنیا میں غرق کر دیتا ہے، اب انہیں اس بات کی پرواہ نہیں رہ جاتی ہے کہ ان کے اردگرد کیا ہو رہا ہے؟ یہ عقیدہ ان کو کاہل بنا کر سماجی ذمہ داریاں قبول کرنے سے فرار کرنے کے لیے رغبت دلاتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ یہ انتظار انفرادی نقطہ نظر سے کاہلی اور بیکاری کا سبب اور سماجی نقطہ نظر سے، سامراج دشمن تحریک کو کچلنے کا ذریعہ ہے۔

❊

تحقیق : لیکن میرے خیال میں ایک باخبر محقق جو دُور ہی سے بیٹھے بیٹھے فیصلہ دینا پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ نزدیک جاکر "اسباب و علل اور اس کے نتائج" کے بارے میں تحقیق کرے، وہ ہرگز صرف اِن غلط فیصلوں کو دیکھ کر قانع نہیں ہو سکتا ہے۔

آیئے تعصّب کی دنیا سے نکل کر غیر جانبداری کے ساتھ انتظار کے اسباب و علل اور اس کے نتائج پر ایک ایک کر کے تحقیق کریں، اور دیکھیں کہ اس عقیدے کی پیدائش کا سبب، شکست اور محرومیت ہے، یا یہ کہ، یہ فطری اور معقول حقائق ہیں؟ اس کا نتیجہ مثبت اور تعمیری ہے یا منفی اور نقصان دہ؟

❊

انتظار
انسان کی فطرت کی گہرائیوں میں !

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ، ایک مصلح کے ظہور کا انتظار انسان کے افکار پریشاں کی بنیاد پر قائم، اور شکست خوردہ ذہنیت کی ایجاد ہے، ان کے خیالات کے برعکس انسان کے وجود کی گہرائیوں میں یہ عشق پروان چڑھ رہا ہے، اور اس عقیدے کی تعمیر فطرت کی بنیادوں پر ہوئی ہے۔

دوسرے لفظوں میں، انسان دو راستوں سے اس عقیدے تک پہنچتا ہے جن میں سے ایک اس کی عقل کا راستہ ہے اور دوسرا اس کی فطرت کا عقل اور

فطرت دونوں ہی انسان کو اس نظریہ کی طرف دعوت دیتی ہیں ۔ اور اس سے بھی بہتر الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ :

عالمی مصلح کے ظہور پر ایمان (انسان کی رُوح کے چار ابعاد اور احساسات میں سے تین ابعاد) "علم و دانش سے محبت" "نیکیوں سے لگاؤ" اور "خوبصورتی سے عشق" کا جزء ہے ، کہ اس "ظہور" کے بغیر یہ تمام عشق ناکام ہو جائیں گے ۔

شاید یہ بات کچھ زیادہ ہی وضاحت کی محتاج ہو ۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں ایک حد تک توضیح پیش کیے دیتا ہوں :

آپ جانتے ہیں کہ انسان فطری طور پر کمال کا خواہاں ہے " ارتقا ، اور تکامل سے عشق " ایک ایسا زندہ جاوید شعلہ ہے جو انسان کے انگ انگ میں بھڑک رہا ہے ، اس کا سارا وجود اس عشق سے سرمست ہے ؛ اور اس کی زندگی کے ہر شعبہ پر یہ عشق حاوی ہے ۔ اس جذبہ کے تحت ، انسان چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے ، زیادہ سے زیادہ خوبصورت مناظر کو دیکھے ، نیز نیکیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے ۔ مختصر یہ کہ جس چیز کو وہ اپنی ارتقا اور کمال کا ذریعہ سمجھتا ہے وہ اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتا ہے ۔

اِن جذبات و احساسات کی پیدائش کو سماجی ، نفسیاتی ، وراثتی اور تربیتی اسباب و علل سے ہرگز وابستہ نہیں کیا جا سکتا ، اگرچہ یہ اسباب و علل ، ان جذبات و احساسات کو کم کرنے یا اس کو بڑھانے میں بہت زیادہ مؤثر ہیں ، لیکن ان کا اصلی وجود ، انسان کی نفسیاتی ترکیب کا جز نیز اس کی روح کے اصلی ابعاد کا ایک حصہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کو کوئی ایسا معاشرہ اور کوئی ایسی قوم نہیں ملے گی جو اِن جذبات و احساسات سے عاری ہو ۔

مختصر یہ کہ ارتقائے کمال ، علم ، خوبصورتی ، نیکی اور عدل سے انسان کا عشق

ایک سچا اور حقیقی عشق ہے، جو زندہ جاوید ہے، اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔
ایک عظیم، عالمی مصلح کے ظہور کا انتظار، انہی جذبات اور عشق کے ارتقا کی معراج ہے۔
کیسے ممکن ہے کہ انسان میں، ہر شعبہ میں ترقی اور کمال کے جذبات تو پائے
جائیں مگر اس کے دل میں اس انتظار کے لیے کوئی کشش نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے
کہ انسانیت کا قافلہ، کمالات کی آخری حدوں تک پہنچ جائے، اور کسی ایسے
عظیم مصلح کا وجود نہ ہو؟
چنانچہ جن لوگوں نے اپنی پوری زندگی میں شکست اور محرومیت کا سامنا
نہیں کیا ہے، ان کے دل اور رُوح میں بھی اس طرح کا جذبہ اور احساس موجود ہے۔۔
۔۔۔ یہ تو ایک پہلو ہوا۔

⁂

دوسرا پہلو یہ ہے کہ:
جس طرح انسان کے بدن کا ہر حصّہ، اس کے وجود کے ارتقاء اور کمال
کے لیے مدد کرتا ہے اور ہمیں کوئی ایسا عضو نہیں ملتا جو اس ارتقائی سفر
میں شریک نہ ہو بالکل اسی طرح انسان کی مختلف صفات بھی اس کے ارتقا اور
اس کے اصل مقاصد کو ترقی دینے کے لیے برابر کی شریک ہیں۔
مثال کے طور پر "خطرناک چیزوں سے خوف" ہر انسان میں پایا جاتا ہے،
یہ خوف، انسان کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے سپر کا کام دیتا ہے۔
جب انسان اپنے مفادات کو خطرے میں دیکھتا ہے تو اس کو "غصّہ"
آجاتا ہے، یہ غصّہ اس کے مفادات کو خطرہ سے بچانے کے لیے تمام روحانی اور
جسمانی طاقت کو حرکت میں لانے اور دفاعی قدرت میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔
اسی طرح ارتقاء اور کمال، نیز صلح و عدل سے لگاؤ بھی، اس عظیم مقصد کو حاصل

کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ یہ ایک ایسے طاقتور انجن کی مانند ہے جو انسان کے وجود کی گاڑی کو اس کی اصل منزل کی طرف بڑھانے کے لئے جارہے ہیں، اور صلح و عدل سے لبریز دنیا تک پہنچنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

اس سلسلہ کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ :

انسان کی روح اور جسم میں جو جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ نظام کائنات سے الگ اور ہم آہنگ نہ ہوں کیونکہ یہ پوری کائنات آپس میں متحد عناصر کا مجموعہ ہے، اور ہمارا وجود بقیہ دنیا سے الگ نہیں ہوسکتا۔

اس اتحاد سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہمارے وجود میں ہر اصلی اور حقیقی عشق اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا معشوق بھی اس دنیا میں موجود ہے اور یہ عشق ہمیں معشوق سے نزدیک کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

یعنی اگر ہم کو پیاس لگتی ہے اور پانی سے عشق ہوتا ہے تو اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں" پانی " موجود ہے، جس کی پیاس کو نظام خلقت نے ہمارے اندر پیدا کر رکھا ہے۔

اگر ہمیں جنس مخالف سے لگاؤ ہے تو یہ جنس مخالف کے وجود کی دلیل ہے، اور اگر ہم علم اور خوبصورتی کے عاشق ہیں تو یہ کائنات میں ان کے وجود کی واضح دلیل ہے۔

یہیں سے ہم آسانی کے ساتھ، یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر تمام انسان بے چینی کے ساتھ ایک ایسے عظیم مصلح کا انتظار کر رہے ہیں جو دنیا کو عدل و انصاف، امن و امان نیز صلح و محبت سے بھر دے گا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی معاشرہ اس حد تک معراج اور ارتقاء کر سکتا ہے کیونکہ اس کے انتظار

اور اس کے عشق سے ہمارا سارا وجود لبریز ہے۔

اس عقیدے کی عمومیت اور اس کا ہر مذہب میں پایا جانا بھی اس عشق کے حقیقی اور اصلی ہونے کی ایک اور علامت ہے، کیونکہ جو چیز کچھ خاص شرائط اور حالات کے تحت وجود میں آتی ہے، اس میں اتنی عمومیت نہیں پائی جاتی، صرف فطری مسائل ہی ایسی عمومیت اور ہمہ گیری کے حامل ہو سکتے ہیں، جو ہر قوم و ملت میں اور ہر جگہ پائے جائیں اور یہ تمام پہلو اس بات کی زندہ دلیلیں ہیں کہ اس عقیدے کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے اور محبت کا یہ ترانہ انسانی روح میں اس کی فطری اور جذباتی زبان سے پڑھا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: آخر کار ایک ایسا عظیم مصلح آئے گا جو دنیا کو عدل و انصاف، صلح و صفا اور اخوت و مساوات کا مرقع بنا دے گا۔

❖

انتظار کے تعمیری اثرات

گذشتہ بیانات سے یہ بات روشن ہوگئی کہ "دنیائے بشریت کی حالت کو سدھارنے کے لیے ایک عالمگیر اصلاح کا انتظار، ایک فطری اَمر ہے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ عقیدہ اسلامی تعلیمات میں چور دروازے سے داخل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ ایک خالص اسلامی عقیدہ ہے اور یہ ان قطعی اور مسلم الثبوت مسائل میں سے ہے جس کو خود رسولِ اکرمؐ نے بیان فرمایا ہے، تمام اسلامی فرقے اس مسئلہ میں اتفاق نظر رکھتے ہیں، نیز اس سلسلے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ "تواتر" کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق اس طرح کی خلاف

حقیقت باتیں صرف وہی حضرات کرتے ہیں جن کی معلومات محدود ہیں، یا وہ مستشرقین جو دور ہی سے بیٹھے بیٹھے، وہم و گمان کی بنیاد پر ہر مسئلہ میں اظہارِ خیال کرتے ہیں
تو آئیے اب یہ دیکھیں کہ اسلامی معاشرے کی موجودہ حالت میں اس انتظار کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں، کیا یہ عقیدہ انسان کو خواب و خیال میں اس قدر غرق کر دیتا ہے کہ وہ لاابالی ہو جائے، اپنی موجودہ حالت سے غافل اور ہر چیز کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے؟
یا یہ کہ یہ عقیدہ، درحقیقت انسان کو خوابِ غفلت سے بیداری کے ساتھ فرد و سماج کی اِصلاح و ترقی کی طرف دعوت دیتا ہے؟
انسان میں جوش پیدا کرتا ہے یا سستی؟
انسان کو ایک ذمّہ دار شخص بناتا ہے، یا لاابالی بنا کر ذمّہ داریاں قبول کرنے سے جان چرانا سکھاتا ہے؟
مختصر یہ کہ آیا یہ انتظار، انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے، یا خوابِ غفلت میں مبتلا کر دیتا ہے؟
اِن سوالات کے جوابات کی چھان بین اور تحقیق سے پہلے، اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اچھے سے اچھے تعمیری قوانین اور عالی ترین افکار اگر نادان اور نالائق افراد اور یا ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ اس کو اس طرح مسخ اور پامال کر دیتے ہیں کہ اس کا نتیجہ اس کے اصل مقاصد کے برخلاف نکلے گا، اور اس کی مخالف سمت میں حرکت کرے گا۔ دنیا میں اس طرح کی مثالیں کم نہیں ہیں اور جیسا کہ آگے چل کر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ انتظار کا مسئلہ بھی اسی دردناک مصیبت کا شکار ہوا ہے۔
بہر حال اس قسم کی لغزشوں اور غلطیوں سے بچنے کے لیے، اس طرح کے مسائل کے بارے میں تحقیق کرتے وقت، ضروری ہے کہ بقول معروف پانی کو اس کے سرچشمہ سے لینا چاہیئے تاکہ راستہ کے ندی نالوں کی احتمالی گندگیاں اس پر اثر انداز

نہ ہو سکیں۔

اسی لیے ہم انتظار کے مسئلہ کی تحقیق کرتے وقت اسلام کے اصلی متون اور مآخذ کو معیار قرار دیں گے اور جو مختلف روایات "انتظار" کے مسئلہ پر تاکید کرتی ہیں، ان کے اندازِ بیان کی چھان بین، اور تجزیہ تحلیل کریں گے تاکہ ہم اس کے اصلی مقاصد سے آشنا ہو سکیں۔

ان روایات پر بہت توجہ کے ساتھ غور و فکر کیجئے:

۱۔ ایک شخص نے امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جو شخص آئمہ کی ولایت کا قائل ہے، اور حکومت حق کا انتظار کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"هُوَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ كَانَ مَعَ الْقَائِمِ فِي فُسْطَاطِهِ ثُمَّ سَكَتَ هُنَيْئَةً ثُمَّ قَالَ: هُوَ كَمَنْ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ"

"ایسا شخص اس آدمی کی مانند ہے جو اس انقلاب کے رہبر کے ساتھ ساتھ اس کے خیمہ (اس کے فوجی ہیڈ کوارٹر) میں ہو — پھر امام نے تھوڑی دیر سکوت کے بعد فرمایا —— وہ اس شخص کی مانند ہے جو رسول اللہؐ کے ہمراہ جنگ میں شریک رہا ہو"۔

اس مضمون کی متعدد روایتیں، مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہیں۔

۲۔ بعض روایتوں میں ہے: "بِمَنْزِلَةِ الضَّارِبِ بِسَيْفِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" اس شخص کے ہم مرتبہ ہے، جو راہِ خدا میں شمشیر چلا رہا ہو۔

۳۔ بعض روایات میں ہے : "کَمَنْ قَارَعَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِسَیْفِہٖ"
"اس شخص کے مانند ہے جو رسول خداؐ کے ہمراہ دشمن کے سر پر تلوار کے وار کر رہا ہو۔"

۴۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے : "بِمَنْزِلَۃِ مَنْ کَانَ قَاعِدًا تَحْتَ لِوَاءِ الْقَائِمِ"۔
"اس شخص کی مانند ہے جو حضرت قائم آل محمدؐ کے پرچم تلے ہو۔"

۵۔ ایک روایت میں ہے "بِمَنْزِلَۃِ الْمُجَاھِدِیْنَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ"
"اُس شخص کی مانند ہے جو پیغمبر خداؐ کے سامنے جہاد کر رہا ہو۔"

۶۔ ایک روایت میں ہے : "بِمَنْزِلَۃِ مَنِ اسْتُشْھِدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ"
"اس شخص کی مانند ہے جو پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ درجۂ شہادت پر فائز ہوا ہے۔"

امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے انتظار کے بارے میں، ان چھ روایتوں میں جو سات قسم کی تشبیہات ذکر ہوئی ہیں وہ بہت معنی خیز ہیں۔ یہ تشبیہات اس حقیقت پر سے نقاب اٹھاتی ہیں کہ "انتظار" اور "جہاد" نیز "انتظار" اور "شہادت" کے درمیان، ایک طرح کا رابطہ اور شباہت پائی جاتی ہے۔ متعدد روایتوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ ایک ایسی حکومت کا انتظار کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

اس مضمون کی بعض روایتیں حضرت رسول اکرمؐ اور بعض حضرت علیؑ سے نقل ہوئی ہیں، جب کہ پیغمبر اسلامؐ ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ :

"أَفْضَلُ أَعْمَالِ أُمَّتِیْ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ"

"میری اُمت کا سب سے بہتر عمل، خداوند عالم کی جانب سے فرج اور ظہور کا انتظار کرنا ہے۔"

ایک دوسری روایت میں آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ :

"أَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ"

خواہ اس حدیث میں انتظار فرج کو لفظ کے عام اور وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہو یا اس کے مخصوص معنی یعنی ایک عالمی مصلح کے ظہور کے انتظار کیلئے دونوں صورتوں میں یہ ہماری اس بحث میں انتظار کی اہمیت کو روشن کر دیتا ہے۔

یہ تمام روایتیں اور تعبیرات اس بات کی گواہ ہیں کہ ایک ایسے عظیم انقلاب کا انتظار اپنے دامن میں ایک عظیم اور وسیع جہاد کو سمیٹے ہوئے ہے۔

آگے چل کر ہم اپنے اس بیان کی مزید وضاحت کریں گے۔ اس لیے قارئین کرام اسے واضح طور پر اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں !!

٭

انتظار کا مفہوم

"انتظار" یا آئندہ نگری اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی موجودہ حالت سے کبیدہ خاطر ہو کر ایک تابناک مستقبل کی تلاش میں ہوتا ہے۔

جیسے ایک مریض، جو صحت وسلامتی کا انتظار کر رہا ہو، یا وہ باپ جو اپنے بیٹے کی سفر سے واپسی کا منتظر ہو۔ ان دونوں صورتوں میں یہ افراد جو اپنی بیماری اور فرزند کی جدائی سے پریشان اور کبیدہ خاطر ہیں۔ اپنی حالت کو سدھارنے اور بہتر بنانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ تاجر جو کسادبازاری سے پریشان ہو، اور معاشی بحران کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔ اس میں بھی یہ دو حالتیں پائی جاتی ہیں، "موجودہ حالت سے تنفر" اور "اپنی پریشانی کو دور کرنے اور تجارت کو فروغ دینے کے لیے کوشش"

چنانچہ معلوم ہوا کہ حضرت مہدیؑ کی عادلانہ حکومت، اور ایک عالمی مصلح کے ظہور کا انتظار درحقیقت دو عنصر سے مرکب ہے۔ ایک مثبت پہلو اور دوسرا

منفی پہلو۔

انسان کا اپنی موجودہ حالت سے کبیدہ خاطر ہونا، منفی پہلو ہے' اور تابناک مستقبل کے لیے کوشش کرنا مثبت پہلو ہے۔

اگر انسان کی روح میں یہ دونوں پہلو، جڑ پکڑ لیں' تو دو طرح کے وسیع اعمال کا سر چشمہ بن جائیں گے، (کیونکہ سطحی اور معمولی اعتقادات، ممکن ہے کہ اس کا اثر زبانی جمع خرچی کی حد سے آگے نہ بڑھے، لیکن جو عقیدہ، دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہو اس کے وسیع اور عملی اثرات حتماً ظاہر ہوں گے)

ان دونوں اعمال سے مراد یہ ہے کہ انسان ظلم و فساد کرنے والوں کے ساتھ ہر طرح کے تعاون اور امداد سے پرہیز کرے گا، بلکہ ایک طرف سے ان لوگوں کا مقابلہ کرے گا، اور دوسری طرف اس عالمی حکومت کے قیام کے لیے، اپنے نفس کی اصلاح، گناہوں سے کنارہ کشی، اور اپنے کو جسمانی اور روحانی، مادّی اور معنوی اعتبار سے آمادہ کرے گا۔

اگر آپ اچھی طرح سے غور و فکر کریں تو یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس کے دونوں ہی پہلو کاملاً تعمیری ہیں نیز یہ دونوں پہلو انسان کی بیداری، آگاہی اور تحریک کا سبب ہیں۔

"انتظار" کے اصل مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھنے کے بعد ان روایات کا مفہوم بھی پوری طرح واضح ہو جاتا ہے، جن کو ابھی انتظار کرنے والوں کی جزا' اور ثواب کے مراتب کے سلسلہ میں عرض کر چکا ہوں، اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ واقعی اور حقیقی انتظار کرنے والوں کو ان لوگوں کے مانند قرار دینے کا سبب کیا ہے جو حضرت مہدیؑ کے خیمہ میں ہوں، یا آپ کے پرچم تلے ہوں، یا اللہ کی راہ میں تلوار چلا رہے ہوں' یا اپنے خون میں غلطاں ہوں' یا شہید ہو گئے ہوں۔ وغیرہ وغیرہ

کیا یہ حق و عدل کی راہ میں، جہاد کرنے کے مختلف مراتب و درجات نہیں ہیں، جو انتظار کرنے والوں کے انتظار کی کیفیت اور ان کی آمادگی کی مقدار کے مطابق ہے،
یعنی جس طرح سے راہِ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہدوں کی فداکاری اور ان کے اعمال و کردار کے مراتب، مختلف ہیں، اسی طرح سے انتظار، اصلاح نفس اور آمادگی کے بھی مختلف مراتب و درجات ہیں، کہ انتظار کا ہر درجہ، جہاد کے درجہ سے "مقدمات" اور "نتیجہ" کے لحاظ سے پوری شباہت رکھتا ہے۔ دونوں ہی جہاد ہے اور دونوں ہی کے لیے آمادگی اور اصلاحِ نفس کی ضرورت ہے، جو شخص ایک ایسی حکومت کے رہبر کے خیمہ میں ہو جو عالمگیر ہے، گویا وہ ایک عالمی حکومت کے ہیڈ کوارٹر میں ہے، اور ایسا شخص بے خبر، بے تفاوت اور لاابالی نہیں ہو سکتا، وہاں ہر شخص کی رسائی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ صرف ایسے لوگوں کی جگہ ہے جو واقعاً اس اہم مقام کی لیاقت رکھتے ہوں۔

اسی طرح سے وہ شخص جو اسلحہ سنبھالے ہوئے اس انقلاب کے ہمراہ اسکی عادلانہ حکومت کے مخالفوں سے جنگ کرتا ہے اور میدانِ عمل میں برسرِ پیکار ہے، وہ روحانی فکری اور جنگی اعتبار سے بہت زیادہ آمادگی رکھتا ہے۔

انتظار ——— ؛

یعنی پوری طرح آمادگی :

اگر میں خود ہی ظالم اور ستمگر ہوں تو میں کس طرح سے ایسے شخص کا انتظار کر سکتا ہوں جس کی شمشیر کی خوراک ستمگروں کا خون ہے!؟

اگر میں خود ہی، بدکار، گناہگار اور بداخلاق ہوں، تو کیونکر ایسے انقلاب کی آرزو کر سکتا ہوں جس کے شعلوں کی لپیٹ میں سب سے پہلے گناہگاروں ہی کا دامن آئیگا!؟

وہ فوج جو ایک عظیم جہاد کی منتظر ہے، اپنے سپاہیوں کو جنگی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ آمادہ کرکے، ان میں انقلاب کی رُوح پھونکتی، اور ہر طرح کی کمزوری اور لچک کو دُور کرتی ہے۔

انتظار کی حالت اور کیفیت، ہمیشہ اس ہدف اور مقصد کے مطابق ہوتی ہے جس کا ہم انتظار کر رہے ہیں۔

کسی معمولی مسافر کی سفر سے واپسی کا انتظار

کسی بہت ہی قریبی اور جگری دوست کے آنے کا انتظار

فصل کی کٹائی اور پھلوں کے پکنے کا انتظار

(چھٹیوں کے بعد) اسکول کھلنے کا انتظار ... ... ان تمام انتظاروں میں ایک طرح کی آمادگی اور تیاری پائی جاتی ہے، کسی انتظار میں گھر کی صفائی اور استقبال کا انتظام کیا جاتا ہے، اور کسی انتظار میں ہل، بیل وغیرہ فراہم کیے جاتے ہیں جب کہ کسی انتظار میں، کتاب، قلم کاپی اور اسکول کے ڈریس تیار کیے جاتے ہیں۔

اب ذرا غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو لوگ ایک عظیم عالمی مصلح کا انتظار کر رہے ہیں۔ درحقیقت وہ ایک ایسے انقلاب اور تبدیلی کا انتظار کر رہے ہیں جو انسان کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ وسیع اور اساسی انقلاب ہوگا۔

ایک ایسا انقلاب ———:

جو گزشتہ تمام اصلاحی انقلابوں کے برخلاف کسی خطہ سے مخصوص نہ ہوگا، جغرافیائی حدوں کا پابند نہ ہوگا، اور نہ زندگی کے کسی خاص شعبہ میں محدود ہوگا، بلکہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہوگا کہ ساری کائنات کو اپنے دامن میں سمیٹ لے گا، انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہوگا۔ وہ سیاسی بھی ہے اور ثقافتی بھی،

معاشی بھی ہے اور اخلاقی بھی ——— !

فی الحال ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے کہ ایک ایسے انقلاب کے رونما ہونے کی دلیل کیا ہے ؟

یہ بات ہم کسی مناسب موقعہ پر زیر بحث لائیں گے ۔

یہاں تو ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس طرح کے انتظار کے نتائج کیا ہیں ؟

یعنی ——— :

آیا ، بعض مادہ پرستوں کے خیال کے مطابق یہ انتظار واقعاً لوگوں کو خوابِ غفلت کی گہری نیند سلا دیتا اور ان کے افکار کو مسخ کر دیتا ہے ؟

یا — ؛

اس کے برعکس اس انتظار کے نتائج مثبت اور تعمیری ہیں ؟ جن کے سبب یہ انسان کو متحرک، فعال اور پُر جوش بنا کر اسے اپنے نفس اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے آمادہ کرتا ہے ؟

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ انتظار میں ہمیشہ دو پہلو پائے جاتے ہیں "نفی" اور "اثبات" موجودہ حالت سے کبیدہ خاطری اور تابناک مستقبل کیلئے کوشش و تلاش — !

یہاں پہ یہ بھی اضافہ کر دیں کہ ہر انقلاب اور بنیادی تبدیلی میں بھی دو پہلو پائے جاتے ہیں، منفی پہلو اور مثبت پہلو — !

انقلاب کا پہلا عنصر وہی "منفی" پہلو ہے، سماج دشمنوں کا خاتمہ، انحطاط و فساد و بدعنوانی کے اسباب و علل کا قلع و قمع، اور معاشرے کو غلط اور مخالف نقوش و اثرات سے پاک صاف کرنا ۔

اس مرحلہ کے بعد مثبت پہلو کی باری آتی ہے، یعنی اصلاحی اور تعمیری کاموں

کو ان کا جانشین بنانا۔

اِن دو مفہوموں یعنی "انتظار" اور عالمی" انقلاب کی ترکیب کے سلسلہ میں جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے اس سے یہ بات پوری طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جو لوگ ایک ایسے انقلاب کے انتظار میں زندگی کے رات دن گزار رہے ہیں، اگر وہ اپنے دعوئی میں سچے ہیں (نہ یہ کہ جھوٹے اور خیالی منتظرین میں سے ہوں) تو ان میں لازمی طور پر حسب ذیل اثرات اور صفات موجود ہونا چاہیئے ہیں :

ا۔ اِصلاحِ نفس :

ایسا انقلاب سب سے پہلے ایسے قیمتی اور آمادہ انسانی افراد کا محتاج ہے جو دنیا میں اس قدر وسیع اصلاحات کے بھاری بھرکم بوجھ کو سنبھال سکیں۔

اور اس ضرورت کی تکمیل کے لیے پہلا مرحلہ فکر نیز عرفان و آگہی کی سطح کو بلند کرنے، نیز اس عظیم پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر باہمی تعاون کے لیے فکری اور روحانی آمادگی پیدا کرنے نیز ہر قسم کی تنگ نظری، کوتاہ بینی، کج فکری، حسد، بچگانہ اور غیر معقول اختلافات سے ہر انداز سے دُور ہونے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مجموعی طور پر ہر قسم کا نفاق اور باہمی چپقلش حقیقی انتظار کرنے والوں کی شان کے خلاف ہے۔

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ، ایک ایسے منصوبہ اور نظام کا حقیقی منتظر، الگ تھلگ تماشائی بنا کھڑا نہیں رہ سکتا ہے، اس کو لازماً اصلاح طلب حضرات کی صف میں کھڑا ہونا پڑے گا۔

اس انقلاب کے نتائج پر ایمان، اس کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ انقلاب دشمن عناصر کی صف میں نظر آئے اور موافقوں کی صف میں داخل

ہونے کے لیے بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے اعمال، صالح اور اس کی روح صاف وشفاف ہو، حالات سے باخبر اور شجاعت وشہامت کا مالک ہو۔

اگر میں خود ہی بدکار اور گناہگار ہوں تو پھر میں کس طرح سے ایسے انقلاب کا انتظار کر سکتا ہوں، جس کے شعلوں کی لپیٹ میں سب سے پہلے میرا ہی دامن آئے گا؟

اگر میں خود ہی ظالم وستمگر ہوں تو پھر کس طرح اس شخص کا انتظار کر سکتا ہوں جس کی شمشیر ستمگروں کے خون کی پیاسی ہے، اگر میں خود ہی بدکار اور گناہگار ہوں تو پھر کس طرح ایک ایسے نظام کے انتظار میں گھڑیاں گنوں گا۔ جس میں گناہگاروں کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو، بلکہ گناہگاروں کو سماج سے نکال کر نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا؟

کیا یہ انتظار ہماری روح اور فکر کو جلا بخشنے اور ہم کو گناہوں سے دور رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

وہ فوج جو آزادی اور نجات دلانے کے لیے جہاد کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے، لازمی طور پر پوری طرح چوکنّی اور آمادہ رہے گی، میدانِ جہاد میں جن اسلحوں کی ضرورت ہے انہیں فراہم، اور موجودہ اسلحوں پر صیقل کر کے ان کی خرابیوں کو دور کرے گی، اہم مورچوں کو مضبوط اور مستحکم کرے گی، اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھائے گی، اور ہر سپاہی کے دل میں ایک ایسے جہاد کا شوق اور عشق پیدا کرے گی جو ایسے انقلاب کے لیے ضروری ہے۔ جس فوج میں اس طرح کی آمادگی نہ پائی جاتی ہو، وہ قطعاً جہاد کی منتظر نہیں ہے، اور اگر وہ انتظار کا دعویٰ کرتی ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہے۔ ایک عالمی مصلح کے انتظار کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا کی اصلاح کے لیے فکری، اخلاقی، مادّی اور معنوی اعتبار سے پوری طرح آمادہ ہوں، ذرا

غور کیجیے کہ اس طرح کی تیاری اور آمادگی کتنا بڑا تعمیری اقدام ہے ؟ ساری دنیا کی اصلاح ، اور ظلم وستم ، بدعنوانیوں اور بے سروسامانیوں کا قلع قمع کردینا کھیل یا کوئی معمولی کام نہیں ہے ۔ ایک ایسے عظیم مقصد اور ہدف کے لیے تیاری بھی اسی کی مناسبت سے ہونا چاہیئے ، یعنی جس قدر یہ مقصد عظیم ہے ۔ اس کے لیے اتنی ہی زیادہ تیاری کی بھی ضرورت ہے ، تیاری بھی اتنی ہی عظیم ہونی چاہیئے ۔

ایک ایسا انقلاب لانے کے لیے ، بہت ہی عظیم ، اور اولوالعزم افراد کی ضرورت ہے ، جن کے عزائم بلند ، ارادے شکست ناپذیر ، خود پاک و پاکیزہ اور بلند نظر ہوں ، ہر وقت چوکنے اور پوری طرح سے آمادہ بھی ہوں ، اور اعلیٰ افکار کے مالک بھی ، ایک مقصد کے لیے آمادگی اور اصلاح نفس کیلئے ضروری ہے کہ بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر سماجی ، اخلاقی اور فکری منصوبوں پر عمل کیا جائے ، یہ ہے حقیقی انتظار کا مطلب ، کیا پھر بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ انتظار ، تعمیری نہیں ہے ؟؟

۲ ۔ سماجی تعاون اور امدادِ باہمی :

اس کے ساتھ ساتھ اس رہبر کا حقیقی طور پر انتظار کرنے والوں کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ وہ صرف اپنی ہی اصلاح کی فکر نہ کریں ، بلکہ ایک دوسرے کی فکر میں رہیں ، اور اپنی اصلاح کے علاوہ دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کریں ۔

کیونکہ وہ جس عظیم نظام کا انتظار کر رہے ہیں ، وہ انفرادی نظام نہیں ہے ، بلکہ وہ ایک ایسا نظام ہے جس میں انقلاب کے تمام عناصر کی شرکت ضروری ہے ،

سب کو مل جُل کر، عالمگیر سطح پر کام کرنا چاہیئے۔ تمام کاموں اور کوششوں کو ہماہنگ ہونا چاہیئے، آپس میں اتحاد ضروری ہے اور ان کی اس ہماہنگی اور اتحاد کی وسعت اور عظمت کو اس عالمی انقلاب کے نظام کی وسعت اور عظمت کے مطابق ہونا چاہیئے، جس کے انتظار میں وہ اپنی زندگی کے رات دن گذار رہے ہیں۔

جب میدانِ جہاد میں، سب لوگ مل جُل کر کام کر رہے ہوں تو اس میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے غافل نہیں رہ سکتا، بلکہ ہر ایک کا فریضہ ہے کہ دوسروں کا بھی خیال رکھے۔ ایک دوسرے کی لغزشوں کو دُور کرنے کی کوشش کریں، اور اگر کوئی کمی نظر آئے تو اسے فوراً پورا کیا جائے، اس کی کمزوری کو دُور کیا جائے، کیونکہ تمام مجاہدوں کے اتحاد اور مِل جُل کر کام کرنے کے بغیر ایک ایسے منصوبے کو جامہ عمل پہنانا اور ایسے نظام کو قائم کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اسی بنا پر، جہاں سچے منتظرین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی اصلاح کریں، وہیں ان کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی بھی اصلاح کریں۔

ایک عالمی مصلح کے ظہور کے انتظار کا یہ ایک دوسرا تعمیری اثر ہے، اور یہ ہے ان تمام فضیلتوں اور افتخارات کا فلسفہ جو سچے منتظرین کے لیے بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ سچے منتظر، ماحول کی خرابیوں میں غرق نہیں ہوتے

گذشتہ بحثوں میں عظیم عالمی مصلح کے ظہور کے انتظار کے دو فلسفوں کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، یعنی اب تک ہم نے:

اصلاحِ نفس میں انتظار کے اثرات

اور سماج کی اصلاح اور امدادِ باہمی میں انتظار کے تعمیری اثرات پر گفتگو کی ہے۔

لیکن اس انتظار کے تعمیری اثرات صرف ان ہی دو باتوں پر منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم اثرات ہیں، جن کو قارئین محترم کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ یہ انتظار، انسان کو ماحول کی خرابیوں اور گندگیوں سے آلودہ ہونے سے بچاتا اور گناہوں کے مقابلہ میں ہتھیار ڈالنے سے روکتا ہے۔

جب فساد اور برائیاں ہمہ گیر ہو جاتی ہیں، اور اکثریت یا سماج کا بہت بڑا حصہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، تو بعض اوقات پاک سیرت اور پرہیزگار لوگ ایک عجیب طرح کی نفسیاتی اُلجھن میں گرفتار ہو جاتے ہیں، جو اصلاحات سے مایوسی ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

کبھی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے، جو ہونا تھا ہو گیا اب اصلاح کی کوئی اُمید نہیں رہ گئی ہے، اور اپنے کو گناہوں سے بچائے رکھنے کے لیے کوشش کرنا بیکار ہے، یہی مایوسی اور نااُمیدی ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ ان کو بھی گناہگار بنا کر ماحول کے رنگ میں رنگ دے اور وہ گناہگار اور بدکار اکثریت کے مقابلہ میں اپنے کو صالح اقلیت کے رُوپ میں محفوظ نہ رکھ سکیں، اور معاشرے کے ہم رنگ نہ ہونے کو ذلت و خواری کا سبب سمجھنے لگیں!

صرف ایک چیز ایسی ہے، جو ان میں اُمید کی رُوح پھونک کر ان کو گناہوں کا مقابلہ اور اپنے کو بُرائیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے آمادہ کر سکتی اور ان کو گندے ماحول میں غرق ہونے سے بچا سکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ انہیں اس بات کا یقین ہو کہ آخر کار اس معاشرے کی اصلاح ہو کر رہے گی، صرف اسی ایک صورت میں انسان، اصلاحِ نفس، اپنے کو بُرائیوں سے محفوظ رکھنے اور سماج کی اصلاح

کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھ سکتا ہے۔

چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں عفو و مغفرت سے مایوسی کو گناہ کبیرہ بنایا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ جاہل لوگوں کو اس بات سے تعجب ہو کہ خداوند عالم کی رحمت سے مایوس ہو جانے کو اس قدر اہمیت کیوں دی گئی ہے ؟!! لیکن درحقیقت اس کا فلسفہ یہی ہے کہ رحمتِ خداوندی سے مایوس گناہگار کو گناہوں کا خمیازہ ادا کرنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جس کی بنا پر وہ کم از کم آئندہ گناہ کرنے سے اجتناب کرے، اب اس کی منطق یہ ہوتی ہے کہ، پانی سر سے گذر چکا ہے، خواہ ایک بالشت یا سو بالشت ! ہم پوری کائنات میں رسوا ہو ہی چکے ہیں۔ اب دنیا کی کیا پرواہ ہے سیاہی سے بڑھ کر کوئی اور رنگ نہیں ہے،

آخر کار جہنّم میں تو جانا ہی ہے جب ہم اس کو ابھی سے خریدے ہوئے بیٹھے ہیں تو پھر ڈر کس چیز کا ؟

لیکن جب، اس پر، اُمید کے دروازے کھل جاتے ہیں، خداوندِ عالم کی رحمت اور اس کی عفو و مغفرت نیز، موجودہ حالات کے بدلنے اور بہتر ہونے کی اُمید ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی میں ایک نیا رنگ، اور ایک نئی اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ امید اس کو گناہوں سے توبہ، اصلاحِ نفس، تقویٰ اور پرہیزگاری کی طرف دعوت دیتی ہے۔

اسی دلیل کی بنا پر اُمید کو گناہگار بد اخلاق اور فاسد افراد کی تربیّت کے لیے ایک مؤثر ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے، اسی طرح وہ صالح اور متقی افراد جو غلط اور گندے ماحول میں قید ہیں، صرف امید ہی کے سہارے اپنے کو گناہوں سے بچائے رکھ سکتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مصلح کے ظہور کا ایسا انتظار جس کا مفہوم یہ ہو کہ دنیا جتنی زیادہ فاسد اور خراب ہوتی جائے گی، اس کے ظہور کی امیدیں اتنی ہی زیادہ بڑھتی جائیں گی۔ اس عقیدے کو ماننے والوں پر بہت اچھا نفسیاتی اثر چھوڑتا ہے' اور ان لوگوں کو گناہ اور فساد کی طاقتور موجوں کے خطرات کے مقابلہ میں بیمہ کر دیتا ہے' وہ لوگ نہ صرف یہ کہ ماحول کی بڑھتی ہوئی خرابیوں کو دیکھ کر مایوس نہیں ہوتے بلکہ

ع وعدہ وصل چوں شود نزدیک ٭ آتش عشق تیز تر گردد

(وصال کے وعدہ کا وقت جیسے جیسے قریب آتا جاتا ہے، عشق کی آگ ویسے ویسے اور بھی زیادہ بھڑکنے لگتی ہے)

منزل مقصود سامنے نظر آنے لگتی ہے اور وہ برائیوں اور بدعنوانیوں کو مٹانے نیز اپنے کو گناہوں اور غلط کاموں سے محفوظ رکھنے کے لیے' اور بھی زیادہ لگن اور محنت کے ساتھ کوشش کرنے لگتے ہیں۔

٭

گذشتہ بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انتظار کے غلط اثرات صرف اسی وقت ظاہر ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے مفہوم کو مسخ کر دیا جائے، جس طرح کہ بعض دشمنوں نے تحریف' اور بعض نادان دوستوں نے اس کو مسخ کر دیا ہے' لیکن اگر حقیقی معنوں میں سماج اور فرد اس پر عمل کرے تو انتظار تربیت' اصلاح نفس، تحرک اور امید کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہوگا۔

جو چیزیں ہماری اس بات کی تائید کرتی ہیں، ان میں سے ایک اس آیت کے ذیل میں بیان ہوئی ہے:

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ...."

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور عملِ صالح انجام دیتے ہیں۔ اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ رُوئے زمین کی حکومت ان کے سپرد کر دے گا۔ ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول ہے کہ اس آیت سے "ھو القائم و اصحابہ" : حضرت قائم عج آلِ محمدؐ اور آپ کے اصحاب مراد ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نَزَلَتْ فِی الْمَھْدِی یہ آیت حضرت مہدیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔ اس آیت میں امام مہدیؑ اور آپ کے اصحاب کو "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" ان اوصاف سے یاد کیا گیا ہے کہ وہ لوگ مومن ہیں اور اعمالِ صالح انجام دیتے ہیں۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ عالمی انقلاب اس وقت تک ظہور پذیر نہ ہوگا جب تک لوگوں میں ایسا مستحکم ایمان نہ پیدا ہو جائے جو ہر طرح کی ذلّت و خواری، ضعف و ناتوانی کو دور کر سکے اور ان کے اعمال صالح نہ ہوں جو دنیا کی اصلاح کیلئے مطلوبہ راستوں کو ہموار کر سکیں۔

جو لوگ اس انقلاب کے انتظار میں تڑپ رہے ہیں، ان کو علم و ایمان کے میدان میں بھی ترقی کرنا چاہیئے نیز اصلاحِ نفس اور اپنے کو بہترین اخلاق و کردار سے سنوارنے کے لیے بھی کوشش کرنا چاہیئے۔

صرف ایسے ہی لوگ اس حکومت میں خوشحال زندگی بسر کرنے کی اُمید رکھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ظلم و ستم کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ ان کو حکومت و انقلاب سے کسی فائدے کی توقع نہیں رکھنا چاہیئے۔

اور جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے نا آشنا ہیں۔ وہ بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے نہ ہی اس کا فائدہ ان ڈرپوک اور بُزدل لوگوں کو پہنچے گا جو ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہر چیز سے ڈرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے سایہ سے

بھی خوف زدہ ہیں۔

اور ان کاہل بے کار اور لااُبالی لوگوں کو اس سے کسی فائدہ کی اُمید رکھنے کی ضرورت ہے جو ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے اپنے ماحول اور سماج کی برائیوں، انحطاط، اور بدعنوانیوں کو دیکھتے ہوئے بھی چپ سادھے بیٹھے ہیں، اور ان برائیوں اور اخلاقی انحطاط کو ختم کرنے کے لیے سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے، کوشش کرنا تو بہت دُور کی بات ہے ...!

جی ہاں یہ ہے سچّا انتظار ــــ!

٭

عظیم عالمی مصلح ــــ!

اسلامی ماخذ کی روشنی میں!

الف ۔ قرآن کی روشنی میں

گذشتہ بحثوں میں، ظلم و ستم اور بد عنوانی و فساد کو قلع قمع کرنے کے لیے، عالمی انقلاب عظیم پر ایک وسیع نقطۂ نظر سے بحث و گفتگو کی گئی اور ہم اس مرحلہ پر پہنچے کہ: عقل و منطق اور فطری ہدایات کی روشنی میں پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں ایک عظیم عالمی انقلاب ضرور آئے گا۔

لیکن اس بات کو مدِّ نظر رکھنا چاہیے کہ عقلی دلیلیں اس سلسلہ میں صرف ایک عمومی اور "کلی" مسئلہ کو پیش کرتی ہیں، اس کی جزئیات کا تعین اور اس سوال کا جواب کہ اس عظیم انقلاب کا رہبر کون ہو گا؟ عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔

عقلی گفتگو کے نتیجہ میں ہم صرف اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اس انقلاب یعنی تاریخ بشر کے سب سے اہم واقعہ، اور دنیا کے سب سے بڑے، وسیع، اور عظیم انقلاب کا رہبر وہ شخص ہو گا، جس میں حسب ذیل صفات پائی جاتی ہوں :

۱۔ مافوق الفطرت، وسیع اطلاعات، اور اعلیٰ افکار کا مالک ہو۔
۲۔ بے نظیر دُور اندیشں اور صائب الرائے ہو اور اس کی وسعت نظر پوری کائنات کی وسعتوں پر محیط ہو۔
۳۔ زندگی کے ہر شعبہ میں پختہ اور انقلابی منصوبے رکھتا ہو۔
۴۔ شہامت، بلند نظری اور اعلیٰ ہمّت کا نمونہ ہو۔
۵۔ اپنے وسیع مقاصد کے مطابق، پاک سیرت، متقی اور پرہیزگار ہو۔
۶۔ زندگی کے تمام ابعاد پر نظر رکھتا ہو، اور صرف مادّی بُعد میں نہ پھنس جائے۔
۷۔ اس کی رُوح اس قدر عظیم ہو جو پارٹی بازی، تنگ نظری، مفاد پرستی اور موجودہ رسم و رواج، دنیاوی مکاتب فکر اور مسلکوں سے بلند و برتر ہو۔

اس رہبر کی انقلابی فوج کو بھی بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر تربیت یافتہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس عظیم منصوبے کو جامہ عمل پہنا سکے۔

یہ فوج بہر قیمت، جاہل، تنگ نظر، ڈرپوک، کوتاہ فکر، کم ہمت، گناہگار، بے ارادہ اور غیر انقلابی عناصر سے پاک ہوگی، اس میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

آیئے اس عمومی اور کلّی بحث کو یہیں پر ختم کر کے، عالمی عظیم مصلح کے ظہور کو اسلامی ماخذ میں تلاش کریں، کیونکہ ان تمام پیشین گوئیوں کے باوجود جو تقریباً دنیا کے تمام مذاہب کی کتابوں میں اس طرح کے ظہور کے بارے میں بیان ہوئی ہیں، اسلام میں اس کے سلسلہ میں اور اس کی جزئیات کے بارے میں جتنی زیادہ بحث و گفتگو ہوئی ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو مطالب اسلامی ماخذ میں پائے جاتے ہیں، اور جن مطالب تک ہم "عقل اور فطرت" کے ذریعے پہنچتے ہیں،

ان میں ایک عجیب مطابقت پائی جاتی ہے، اس مطابقت اور ہماہنگی کے دو اثرات بہت اہم ہیں:

ایک تو یہ کہ اس سے عقل کے فیصلوں پر ہمارا ایمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

اور دوسرے یہ کہ یوں اسلامی تعلیمات کی اصالت اور حقانیت پر ہمارا یقین مزید پختگی حاصل کر لیتا ہے۔

✿

عظیم عالمی مصلح

آیاتِ قرآنی کی روشنی میں :

قرآن یعنی، سب سے اہم اسلامی مآخذ، اس سلسلہ میں، دوسرے بہت سے مسائل کی طرح، اس کی جزئیات میں گئے بغیر، صرف ایک کلی اور اصولی بحث کرتا ہے، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ، قرآن انہی چیزوں کو بیان کرتا ہے، جس کو ہم عقلی استدلالات اور فطری الہامات میں دیکھ چکے ہیں، یعنی قرآن ہمیں فقط ایمان کے سایہ میں ایک عالمی عادلانہ حکومت کے قائم ہونے کی خبر دیتا ہے۔ جن آیتوں میں یہ بحث آئی ہے، اس کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں:

۱۔ سورہ انبیاءٔ (آیت ۱۰۶ - ۱۰۵) میں ذکر ہوا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ۔

پہلے چند الفاظ کے معنی پر غور کیجیے:

"ارض" پورے کرۂ ارض کو کہا جاتا ہے، اور اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس میں پوری دنیا شامل ہوتی ہے۔

"ارث" لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی معاملہ اور تجارت کے بغیر کسی کے ہاتھ لگ جائے، لیکن قرآن مجید میں بعض جگہوں پر کسی بُری قوم پر کسی صالح قوم کی کامیابی اور غلبہ، اور ان کے امکانات، وسائل و اموال کو حاصل کر لینے کے لیے "ارث" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

"زبور" اصل میں ہر قسم کی کتاب اور تحریر کو کہا جاتا ہے، لیکن معمولاً "حضرت داؤد" کی کتاب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جس کو پرانے زمانہ میں "مزامیر داؤد" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہ حضرت داؤد پیغمبر کی نصیحتوں، دعاؤں اور مناجات کا مجموعہ ہے لیکن اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ یہاں (قرآن سے قبل) تمام آسمانی کتابوں کو زبور کے نام سے یاد کیا گیا ہو۔

"ذکر" اصل میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو یاد آوری اور تذکرہ کا سبب بنے لیکن چونکہ اسے زبور سے پہلے بتایا گیا ہے اس لیے اسی قرینہ کی روشنی میں، مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں "ذکر" سے مراد حضرت موسیٰ کی آسمانی کتاب "توریت" بتائی گئی ہے، لیکن ایک دوسری تفسیر میں "ذکر" قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ خود قرآن مجید میں ہی، قرآن کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے (ان ھو الا

ذکر للعالمین) : سورہ تکویر - آیت ۲۷

اس دوسری تفسیر کی بنا پر " من بعد " کے معنی " علاوہ " ہوگا۔ " صالح " کے معنی، شائستہ، لائق اور باصلاحیت کے ہیں، اور جب اس کو مطلق استعمال کیا جائے تو تمام چیزوں کی صلاحیت و لیاقت اس میں شامل ہو جائے گی، علمی صلاحیت، اخلاقی شائستگی، ایمان، تقویٰ، اطلاعات اور انتظامی امور کی صلاحیت۔

اس طرح ان آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ :

ہم نے قرآن کے علاوہ (یا توریت کے بعد) کتاب زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین ہمارے صالح اور شائستہ بندوں کے اختیار میں ہوگی، اور یہی عبادت کرنے والوں (اور خدا کی اطاعت اور بندگی کی راہ میں قدم اٹھانے والوں کیلئے اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لیے کافی ہے ،

زبور میں (اگر اس سے مراد قرآن سے پہلے کی تمام کتابیں ہوں) اس کا ذکر، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ موضوع تمام آسمانی کتابوں میں ایک " ثابت اصل " کے عنوان سے موجود تھا۔

اور اگر اس سے مراد حضرت داؤد کی کتاب بھی ہو تو شاید یہ اس مناسبت سے ہے کہ حضرت داؤد ایک وسیع و عریض حکومت کے مالک تھے، جو حق و فضیلت، عدل و انصاف، اور انسانوں کے مفادات کے لیے اقدام کرتی تھی، لیکن آپ کی حکومت عالمگیر نہ تھی، اور ایک منطقہ میں محدود تھی، اس لیے زبور میں آپ کو بشارت دی گئی کہ دنیا میں عدل و انصاف، امن و امان، صلح وصفا اور آزادی کی بنیاد پر ایک عالمی حکومت ضرور قائم ہوگی۔

یعنی جب انسان کافی حد تک صلاحیت اور شائستگی پیدا کر لیں گے اور

"عبادی الصالحون" کے زندہ مصداق، اور خداوند عالم کے شائستہ بندے بن جائیں گے، تو زمین کی تمام نعمتوں کے وارث ہو جائیں گے، مادّی حکومت بھی ان کے قبضہ میں ہوگی اور معنوی حکومت بھی،

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جو روایتیں ذکر ہوئی ہیں، ان میں سے بعض روایات میں اس سلسلہ میں بہت ہی واضح اور صریح تعبیرات اور الفاظ نظر آتے ہیں۔

مشہور و معروف تفسیر "مجمع البیان" میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ:

" هُمْ أَصْحَابُ الْمَهْدِيِّ فِي آخِرِ الزَّمَانِ "

یہ وہی لوگ ہیں جو آخری زمانہ میں حضرت مہدیؑ کے اصحاب اور ساتھی ہوں گے، وہی پاک سیرت، متقی مرد اور عورتیں جو پوری زمین کے وارث بنیں گے وہی عظیم رسالت اور ذمّہ داری کے لیے صلاحیت اور لیاقت رکھتے ہوں گے۔

"مزامیر داؤد" جو آج کل، عہد قدیم (توریت) کی کتابوں کا ایک جز ہے، اس میں بعینہٖ یہی موضوع مختلف تعبیرات اور الفاظ میں نظر آتا ہے۔ اور یہ بات بہت زیادہ توجہ کا طلبگار ہے:

مزمور ۳۷ میں آیا ہے:

"کیونکہ شریر لوگ منقطع ہو جائیں گے، اور خداوند عالم پر توکل رکھنے والے زمین کے وارث ہوں گے، آگاہ ہو جاؤ کہ تھوڑے سے عرصہ کے بعد کوئی شریر باقی نہ بچے گا۔ تم اس کے مکان میں اسے تلاش کرو گے اور وہ تمہیں وہاں نہیں ملے گا، لیکن حلیم لوگ زمین کے وارث ہوں گے۔

اسی "مزمور" ۳۷ میں یہی موضوع دوسرے الفاظ میں بھی بیان ہوا ہے:

"......کیونکہ خداوند عالم کے متبرک لوگ زمین کے وارث ہوں گے لیکن اس کے ملعونین منقطع ہو جائیں گے، صدیق حضرات زمین کے وارث ہو کر ہمیشہ اس میں سکونت کریں گے۔"[1]

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کلمہ "صَالِحُونَ" جو قرآن میں ذکر ہوا ہے ایک ایسا جامع کلمہ ہے، جس میں "حکیم" "صدیق" "متوکل" اور "متبرک" سب ہی شامل ہیں۔

اور جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، آیت کے آخری ٹکڑے یعنی:

"اِنَّ فِی ھٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِیْنَ": سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ روئے زمین پر حکومت صالحین کا آخری مقصد نہیں ہے، بلکہ ایک وسیلہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آخری مقصد یعنی "ہر میدان میں انسان کے ارتقا" کو حاصل کر لیں گے، کیونکہ بلاغ کے معنی یہ ہیں کہ "ما به یبلغون بغیتهم: جس چیز کے ذریعہ اپنے مقصد تک پہنچیں گے۔

*

۲۔ سورہ نور آیت ۵۵ میں:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

---

[1] مذکورہ بالا جملوں کو، توریت کے اس ترجمے سے نقل کیا ہے جو ۱۸۷۸ء میں لندن میں کتب مقدسہ کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے والی انجمن کے توسط سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس آیت میں، باایمان اور شائستہ لوگوں سے بہت ہی صراحت کے ساتھ تین وعدے کیے گئے ہیں؛

اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر وعدہ میں تین ارکان پائے جاتے ہیں:

۱۔ وعدہ دینے والا جو یہاں پر خداوند عالم ہے۔

۲۔ وعدہ لینے والا جو "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ" یعنی صالح مومنین ہیں۔

۳۔ اور جس چیز کا وعدہ کیا جائے جو حسب ذیل تین چیزیں ہیں:

۱۔ استخلاف فی الارض:

"خداوند عالم کی نیابت اور نمائندگی کے طور پر روئے زمین کی حکومت" یعنی حق و عدل کی حکومت۔

۲۔ تمکینِ دین:

"زندگی کے ہر شعبہ میں، الٰہی قوانین کی حکمرانی اور ان کا معنوی اثر

۳۔ خوف کا امن سے بدل جانا

خوف اور ناامنی کے اسباب و علل کا خاتمہ، نیز روئے زمین پر ہر جگہ اطمینان و سکون اور امن و امان کی برقراری۔

کلمہ "تمکین" کے اور دوسرے موارد پر استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ "تمکین دین" کا مقصد یہ ہے کہ الٰہی تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ پر چھا جائیں گی اور اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی، نہ یہ کہ صلح و آزادی و انسانی حقوق جیسے

الفاظ کے مانند، جو آج اپنے دھوکے باز اور جھوٹے حمایتیوں کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے ہیں اور یہ لوگ اس سلسلہ میں صرف جوشیلے نعرے لگانے کے لیے اپنے گلے پھاڑتے ہیں، لیکن عمل میں اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں، گویا یہ خیالاتی الفاظ ہیں جس کو صرف خواب و خیال کی دنیا ہی میں پایا جا سکتا ہے۔

اُس زمانہ میں اسلام کی، زندگی اور آزادی بخشنے والی تعلیمات، صرف ظاہری اور خشک رسُومات میں گرفتار نہ ہوں گی، اور نہ صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک ہوں گی۔ بلکہ زندگی کے ایک فارمولے کی طرح، ہر شعبہ میں اپنے قدم جمائیں گی، بنیادی اور اساسی طور پر عملی زندگی میں ان کی تعبیر کی جائے گی، اور یہ اصول صرف ایوانوں پر نقش و نگاری کی حد تک محدود نہیں رہیں گے۔

اس وقت علم و آگاہی اور احساسِ ذمّہ داری، ہمہ گیر ہو جائے گی۔ اس کی عمومیت اور پھیلاؤ لوگوں کو الفاظ سے کھیلنے نیز تعبیری مفاہیم اور مطالب کو مسخ کرنے کی مہلت نہیں دے گا، کیونکہ یہ باتیں صرف ان معاشروں میں ممکن ہیں جن میں علم و آگاہی اور احساسِ ذمّہ داری ہمہ گیر، یا بحدِ ضرورت موجود نہ ہو، ورنہ اس طرح کے بچگانہ، کھیلوں کی مہلت اور فرصت باقی نہیں رہتی۔

اُس زمانہ میں، اس دور کی طرح ذاتی اور خصوصی مفادات، عوام کے حقوق کے بارے میں صحیح قضاوت کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے، کہ آج اِنسانی حقوق کو پامال کرنے والے حضرات، عالمی اجتماعات اور جلسوں میں جو انسانی حقوق کی حمایت اور دفاع کے لیے منعقد کئے جاتے ہیں، جب تقریر کرنے کے لیے اسٹیج پر آتے ہیں، تو اتنی جوشیلی تقریر کرتے ہیں کہ انسان دیکھتا ہی رہ جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنی تقریروں کے دوران انسانی حقوق کے موجودہ منشور کو بھی (کہ درحقیقت ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا گیا ہے) ناقص اور

ناکافی سمجھتے ہیں، اور دنیا میں انسانی حقوق کے ٹھیکیدار! حضرات، ان کیلئے تالیاں بجاتے ہیں، ان کی تعریف کرتے ہیں، کیونکہ یہ سب آپس میں دوست ہیں۔ اور اس کے بغیر ان کے مفادات خطرے میں پڑ جاتے ہیں (چور کا بھائی گرہ کٹ!)

اُس دور میں امن وامان خوف اور ڈر کے سایہ میں برقرار نہیں ہوگا، اور نہ وہ امن اس طرح کا ہوگا جو کبھی کبھی اس دنیا میں خوفناک اسلحوں کے ڈر سے برقرار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ امینت کے بجائے وحشت اور خوف کا تعادل ہے اور دراصل یہ سکون و اطمینان امن وامان " جنگ کے دردناک نتائج کے خوف کی وجہ سے برقرار ہوتا ہے، نہ کہ اپنی حقیقی ضرورت کے سبب اس لیے جس دن اس وحشت کا تعادل متزلزل ہو جاتا ہے۔ اسی دن یہ جھوٹا امن وامان بھی ختم ہو جاتا ہے لیکن خداوندِ عالم کے اِن تینوں وعدوں کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی اصلاح، انسانی اقدار و مفاہیم، اور خداوندِ عالم کی خالص بندگی کے ارتقا، اور ہر شکل وصورت میں بتوں کو توڑنے کے لیے زمین ہموار ہو جائے گی (یَعۡبُدُونَنِیۡ وَلَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا)

بہتر ہے کہ اس آیت کے ذیل میں مفسرین کے اقوال پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبرِ اکرمؐ کے اصحاب نے مکّہ سے مدینے کی طرف ہجرت کی تھی۔

ایک نئی تحریک شروع ہو چکی تھی، ایک ایسی تحریک جس نے جہالت و فساد، ظلم وستم، جاہلی امتیازات و برتری، اور خرافات سے بھرے ہوئے، پرانے معاشرے کے جسم میں تھرتھری پڑ گئی تھی، اور طبیعی طور پر اس تحریک کے خلاف ہر طرف سے مخالفت کے جھنڈے بلند ہو چکے تھے۔

اگرچہ الٰہی انقلاب کے مددگاروں کی تعداد کم تھی، مگر یہ سب وفادار تھے،

وہ اس نئے محرک دین کی عظیم فعالیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ، حالات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، اور بہت ہی پامردی کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن مخالفوں کی تعداد اور ان کا ہلڑ ہنگامہ اتنا زیادہ تھا کہ ان کی حقانیت کی آواز دشمنوں کے شور و غل میں گم ہو جاتی تھی۔

قبیلوں کی مخالفت اس قدر شدید تھی کہ پیغمبر اسلام ص کے انقلابی سپاہی ہر وقت چوکنا اور آمادہ رہا کرتے تھے، ہر شب اسلحہ کو سینہ سے لگا کر سوتے اور صبح کو جنگ کے وزنی اور چست کپڑوں' اور اسلحوں کے ساتھ بیدار ہوتے تھے

ایک طولانی مدت تک اسی حالت میں باقی رہنا بہت مشکل تھا، کیا شمشیر کو پہلو میں لٹکا کر ڈھال ، خود ، اور زرہ کے ساتھ ہمیشہ سویا جاسکتا ہے؟! وہ بھی اچاٹ نیند سے !

کبھی کبھی وہ یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ اے کاش ! وہ زمانہ آجائے کہ ایک ہی شب کے لیے سہی ، آرام سے بستر پر سو سکیں' اور دشمن کی طرف سے کسی خطرے کا ڈر نہ ہو ، نہ نماز کے وقت دشمن کے غافلگیرانہ حملہ کی وحشت ہو، اور نہ رات کی تاریکی میں دشمن کے شب خون مارنے کا ڈر ہو، وہ آزادی کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، اور بتوں کو چکنا چور کر دیں' قرآن کی عادلانہ حکومت میں سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

اسی لیے یہ لوگ کبھی کبھی اپنی حالت کے بارے میں پریشانی کا اظہار کرتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ ' کیا وہ دن آئے گا ؟

ایسی حالت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ان کو بشارت دی گئی کہ ہاں وہ دن ضرور آئے گا ، اور یہ خداوند عالم کا وعدہ ہے ، ایسا وعدہ جو قطعی ہے اور جس میں وعدہ خلافی کا وہم و گمان بھی نہیں ہے — !

اور ہم نے دیکھا کہ پورے جزیرۃ العرب پر پیغمبرِ اسلام کی کامیابی کے بعد کس طرح سے وہ دور آیا جس کا ان لوگوں کو انتظار تھا۔۔۔!!

اس آیت کے لیے یہ شانِ نزول بالکل مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن جو لوگ قرآن کی مختلف آیتوں سے آشنا، اور ان کے شانِ نزول سے بھی واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کبھی بھی آیات کے وسیع مفاہیم کو اس کی شانِ نزول میں مقید اور منحصر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ہمیشہ شانِ نزول، آیت کے بہت سے مصادیق میں سے ایک مصداق ہوا کرتی ہے۔

کسی آیت کو اس کی شانِ نزول سے مخصوص کر دینے کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے کسی اسلحہ کو ضرورت کے وقت دشمن سے جنگ کرنے کے لیے بنایا جائے اور جنگ ختم ہو جانے کے بعد، اس کو پھینک دیں، چاہے وہ کتنا ہی قیمتی، نایاب اور استعمال کے قابل کیوں نہ ہو۔

پیغمبر اسلامؐ کے آخری دور میں اس آیت کے وسیع مفہوم کے ایک حصّہ نے جامۂ عمل ضرور پہن لیا، لیکن اس کے تمام مفاہیم پر عمل اور پوری دنیا میں استخلاف ابھی تک واقع نہیں ہوا ہے، اور دنیا اس کے انتظار میں ہے۔

اس لیے یہ آیت ہر زمانہ میں تمام مومنوں کو بشارت دیتی ہے کہ آخر کار دنیا کی حکومت صالح اور شایستہ ہاتھوں میں ضرور آئے گی اور یہ دنیا ہمیشہ کیلئے ان ظالم و ستمگر سامراجیوں کا کھلونا نہیں بنی رہے گی جو دنیا کو فٹ بال سمجھ کر ایک دوسرے کی طرف لڑھکاتے رہتے ہیں۔

اسی بنا پر روایات میں اس آیت کو مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ظہور کے بارے میں بتایا گیا ہے، چنانچہ گراں قدر مفسّر "طبرسی" نے اپنی کتاب مجمع البیان میں امام زین العابدینؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"هُمْ وَاللّٰهِ شِيعَتُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ يَفْعَلُ اللّٰهُ ذٰلِكَ بِهِمْ عَلٰى يَدَيْ رَجُلٍ مِنَّا وَهُوَ مَهْدِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ"

یہ لوگ ہم اہلبیت کے پیرو ہیں، خداوند عالم ہمارے خاندان میں سے ایک مرد کے ذریعہ ان کے لیے اس کام کو انجام دے گا، اور وہی اس اُمّت کا مہدی ہوگا۔

اسی مضمون کی روایت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل کی گئی ہے مرحوم طبرسی نے، اس کے بعد اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ یہ آیت مطلق ہے اور اس میں پورے کرۂ ارض کی خلافت شامل ہے، اور چونکہ خداوند عالم کا یہ وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہوا ہے، لھذا اس کے انتظار میں رہنا چاہیئے۔

تفسیر "برھان" میں اسی آیت کے ذیل میں امام جعفر صادقؑ اور امام محمد باقرؑ سے کئی روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ یہ آیت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ کے قیام کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اس نکتہ کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ کلمۂ "مِنکُمْ" کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک شایستہ اور صالح اقلیت کا وجود اس بات کے لیے کافی ہے کہ جب حالات سازگار اور زمین ہموار ہو جائے تو وہ اپنے عالمی انقلاب کا آغاز کریں، اور ان کی بھرپور قیادت میں طوفانی موجوں میں ڈگمگاتی ہوئی کشتی ساحل نجات پر پہنچ جائے۔

۞

۳۔ سورہ توبہ آیت ۳۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلٰى

الدِّینِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔

اس آیت کے معنی کو سمجھنے کے لیے اس سے پہلے والی آیت کو دیکھنا پڑیگا اور وہ یہ ہے کہ:

یُرِیْدُوْنَ أَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِأَفْوَاہِہِمْ وَیَأْبَی اللّٰہُ إِلَّا أَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ ۝

دشمنانِ خدا چاہتے ہیں کہ نورِ خدا کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، لیکن خدا اپنے نور کو مکمل کرنا چاہتا ہے، اگرچہ کافروں کو اس سے کتنی ہی بے چینی کیوں نہ ہو اور ان پر یہ بات خواہ کتنی ہی گراں کیوں نہ گذرے۔

اس آیت سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ خداوندِ عالم نورِ اسلام کے تکامل، اور ارتقاء کا ارادہ کر چکا ہے، اور اس کا واقعی ارتقا اس وقت متحقق ہوگا، جب اسلام پوری دنیا پر سایہ فگن ہو جائے۔

پھر کچھ اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو موردِ بحث آیت میں ذکر کیا ہے، ارشاد فرماتا ہے:

خداوندِ عالم وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ عطا کرے، اگرچہ مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔

سورہ فتح کی آیت ۲۸ میں اللہ نے اپنے اسی وعدہ کا اعادہ تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ کیا ہے:

ھُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا

خدا وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے

تاکہ اسے تمام ادیان پر غلبہ عطا کرے اور اس کے سلسلہ میں صرف خداوند عالم کی گواہی کافی ہے۔

اور آخر کار تیسری مرتبہ اس عظیم وعدہ کا ذکر سورہ صف آیت ۹ میں سورہ توبہ ہی کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ:

ان تمام آیات سے جو قرآن مجید کے تین سورتوں میں ذکر ہوئی ہیں، اجمالی طور پر خداوند عالم کے اس وعدے کی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے۔

لیکن یہاں پر "لِيُظْهِرَهُ" کے مفہوم کی وضاحت سب سے ضروری ہے اس سلسلہ میں دو باتیں بہت اہم ہیں:

اوّلاً یہ کہ:

"ہٗ" کی ضمیر، پیغمبر کی طرف پلٹتی ہے، یا "دین الحق" کی طرف؛ پہلی صورت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا، اور دوسری صورت میں دین اسلام کا غلبہ مقصود ہوگا۔

لیکن اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ "دین الحق" ضمیر سے زیادہ نزدیک ہے اس لیے ادبی قواعد کی بنا پر دین حق کی طرف ضمیر کا پلٹنا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، (اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہ ہوگا)

اور اس کے علاوہ ایک دین کے تمام ادیان پر غالب ہو جانے کی تعبیر، کسی شخص کے تمام ادیان پر غالب ہو جانے سے زیادہ مناسب ہے۔

ثانیاً یہ کہ:

یہاں پر ظہور سے کیا مراد ہے؟ اور یہی بات تمام گفتگو کی جان ہے۔ اسمیں

کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ "ظہور" کے معنی، یہاں پر ظاہر، آشکار، اورعیاں ہو جانا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں یہ لفظ غلبہ اور کامیابی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ اس کلمہ کے مشہور معانی میں سے ایک معنی یہی ہے، کتاب قاموس میں جو کہ عربی زبان کے مشہور و معروف مأخذ میں سے ہے' ملتا ہے کہ ظَهَرَ بِهِ وَعَلَيْهِ غَلَبَهُ کتاب مفردات راغب میں بھی ہے کہ ظَهَرَ عَلَيْهِ غَلَبَهُ

قرآن مجید کی متعدد آیات میں جو کہ سورہ مومن و کہف و توبہ میں ذکر ہوئی ہیں یہ کلمہ "غلبہ اور کامیابی" کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسے :

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً (توبہ ۸)

ان کا عہد و پیمان کیونکر محترم ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر وہ تم پر غالب اور کامیاب ہو جائیں تو، رشتہ داری اور عہد و پیمان کی رعایت نہیں کریں گے۔

يَا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ (مومن - ۲۹)

اے فرعونیو! آج تم لوگ روئے زمین پر کامیاب ہو لیکن ......

إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ (کہف - ۲۰)

وہ لوگ اگر تم پر (اصحاب کہف) کامیاب ہو جائیں تو تم کو سنگ باران کردیں گے!

ٹ

لیکن اصل گفتگو یہ ہے کہ اس دین کی تمام ادیان پر کامیابی سے مراد کس طرح کی کامیابی ہے؟ مفسروں نے اس کے لئے تین تفسیریں بیان کی ہیں :

۱۔ منطقی کامیابی :

یعنی جب اسلام کا دوسرے ادیان کے ساتھ مقابلہ کیا جائے جو غالبا

خرافات سے مخلوط ہو گئے ہیں، تو تمام منطقوں پر، اسلام کی مستدل منطق کی کامیابی آشکار ہو جائے گی۔ اس تفسیر کے طرفدار حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ جب بھی اسلام کی خالص توحید کو شرک آمیز توحیدی نظریات اور یا خالص مشرکانہ عقائد کے مقابلہ میں لایا جائے تو دین اسلام کی برتری دوسرے تمام ادیان اور مکاتب پر ظاہر ہو جائیگی، اسی طرح سے اور بقیہ مسائل۔

اور خداوندِ عالم کا یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے، حتیٰ کہ اگر اذان کا مقابلہ ناقوس کے نعرے یا دوسرے ادیان کے نعروں سے کرایا جائے تو اس منطق کی کامیابی آشکار ہو جائے گی کیونکہ اذان انسان کو بیدار کرنے اور لرزا دینے والا نعرہ ہے۔

۲۔ عملی کامیابی:

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس سے مراد عملی کامیابی اور تمام ادیان پر غلبہ ہے، البتہ ایک خاص جغرافیائی حدود میں، عالمی سطح پر نہیں۔

یہ وعدہ بھی پورا ہو چکا ہے، کیونکہ اسلام، پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں شبہ جزیرۃ العرب اور آپ کے بعد دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی پر غالب ہو چکا ہے، اور ان علاقوں میں جن کی سرحدیں دیوارِ چین۔ بلکہ اس کے ماورائے سے لے کر بحر اٹیلانٹک تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسرے مذاہب اور ادیان کے پیروؤں نے اسلام کے سامنے سرِ تعظیم خم کر دیا، حتیٰ کہ ان ملکوں سے حکومت اسلامی ختم ہو جانے کے بعد بھی ایک مکتب اور ایک مستقل دین کی حیثیت سے ان علاقوں میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے۔

۳۔ حقیقی کامیابی:

مراد یہ ہے کہ روئے زمین پر، عالمی سطح پر اسلام کو حقیقی کامیابی اور غلبہ حاصل ہو،

کہ اس میں ثقافتی، معاشی اور سیاسی کامیابی بھی شامل ہو جائے گی، اس تفسیر کو شیعہ مفسروں کے علاوہ بعض سنّی مفسروں نے بھی قبول کیا ہے۔

مسلّماً، یہ وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہوا ہے، اور یہ صرف مہدی موعود کی عالمی حکومت پر منطبق ہوتا ہے، کہ آپ کے زمانہ میں پوری دنیا پر حق و عدل کی حکومت قائم ہو جائے گی، اور یہ دین، عالمی سطح پر تمام ادیان و مذاہب پر غالب ہو جائے گا۔

لیکن ہمارے پاس کچھ ایسے قرائن موجود ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تیسری تفسیر، بقیہ تمام تفاسیر سے بہتر ہے کیونکہ:

اوّلاً:

وہ غلبہ و کامیابی جس کو ہم کلمہ "ظہور" سے سمجھتے ہیں، ظاہراً اس سے مراد حسّی اور عینی غلبہ ہے، نہ کہ ذہنی و فکری غلبہ، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی جتنی آیات کو اس سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے، کسی بھی آیت میں "ظہور" "ذہنی غلبہ" کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ اگر گذشتہ آیات کو ایک دفعہ پھر توجہ کے ساتھ پڑھیں تو آپ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ ان تمام موارد پر "ظہور" عینی اور حسّی غلبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ثانیاً:

تاکیدی طور پر کلمہ "کُلّہ" کا ذکر یہ بتاتا ہے کہ یہ غلبہ کسی خاص علاقہ اور منطقہ میں محدود نہ ہوگا، بلکہ دنیا کے تمام ادیان و مذاہب پر غالب ہوگا، اور یہ غلبہ صرف اس وقت ممکن ہے جب اسلام تمام دنیا پر چھا جائے اور ہر طرف

اس کا ڈنکا بجنے لگے۔

ثالثاً :

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جو روایتیں بیان ہوئی ہیں وہ اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ تفسیر سوم ہی صحیح ہے کیونکہ :

۱۔ "عیاشی" "عمران بن میثم" سے اور وہ "عبایہ" سے نقل کرتے ہیں کہ :
امیر المومنینؑ نے جب اس آیت "هُوَ الَّذِیٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ...." کی تلاوت فرمائی تو اپنے اصحاب سے دریافت کیا :
أَظَهَرَ ذٰلِكَ ؟! (کیا یہ کامیابی حاصل ہوگئی ہے) ؟! اصحاب نے کہا ، جی ہاں !

حضرت نے فرمایا : کَلَّا ؛ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ حَتّٰی لَا یَبْقٰی قَرْیَةٌ إِلَّا وَیُنَادِیْ فِیْهَا بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ بُکْرَةً وَّعَشِیًّا :
"نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ کامیابی اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک کہ اسلام پوری دنیا میں پھیل نہ جائے اور روئے زمین پر کوئی ایسی آبادی باقی نہ رہ جائے جہاں سے صبح و شام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی آواز بلند نہ ہوتی ہو"[1]

۲۔ ایک دوسری حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے :
إِنَّ ذٰلِكَ یَکُوْنُ عِنْدَ خُرُوْجِ الْمَهْدِیِّ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ فَلَا یَبْقٰی أَحَدًا إِلَّا أَقَرَّ بِمُحَمَّدٍ (ص) :
"یہ کامیابی مہدی آلِ محمدؑ کے ظہور کے وقت حاصل ہوگی، ایک ایسی کامیابی

---

[1] مجمع البیان سورہ صف ۔ آیت ۹ کے ذیل میں

کہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی نبوت) کا اقرار نہ کیا ہو"[1]

۲۔ مقداد ابن اسود کہتے ہیں :

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ (ص) یَقُوْلُ : لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰہُ کَلِمَةَ الْاِسْلَامِ" :

روئے زمین پر کوئی ایسا گھر اور (صحراؤں میں) خیمہ باقی نہ ہوگا جس میں دینِ اسلام داخل نہ ہوا ہو۔[2]

اس آیت کی تفسیر میں، اسی مضمون کی اور بھی بہت سی روایات ذکر ہوئی ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی آیتوں میں سے وہ چند آیتیں تھیں جو اس بات کی تائید و تاکید کرتی ہیں کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔ جب توحید و اسلام و ایمان کا پرچم عالمی صلح وعدل و امن و امان کی بھرپور صفات کے ساتھ تمام دنیا پر پوری طرح پھیل جائے گا۔

---

[1] تفسیر برھان ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۲۱

[2] تفسیر مجمع البیان ۔ سورہ توبہ آیت ۳۳ کے ذیل میں ۔

عالمی مصلح ——— ؛

اہل سُنّت کی کتب حدیث میں!

اِس عنوان کے ذیل میں اپنی گفتگو کے سلسلہ میں ہم سب سے پہلے دو نکتوں کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں :

۱۔ اس سلسلہ کا پہلا نکتہ : ضرورتِ حدیث سے عبارت ہے :
یعنی بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ قرآن کے ہوتے ہوئے احادیث اور روایات کی کیا ضرورت ہے ؟

اور جب قرآن میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے، فیہ تبیان کل شیٔ تو پھر وہ کون سی دلیل ہے جو ہمیں "حسبنا کتاب اللہ" اللہ کی کتاب قرآن ہمارے لیے کافی ہے" کہنے والوں کی ہمنوائی سے روکتی ہے ؟
خاص طور سے ایسی صورت میں جب کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان صحیح احادیث کے درمیان، جعلی اور ضعیف احادیث بھی موجود ہیں اور یہ ملاوٹ، احادیث کے

بے اعتبار ہونے کا سبب ہے۔

اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ؛ ہم مسلمان ہیں، اور قرآنی احکام کا تابع مسلمان، اُن اسلامی احادیث پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہے جو صحیح ذرائع سے اس تک پہنچی ہیں، کیونکہ :

پہلے یہ کہ :

صحیح حدیث اور سنّت کے منکر حضرات در حقیقت خود قرآن مجید کے منکر ہیں کیونکہ قرآن کھلے الفاظ ہیں، پیغمبر کے اقوال کو الٰہی اور اسلامی احکام کا ایک معتبر سرچشمہ اور آپ کی فرمائشات کی اطاعت واجب سمجھتا ہے، ارشاد ہوتا ہے :

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

پیغمبر جو کچھ تمھارے لیے لائیں، اور وہ تمھیں جو بھی حکم دیں، تم اس کو لے لو اور اس پر عمل کرو، اور وہ جس چیز سے تم کو منع کریں، اس سے باز آجاؤ۔ (حشر-۷)

مَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۝

کسی مومن اور مومنہ کے کام کے بارے میں جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں پھر انہیں اپنے معاملہ میں کسی ذاتی رائے کے اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ (احزاب - ۳۶)

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۔

جس نے پیغمبر کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جو ان سے روگردانی اختیار کرے تو اے رسُول ! ہم نے آپ کو ان کا ذمّہ دار نہیں ٹھہرایا ہے (ان کا حساب و کتاب اللہ کے ساتھ ہے) (نسائ - ۸۰)

یہ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جو پیغمبر کے حکم کو خداوند عالم کے حکم کی طرح واجب الاطاعت بناتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ :

قرآن اسلام کے کلّی اور بنیادی احکام کا ذخیرہ ہے، اگر ہم احادیث کو نظرانداز کردیں تو پھر قرآن عمل کے قابل ہی نہیں رہے گا، کیونکہ ایسی صورت میں یہ ایسے "ذہنی کلیات" کی شکل اختیار کرلے گا، جو اجرا کے قابل نہیں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے تمام جزئیات اس کے کلی قوانین پر عمل کرنے کا طریقہ اور اس کے اجرا کی کیفیت، یہ تمام چیزیں آپ کو صرف سنّت (حدیث) ہی کے دامن میں مل سکیں گی۔

اگرچہ پیغمبرِ اسلامؐ کی وفات کے بعد جاہلوں کا اصرار یہی تھا کہ آنحضرتؐ کی حدیثیں نہ لکھی جائیں، مبادا قرآن کے لیے مزاحمت کھڑی ہوجائے، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد، ہر شخص پر اس رائے کی قلعی کھل گئی نیز اس طرزِ فکر کی خرابیاں اور نقائص آشکار ہوگئے اور سب نے اس حقیقت کو پالیا کہ اگر کچھ اور حصّہ بیت جائے اور پیغمبر کی احادیث ذہنوں سے محو ہوجائیں نیز لوگ ان کو بھلا بیٹھیں، تو پھر اسلام اپنی عملی قدر وقیمت سے محروم ہوجائے گا۔ اور قابلِ عمل نہیں رہے گا، چنانچہ وہ جلد ہی اس پرانے اور افراطی نیز ناعاقبت اندیش نظریہ سے دست بردار ہوکر احادیث کی کتابوں کی تدوین میں مشغول ہوگئے

تیسرے یہ کہ :

یہ بات تسلیم ہے کہ جعلی مال تیار کرنے والوں کے ناپاک ہاتھ اسلامی احادیث کی طرف بھی بڑھے ہیں، اور انہوں نے مختلف اغراض و مقاصد کے ماتحت احادیث گڑھنے کا کاروبار شروع کیا ہے، لیکن صحیح احادیث کو غلط

احادیث سے جدا کرنے کے لیے ہمارے پاس معیار نیز ان کو پرکھنے کے لیے کسوٹی موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان کو پہچانا نہ جا سکے، علم رجال، علم حدیث اور علم درایہ کی مدد سے جعلی اور مشکوک روایتوں کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اور اس سلسلہ کی دوسری بات یہ ہے کہ:

آپ ایک انقلابی الٰہی شخص ہیں، نہ کہ دنیاوی اور مادّی سیاستداں!

پوری دنیا میں ایک عظیم اصلاحی انقلاب کے رُونما ہونے پر انسان کی فطرت اور عقل کی روشنی میں جو دلیلیں بیان ہوئی ہیں۔ وہ قرآن کی اُن آیات کی مانند ہیں جو اس سلسلہ میں ذکر ہوئی ہیں یعنی یہ کسی خاص شخص کا نام نہیں بتاتیں، بلکہ صرف ایک "کلی" بحث پر اکتفا کرتی ہیں۔

لیکن اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہر انقلاب کی طرح اس انقلاب کے لیے بھی ایک رہنما کی ضرورت ہے، ایک ایسا طاقتور رہنما جو علم کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو، استقامت کا نمونہ ہو، اور عالمی مسائل سے پوری طرح باخبر، نیز وسیع نظریات کا حامل ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ یہ رہبر بھی آج کے رہنماؤں کی طرح اسی مادّی معاشرے سے اُٹھ کھڑا ہو؟

یعنی یہ کہ وہ بھی اس دور کے ان رہنماؤں کے مانند ہو جن کا پہلا مقصد اپنا اقتدار جمانا نیز اپنی پوزیشن کو مضبوط بنانا ہوتا ہے، اور پھر ان چیزوں کے لیے کوشش کرتے ہیں جس سے ان کی پوزیشن اور بھی بہتر ہو سکے، وہ مختلف سیاسی و معاشی مکاتیب فکر کے سامنے اتنا ہی سر تعظیم خم کرتے ہیں، جتنا ان کی شہرت اور اقتدار کو بڑھانے کے لیے اثر انداز ہو، اگر اس کے بعد کچھ اور ہمت بڑھی تو اپنی قوم کے مفادات کے لیے کوشش کرتے ہیں، چاہے اس کے لیے دوسری قوموں کو موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتارنا پڑے۔

ویٹ نام کی بیس۲۰ سالہ جنگ، لاکھوں مقتول و زخمی، اور لاتعداد گھروں کی تباہی و بربادی و ویرانی، بے شمار ناقص العضو افراد کے وجود، نیز اربوں دولت کی بربادی نے یہ بات ثابت کردی کہ آج کا سرمایہ دارانہ نظام اپنے مفادات کی خاطر، پوری بشریت کو تہ تیغ کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا، وہ اپنے فائدے کے لیے اور کبھی کبھی تو بلاوجہ صرف اوھام و تخیلات کی بنیاد پر، اپنی دھاک جمانے کے لیے جنگ کرنے پر تلا بیٹھا ہے، اس اثنا میں کچھ عظیم الشان رہنما! بدل گئے، لیکن ہر رہنما نے اپنے اسلاف کی سیرت پر عمل کرکے یہ ثابت کردیا کہ یہ کام کسی ایک شخص کے نظریہ کی بناء پر انجام نہیں دیا گیا تھا، بلکہ یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر ہم سب کا اتفاق ہے، اور یہ ان ملکوں کی خاصیت ہے جس میں اصول و ضوابط کے ماتحت کام کیا جاتا ہے!!

یہ لوگ آزادی کو اپنا سب سے بڑا مقصد بتاتے ہیں، لیکن صرف اپنے لیے؛ کبھی کبھی دوسروں کی آزادی کے بارے میں بھی گفتگو کرلیتے ہیں، کبھی کبھی ان کا دل بظاہر ان بدنصیبوں کے لیے بھی پسیجتا ہے، لیکن جیسے ہی ان کے مفادات سے اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے وہ فوراً ہی اِن بے بس اور لاوارث عوام کی آزادی کا گلا گھونٹ دیتے ہیں! یہ سب اپنے مادی مفادات کو حاصل کرنے کے لیے، مِل جُل کر، شانے سے شانہ ملا کر کام کرتے ہیں، اور صرف یہی ایک مقدس اصول ہے جس پر ان سب کا اتفاق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے آپس میں ایک دائمی معاہدہ کر رکھا ہے۔

"انسانی حقوق" اور یہ کہ "اپنی سرنوشت کی تعین میں ہر انسان آزاد ہے" یہ ان لوگوں کے ایسے نعرے ہیں جو صرف رقیبوں کو شکست دینے کا حربہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے دوستوں کا معاملہ پیش آتا ہے، اور وہ انسانی حقوق کی پامالی

کے مرتکب ہوتے ہیں، تو ان کی زبان پر تالا لگ جاتا ہے، اور اس نعرے کو بھول جاتے ہیں، نیز دوستی کے ناطہ اور اپنے مشترکہ مفادات کی خاطر وہ اسے اس قانون پر عمل کرنے سے معاف کر دیئے جاتے ہیں!

کیا اس طرح کے سماجی نظام، اور اس طرح کی بڑی طاقتیں، دنیا میں آزادی اور عدل و انصاف کے جھنڈے بلند کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں؟ اور کیا ان بڑی طاقتوں میں کوئی فرق ہے؟

سرمایہ دارانہ نظام کی طرفدار بڑی طاقتوں کے ظلم و ستم، استعمار و استحصال کا مسئلہ اظہر من الشمس ہے، اور اس سلسلہ میں کسی بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن سوشلسٹ اور کمیونسٹ نظام کی حامی بڑی طاقتیں: عوام کے درمیان عدل و انصاف کا پرچار اور غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنے کے نام پر تمام طاقتوں کو کچل کر عوام کی مکمل باگ ڈور چند آدمیوں۔ یعنی صرف اپنی پارٹی کے سربراہوں کے ہاتھوں میں تھما دیتی ہیں۔

ہزاروں چھوٹے بڑے زمینداروں کو "پرولتاریہ" انقلاب کی بھٹی میں پگھلا کر اس سے چند بڑے زمیندار بناتی ہیں اور وہ سماج کے تمام سیاسی اور معاشی امور کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی من مانی کرتے ہیں۔

یہ لوگ معاشرہ پر اتنی کڑی سنسر شپ برقرار کرتے ہیں کہ عوام کو ان سربراہوں کی خواہشات اور افکار کے برخلاف سوچنے کا بھی حق نہیں رہتا۔

یہ لوگ ان اصولوں کو جو اس انسان کے ذہن کی پیداوار ہیں اور جو ہمیشہ ارتقا کی راہ میں بدلتے رہتے ہیں۔ جاودانی اور دائمی اصول کی حیثیت دے دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تاریخ کو ایک صدی پہلے ٹھہرانا اور دنیا کو

آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے روک دینا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں کے اصول کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ایک سربراہ اپنے رقیبوں سے آہستہ آہستہ اقتدار چھین کر اس قدر مطلق العنان ہو جاتا ہے کہ انسان کو افسانوی ڈکٹیٹروں کی یاد آجاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا پھر سے چنگیز اور ہلاکو کا دور پلٹ آیا ہے، اسٹالن کی مثال آپ کے سامنے ہے جس نے اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے ۱۲ لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اس کے باوجود اس کی پیشانی پر بل تک نہیں پڑا ۔!

لیکن اسٹالن کے مرنے کے بعد اس کے جنازے تک کو چین نصیب ہوا اور ایک قبر سے دوسری قبر میں گھسیٹا گیا، ہر جگہ سے اس کے نام و نشان کو اس طرح مٹا دینے کی کوشش کی گئی، گویا اس نام کا آدمی دنیا میں تھا ہی نہیں حالانکہ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ اسے غریب اور جفاکش عوام کی آزادی کا تنہا محافظ، استحصال کی چکی میں پسے ہوئے انسانوں کا اکیلا یار و مددگار مانا جاتا تھا!!

یہ لوگ اپنے مفادات کی خاطر ہم مسلکوں اور دوستوں کا گلا کاٹنے کو بھی تیار رہتے ہیں، اقتدار حاصل کرنے اور تخت حکومت پر بیٹھنے کے لیے اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ خوں ریز جنگ، اور خون کے پیاسے دشمنوں سے صلح و دوستی کے معاہدے کر کے اپنے جاودانی اصول کو بھول جاتے ہیں!

کیا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ دنیا میں عدل و انصاف کا جھنڈا بلند کر سکیں؟ کیا یہ اس لائق ہیں کہ دنیا کی تمام اقوام کو حق و عدل کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کر سکیں؟

کیا ایک مادہ پرست مکتب فکر سے ظلم و ستم، خیانت و منافقت کے علاوہ کوئی اور اُمید رکھی جا سکتی ہے؟

ہرگز نہیں! خواہ یہ مادّہ پرستی، سرمایہ داری کا لبادہ اوڑھے ہو، یا مادّی سوشلزم اور مادّی مارکس ازم کے بھیس میں ہو!

اس طرح کے ہمہ گیر منصوبہ کو پوری دنیا میں عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت صرف ایک ایسے ہی مکتب میں مل سکتی ہے جو مادیت سے مافوق ہو۔

ایسا مکتب، جس کا سربراہ اپنے مفادات اور اپنی شخصیت کی فکر میں نہ ہو۔

صرف اپنی ہی قوم کے لیے کام نہ کرتا ہو۔

دنیا کو صرف مادّیت کی عینک سے نہ دیکھتا ہو۔

اعلیٰ اور آسمانی افکار کا مالک ہو۔

اور ہر طرح کی لغزشوں اور گناہوں سے پاک ہو۔

صرف وہی شخصیّت ایسے اصول کے پرتو میں انسانیت کو تباہی کے دہانے سے نجات دلا کر، امن و امان کی وادی میں پہنچا سکتی ہے، جن کی بنیاد، اُن مادّی بنیادوں کے برخلاف ہوگی جس پر آج کی دنیا کا نظام قائم ہے۔

وہ رہنما کون ہے؟ مسلمانوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ اس رہنما کا نام مہدی ہے۔ جس میں حسب ذیل صفات پائی جاتی ہوں گی۔

❊

مہدی کون ہیں؟

انتظار کے اثرات کی بحث میں آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ، بلا استثنا، تمام اسلامی فرقے ایک ایسے عظیم انقلابی شخص کے ظہور کے منتظر ہیں جو پیغمبرؐ کے خاندان سے ہوگا اور اس کا نام مہدی ہوگا۔ (ایک ایسا رہبر جس کو اس کے وسیع انقلابی منصوبے اور مقاصد کی طرف ہدایت کی گئی ہے، اور اسی وجہ سے

وہ دوسروں کی ہدایت اور قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے۔)

یہ اتفاق نظر اس حد تک ہے کہ مسلمانوں کے سب سے زیادہ افراطی فرقہ۔ یعنی وہابیوں۔ نے بھی اس مسئلہ کو تسلیم کیا ہے، اور نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا ہے بلکہ وہ پوری طاقت کے ساتھ اس کی حمایت اور دفاع کرتے، نیز اس کو اسلام کے مسلم الثبوت اعتقادات میں سے مانتے ہیں۔

بہر حال اس سے پہلے کہ اس مسئلہ کے اثبات کے لیے سنّیوں کے بعض جلیل القدر علمائے کے اقوال پیش کروں، ضروری ہے کہ ایک زندہ دستاویز کے طور پر اس بیان کو یہاں پر نقل کر دوں جو مکّہ میں وہابیوں کے بہت بڑے ذہنی مرکز "رابطۃ العالم الاسلامی" کی جانب سے صادر ہوا ہے۔

اس چھوٹے سے کتابچہ میں ضروری دستاویز کچھ اس طرح اکٹھا کر دی گئی ہیں کہ میرے خیال میں کسی شخص میں اتنی جرائت نہیں ہے جو اس کا انکار کر سکے۔ اگر بہت ہی کٹر قسم کے وہابیوں نے بھی انتظار کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا ہے تو اس کا سبب بھی یہی دستاویز ہیں۔ (ہم پہلے اس کے اہم حصّوں کا ترجمہ پیش کریں گے اور پھر اس کی پوری عربی متن نقل کریں گے، تاکہ تاریخ کے دامن میں محفوظ رہے اور جو لوگ تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں)

زندہ دستاویز

تقریباً دو سال قبل کینیا سے ابو محمد نامی ایک شخص نے مہدی منتظر کے بارے میں حجاز کے بہت ہی با اثر مذہبی مرکز، رابطہ العالم الاسلامی سے دریافت کیا۔

اس ادارہ کے جنرل سیکریٹری محمد صالح القزاز نے اس کے جواب میں

اس بات کی تصریح کرتے ہوئے کہ وہابی مذہب کے موسس ابن تیمیہ نے بھی ظہور مہدی کے متعلق احادیث کو تسلیم کیا ہے، ایک مختصر سا کتابچہ جس کو حجاز کے پانچ معاصر جیّد علمائے اس سلسلہ میں تحریر کیا تھا۔ ابو محمد صاحب کے پاس روانہ کر دیا۔

اس کتابچہ میں حضرت مہدی اور آپ کے محل ظہور یعنی مکّہ کا نام ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

... ظہور کے وقت دنیا ظلم و جور سے بھری ہوگی، کفر کا پرچار ہو رہا ہوگا خداوند عالم آپ (حضرت مہدی) کے ذریعہ دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا، جس طرح سے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔

وہ ان بارہ خلفاء راشدین کی آخری کڑی ہوں گے، جن کی خبر کتب صحاح میں پیغمبر اسلام نے دی ہے۔

مہدی کے بارے میں احادیث کو پیغمبر اسلام کے بہت سے صحابیوں نے نقل کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

عثمان بن عفان، علی ابن ابی طالب، طلحۃ بن عبید اللہ، عبدالرحمان بن عوف، عبداللہ بن عباس، عمار یاسر، عبداللہ بن مسعود، ابو سعید خدری، ثوبان، قرۃ بن اساس مزنی، عبداللہ بن حارث، ابو ہریرۃ، حذیفۃ بن یمان، جابر بن عبداللہ، ابو امامہ، جابر بن ماجد، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، عمر بن حصین و ام سلمہ۔

یہ ان سینکڑوں راویوں میں سے بیس راویوں کی فہرست ہے جنھوں نے مہدی سے متعلق روایات کو نقل کیا ہے، نیز ان روایات کو ان کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے نقل کیا ہے۔

خود صحابہ سے بھی بہت سی ایسی باتیں نقل ہوئی ہیں جن میں ظہور مہدی کے بارے میں بحث و گفتگو نظر آتی ہے، ان کو بھی پیغمبر کی احادیث کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جس کے بارے میں اجتہاد کے ذریعہ کچھ کہا جاسکے۔ (اس بنا پر صحابہ نے بھی ان باتوں کو پیغمبر ہی سے سنا ہے)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

مذکورہ بالا جو احادیث پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہیں، نیز صحابہ کرام کی وہ گواہی بھی جو یہاں پر حدیث کا حکم رکھتی ہے، بہت سی مشہور و معروف اسلامی کتابوں اور پیغمبر کی حدیث کے اصل متون میں موجود ہیں، خواہ وہ سنن ہوں یا معاجم و مسانید، جیسے:

سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، ابن ماجہ، ابن عمرو الدانی، مسند احمد ابن یعلی و بزاز، و صحیح حاکم و معاجم طبرانی (کبیر و متوسط) و رویانی و دار قطنی، نیز ابونعیم نے اخبار المہدی میں، خطیب نے تاریخ بغداد میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں بھی ان مسائل کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے محدثین و مؤرخین نے ان موضوعات پر گفتگو کی ہے۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

بعض اسلامی دانشوروں نے اس سلسلہ میں مخصوص کتابیں تحریر فرمائی ہیں، جیسے: ابونعیم نے "اخبار المہدی"، ابن حجر ہیثمی نے القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر" الشوکانی نے "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح" ادریس عراقی مغربی نے "المہدی" ابوالعباس بن عبدالمومن المغربی نے "الوہم المکنون فی الرد علی ابن خلدون" وغیرہم

اس سلسلہ میں سیر حاصل بحث کرنے والی آخری شخصیت، مدینہ اسلامی یونیورسٹی

کے چانسلر کی ہے، انھوں نے اپنی یونیورسٹی کے میگزین کے شماروں میں اس سلسلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے

جدید اور قدیم، جیّد دانشوروں نے بھی اپنی تصانیف میں بہت ہی صراحت کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت مہدی کے بارے میں احادیث تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں (اور انکا انکار کسی طرح ممکن نہیں ہے) جیسے :

السخادی نے اپنی کتاب "فتح المغیث" میں، محمد بن احمد السفادینی نے اپنی کتاب "شرح العقیدہ" میں، ابوالحسن الابری نے اپنی کتاب "مناقب الشافعی" میں، ابن تیمیہ نے اپنے فتووں کی کتاب میں، سیوطی نے "الحاوی" میں ادریس عراقی نے "مہدی" کے متعلق اپنی تصنیف میں، شوکانی نے اپنی کتاب "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر ..." میں، محمد جعفر کتانی نے اپنی کتاب "نظم المتناثر" میں ابوالعباس بن عبدالمومن نے اپنی کتاب "الوھم المکنون ...." میں۔

اس رسالہ کے آخر میں بحث کے خاتمہ پر لکھا گیا ہے کہ :

(صرف) ابنِ خلدون نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ مہدی کے متعلق احادیث کو ایک جعلی اور بے بنیاد روایت کے ذریعہ شک و تردید کا نشانہ بنائیں اس جعلی روایت میں کہا گیا ہے :

" لاَ مھدی الاّ عیسیٰ" عیسیٰ کے سوا کوئی اور مہدی نہیں ہے۔ لیکن علماء اسلام، دانشوروں، اور بزرگ پیشواؤں نے اس بات کو ردّ کر دیا ہے خصوصاً "ابن عبدالمومن" نے ابنِ خلدون کی باتوں کی رد میں ایک مخصوص کتاب تصنیف فرمائی ہے، جو تیس سال پہلے مشرق و مغرب میں شائع ہو چکی ہے۔

علم حدیث کے ماہروں، اور احادیث کے حافظوں نے اس بات کی تصریح

کردی ہے کہ مہدی کے متعلق روایات "صحیح" اور "حسن" احادیث پر مشتمل ہیں جو مجموعی طور پر متواتر ہو جائیں گی۔

اس گفتگو سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ:

ظہور مہدی پر اعتقاد رکھنا (ہر مسلمان پر) واجب ہے، اور یہ اہلسنت والجماعت کے عقائد کا جز ہے، نادان، جاہل اور بدعتیوں کے علاوہ کوئی شخص اس سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا"۔

میرے خیال میں مذکور بالا بحث اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے بارے میں کسی قسم کی مزید وضاحت اور تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ ان مطالب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کیا۔ وہ حضرات ایک بڑی اور واضح غلطی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ظہور مہدی کا عقیدہ اسلام میں چور دروازے سے داخل کیا گیا ہے۔

خط کا عربی متن:

ہم یہاں اس خط کا عربی متن قارئین کرام کے حضور نذر کر رہے ہیں جس کو کینیڈا سے ایک صاحب نے مہدی منتظر کے سلسلہ میں، مکہ میں سرکاری اسلامی مرکز، رابطہ العالم الاسلامی" کے نام بھیجا ہے۔ اسی کے ساتھ ہم اس جواب کا متن بھی نقل کریں گے جس کو رابطہ کے جنرل سیکریٹری نے حجاز کے جید علماء کی نگرانی میں تہیہ کرکے، ان صاحب کو بھیجا ہے۔

لیکن اس سے پہلے نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا بھی ضروری ہے کہ اس خط کے مندرجات اور ہم شیعیانِ اہلبیت کے عقائد کے درمیان" اہم فرق" یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت مہدی کے والد ماجد کا نام "عبداللہ" لکھا ہے۔ حالانکہ

شیعہ کتابوں میں آپ کے والد بزرگوار کا نام امام حسن عسکریؑ ذکر ہوا ہے۔ اور اس اختلاف کا سرچشمہ اہل سنت کی بعض وہ روایات ہیں جن میں یہ جملہ نظر آتا ہے "اسم ابیہ اسم ابی" (ان کے والد کا نام میرے والد کا نام ہے) حالانکہ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ دراصل یہ جملہ یوں تھا" اسم ابیہ اسم ابنی" (ان کے والد کا نام میرے بیٹے کا نام ہے) اور نقطہ لگاتے وقت چوک ہونے کی وجہ سے" اسم ابی" ہو گیا۔ (کنجی شافعی نے بھی اپنی کتاب" البیان فی اخبار صاحب الزمان" میں اس احتمال کی تائید کی ہے) بہر حال وہ جملہ قابلِ اعتماد نہیں ہے کیونکہ :

اوّلاً : اہل سنت کی اکثر روایات میں یہ جملہ نہیں پایا جاتا۔

ثانیاً : ابن ابی لیلی کی معروف روایت میں مندرج ہے کہ" اسمہ اسمی، و اسم ابیہ اسم ابنی" ان کا نام میرا نام ہے، اور ان کے باپ کا نام میرے بیٹے کا نام ہے۔

ثالثاً : اہلبیت علیہم السلام سے ایسی متواتر روایات نقل ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کا نام" حسنؑ" ہے

رابعاً : اہلسنت کی بعض روایتوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ آپ امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں۔

(اس سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے کتاب" منتخب الاثر صفحہ ۲۳۱—۲۳۶ باب ۱۱۔ اور کتاب نور الابصار کا مطالعہ فرمائیے)

٭

الکرم ابو محمد۔ المحترم (کینیا)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اشارۃ الی خطابکم

(المورخ فی ٢١ مایو ١٩٧٦م) المتضمن عن موعد ظهور المهدی وفی ای مکان یقیم ؟

نفیدکم باننا نوفر لکم مع خطابنا الیکم ما جاء من الفتوی فی مسألة المهدی المنتظر وقد قام بکتابته فضیلة الشیخ محمد المنتصر الکتانی واقرته اللجنة المکونه من اصحاب الفضیلة الشیخ صالح بن عثیین وفضیلة الشیخ احمد محمد جمال وفضیلة الشیخ احمد علی وفضیلة الشیخ عبد الله خیاط

مدیر ادارہ مجمع فقہی اسلامی : محمّد منتصر کتانی

وقد دعم الفتوی بما ورد من احادیث المهدی عن الرسول صلی الله علیه وآله وسلم وما ذکره ابن تیمیه فی المنهاج بصحه الاعتقاد وابن القیم فی المنار وان شاء الله تعالیٰ ستجدون فی الکتابة مطلبلم وما یغنیکم عن مسألة المهدی انتم ومن کان علی نهجکم آملین لکم التوفیق والسداد.

الامین العام محمد صالح القزاز

بعد التحیة

جوابا عما یسال عنه المسلم الکینی فی شأن المهدی المنتظر عن موعد ظهوره عن المکان الذی یظهر منه وعن ما یطمئنه عن المهدی (ع)

هو محمد بن عبد الله الحسنی العلوی الفاطمی المهدی الموعود المنتظر موعد خروجه فی آخر الزمان وهو من علامات الساعة

الکبری یخرج من الغرب ویبایع له فی الحجاز فی مکة ارکن والمقام بین باب الکعبة المشرفة والحجر الاسود عند الملتزم ، ویظهر عند فساد الزمان وانتشار الکفر وظلم الناس یملأ الارض عدلا وقسطا کما ملئت جورًا وظلما یحکم العالم کله وتخضع له الرقاب بالا قناع تارة والحرب اخری وسیملک الارض سبع سنین وینزل عیسی علیه السلام من بعده فیقتل الدجال او ینزل معه فیساعده علی قتله بباب "اللد" بارض فلسطین -

هو آخر الخلفاء الراشدین الاثنی عشر الذین اخبر عنهم النبی صلوات الله وسلامه علیه فی الصحاح ، واحادیث المهدی واردة عن الکثیر من الصحابه یرفعونها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ومنهم عثمان بن عفان ؛ وعلی بن ابی طالب ، وطلحة بن عبید الله وعبد الرحمٰن بن عوف ، وعبد الله بن عباس ، وعمار بن یاسر ، وعبد الله بن مسعود ، وابوسعید الخدری ، وثوبان ، وقرة بن ایاس المزنی ، وعبد الله بن الحارث بن جز ، وابوهریرہ ، وحذیفة بن الیمانی ، جابر بن عبد الله وابوامامه ، وجابر بن ماجد الصدفی ، وعبد الله بن عمر ، وانس بن مالک ، وعمران بن حصین ، وام سلمه

هولاء عشرون منهم ، ممن وقفت علیهم ، وغیرهم ، کثیر وهناک آثار عن الصحابه ، مصرحة بالمهدی من اقوالهم کثیره جدًا لها حکم الرفع ، از لا مجال للاجتهاد فیها -

⁂

احادیث هؤلاء الصحابه التی رفعوها الی النبی صلی الله علیه وسلم والتی قالوا ها من افواههم اعتماد علی ما قاله رسول الله صلوات الله وسلامه علیه واها الکثیر من دوا دین الاسلام، وامهات الحدیث النبوی، من السنن والمعاجم، والمسانید منها:

سنن ابی داؤد، والترمذی، وابن ماجه، وابن عمر الدانی ومسانید احمد، وابن یعلی، والبزار، وصحیح الحاکم، ومعاجم الطبرانی الکبیر والالوسیی والرویانی والدارقطنی فی الافراد، وابونعیم فی اخبار المهدی، والخطیب فی تاریخ بغداد، وابن عساکر فی تاریخ دمشق وغیرها۔

⁂

وقد خصّ المهدی بالتالیف ابونعیم فی " اخبار المهدی" وابن حجر الهیثمی فی القول المختصر فی علامات المهدی المنتظر" والشوکانی فی" التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح" وادریس العراقی المغربی فی تالیفه" المهدی" والبوالعباس بن عبدالمومن المغربی فی کتابه " الوهم المکنون فی الرد علی ابن خلدون"

وآخر من قرات له عن المهدی، بحثاً مستفیضا، مدیر الجامعه الاسلامیة، فی المدینة المنوره فی مجلة الجامعة، اکثر من عدد

⁂

وقد نص علی ان احادیث المهدی: انها متواتره، وجمع من الاعلام قدیما وحدیثا منهم لسخاوی فی" فتح المغیث" ومحمّد بن احمد السفاوینی فی شرح العقیدة والبوالحسین الابری فی "مناقب لشافعی

وابن تيميه فى فتاواه والسيوطى فى الحاوى ؛ وادريس العراقى المغربى فى تاليف له عن المهدى، والشوكانى فى " التوضيح فى تواتر ما جاء المنتظر، والدجال، والمسيح " ومحمد بن جعفر الكتانى فى " نظم المتناثر فى الحديث المتواتر، ابوالعباس بن عبدالمؤمن المغربى فى " الوهم المكنون من كلام ابن خلدون " رحمهم الله وحاول ابن خلدون فى مقدمته ان يطعن فى احاديث المهدى، محتجا بحديث موضوع لا اصل له عند ابن ماجه لامهدى الاعيسى، ولكن رد عليه الائمه والعلماء، وخصه بالرد شيخنا ابن عبدالمؤمن، بكتاب مطبوع متناول فى المشرق والمغرب منذ اكثر من ثلاثين سنة ۔

ونص الحفاظ والمحدثون على ان احاديث المهدى فيها الصحيح والحسن ومجموعها متواتر مقطوع بتواتره وصحته

وان الاعتقاد بخروج المهدى، واجب وانه من عقائد اهل السنّة والجماعة وينكره الاجاهل بالسنّة، ومتبدع فى العقيده

والله يهدى الى الحق ويهدى السبيل

مدير ادارة المجمع الفقهى الاسلامى

محمّد المنتصر الكتانى

اس مقام پر ضروری ہے کہ اہلسنّت کے جیّد علماء کے کچھ اور اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں۔

۱ مشہور دانشور شیخ منصور علی ناصف، کتاب "التاج الجامع الاصول"[1] کے مصنف اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

اشتہر بین العلماء سلف وخلف انہ فی آخر الزمان لابد من ظہور رجل من اہل البیت یسمی "المھدی" یستولی علی الممالک الاسلامیۃ ویتبعہ المسلمون ویعدل بینہم یؤید الدین"

اس کے بعد لکھتے ہیں: وقد روی احادیث المھدی جماعۃ من خیار الصحابہ واخرجہا اکابر المحدثین کابی داؤد، والترمذی وابن ماجہ الطبرانی وابی یعلی، والبزاز، والامام احمد، والحاکم، رضی اللہ عنہم اجمعین ولقد اخطأ من ضعف احادیث المھدی کلہا کابن خلدون وغیرہ۔ (التاج ۵۔ صفحہ ۳۱۰)

یعنی " موجودہ اور گذشتہ تمام دانشوروں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ آخر کار اہل بیت پیغمبرؐ میں سے ایک مرد ظہور کرے گا، جو تمام اسلامی ممالک پر مسلط ہو جائے گا، اور تمام مسلمان اس کی پیروی کریں گے، وہ لوگوں میں عدل و انصاف کو برقرار کرے گا اور دین کو مستحکم کر دے گا ... مہدی کے متعلق احادیث کو بہت سے جلیل القدر صحابہ اور محدثین نے نقل کیا ہے ... اور جس شخص نے

---

[1] یہ کتاب جو کہ حال ہی میں تالیف کی گئی ہے، اس پر مصر والازہر کے جیّد دانشوروں نے اہم تقریظیں لکھی ہیں۔ اس کے مقدمہ کے مطابق یہ کتاب اہل سنّت کی سب سے اہم حدیث کی کتاب "اصول پنجگانہ" حدیث کے ایک قابلِ اطمینان مجموعہ کو اکٹھا کرنے کیلئے تالیف کی گئی ہے۔

بھی ابنِ خلدون کی طرح ان روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔"

۲۔ خود "ابنِ خلدون" جو کہ مہدی کے متعلق احادیث کی مخالفت کے سلسلہ میں مشہور ہے، وہ بھی تمام اسلامی دانشوروں کے درمیان ان احادیث کے مشہور ہونے کا انکار نہیں کر سکا ہے، وہ کہتا ہے:

ہر زمانہ میں تمام مسلمانوں کے درمیان یہ بات مشہور تھی اور ہے کہ آخری زمانہ میں اہلبیت میں سے ایک شخص ظہور کرے گا جو دینِ اسلام کی تائید اور عدل و انصاف کا پرچار کرے گا، نیز تمام مسلمان اس کی پیروی کریں گے۔[1]

۳۔ محمد شبلنجی مشہور مصری دانشور اپنی کتاب نور الابصار میں تحریر فرماتے ہیں:

تواترت الاخبار عن النبیؐ علی ان المہدی من اہل بیتہ وانہ یملأ الارض عدلاً:

اس سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ سے متواتر روایات نقل ہوئی ہیں کہ مہدی آنحضرتؐ کے خاندان سے ہیں اور وہ پوری زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔[2]

۴۔ شیخ محمد صبانؒ اپنی کتاب "اسعاف الراغبین" میں فرماتے ہیں:

پیغمبر اکرمؐ سے جو متواتر روایات نقل ہوئی ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ (آخر کار) مہدی قیام کریں گے، وہ پیغمبر اسلامؐ کے

---

[1] ابن خلدون، طبع بیروت ص۳۱۱ (کتاب اضواء علی السنۃ المحمدیہ میں محمود ابوریہ کے نقل کے مطابق)

[2] نور الابصار۔ ص۱۵۷ [3] رسالہ صبان نور الابصار طبع مصر ص۱۲۸ کے حاشیہ پر

خاندان سے ہیں اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

۵۔ ابن حجر اپنی کتاب " صواعق المحرقہ " میں ابوالحسن امری سے نقل کرتے ہیں:
پیغمبر اسلامؐ سے ایسی متواتر روایات کافی تعداد میں نقل ہوئی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ آخر کار مہدی ظہور کریں گے، وہ اہل بیت پیغمبرؐ میں سے ہیں اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے"[1]

۶۔ کتاب " التاج " کے مصنف اہل سنت کے مشہور عالم " شوکانی " کی اس کتاب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد جو مہدیؑ کے ظہور، دجال کے خروج اور مسیح کی واپسی کے متعلق احادیث کے بارے میں ہے۔ اور جس میں انہوں نے مہدی کے متعلق احادیث کے متواتر ہونے کے بارے میں ایک تفصیلی بحث کی ہے، کہتے ہیں :
ھٰذا یکفی لمن کان عندہ ذرۃ من الایمان وقلیل من الانصاف!
جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ اس شخص کے لیے کافی ہے جس کے پاس ذرّہ برابر ایمان اور تھوڑا سا بھی انصاف ہو![2]

❊

اس عظیم بین الاقوامی انقلابی کے قیام کے سلسلہ میں اہل سنّت حضرات کے توسط سے جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کے تفصیلی مطالعہ کے خواہشمند حضرات کتاب " المھدی " اور کتاب " منتخب الاثر فی احوال الامام الثانی عشر " کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ صواعق ص۹۹ ۲۔ التاج ۔ ج ۵ ۔ ص۳۲۷

مہدی کے متعلق احادیث کے مخالفوں کی منطق

گذشتہ بحث میں عرض کر چکا ہوں کہ بہت ہی تھوڑے سے سنیوں نے حضرت مہدی عج کے متعلق احادیث کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے، ان میں سے ایک مشہور مؤرخ ابن خلدون ہے اور دوسرے مصر کے معاصر دانشور احمد امین ہیں۔ اگرچہ مسلمان دانشوروں کی ایک بہت بڑی اکثریت نے ان کے نظریات کو رد کر دیا ہے۔ اس کے باوجود بہرحال اس سلسلہ میں ان لوگوں کے نظریات کو بھی سننا ضروری ہے! ان لوگوں کے تمام اعتراضات کو درج ذیل ۵ نکات میں سمویا جا سکتا ہے۔

ا۔ حضرت مہدی کے متعلق احادیث کی اسناد معتبر نہیں ہیں۔

۲۔ یہ روایتیں عقل کے خلاف ہیں۔

۳۔ اِن روایات کا وجود، اسلامی معاشرہ میں سستی اور کاہلی کا سبب بن جائے گا۔

۴۔ مہدویت کے جھوٹے دعویداروں نے اِن روایات سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے

۵۔ یہ احادیث شیعوں کے حق میں ہیں اور ان کے عقاید کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گی!

٭

مخالفوں کی منطق کی کمزوری :

اِن اعتراضات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت مہدیؑ کے متعلق احادیث کی مخالفت کا ایک ظاہری چہرہ ہے، اور وہ (ان کے خیال میں) اِن روایات کی سند کا ضعیف ہونا ہے جو اس سلسلہ میں نقل ہوئی ہیں، یا ان کی دلالت کی کمزوری ہے: اس کے علاوہ اس کا ایک حقیقی اور اصلی چہرہ بھی ہے جو اس ظاہری چہرے کے پیچھے چھپا ہوا ہے، اور جس کا سبب ایک خاص قسم کا مذہبی تعصّب اور کچھ بلا وجہ کی مصلحت اندیشیاں ہیں، بہرکیف مخالفین کی منطق ہر میدان میں کاملاً پھسپھسی ہے کیونکہ :

پہلی بات تو یہ ہے کہ :

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، حضرت مہدی کے متعلق احادیث کو شیعوں کے علاوہ بہت سے مشہور اور جیّد سنّی محدّثین نے بھی اپنی معتبر ترین کتابوں میں نقل کیا ہے، اور سنّی علماء کی ایک بہت بڑی تعداد نے اِن احادیث کے

متواتر ہونے کا بھی اعتراف کیا ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں ہر ایک روایت کی سند کے سلسلہ میں چھان بین کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، کیونکہ ان کی شہرت اور تواتر میں ان کی اسناد کے بارے میں تحقیق کرنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

گویا اس لحاظ سے یہ احادیث ان تمام معیاروں پر پوری اترتی ہیں جو احادیث کو پرکھنے کے لیے معین ہیں اور ان تمام معیاروں کے اعتبار سے یہ احادیث کاملاً قطعی ہیں۔

اس کے علاوہ ان احادیث کے درمیان صحیح اور معتبر احادیث بھی ہیں، اور خود سنی محدثوں نے بھی ان کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ خود "ابن خلدون" بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے، کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں کئی صفحے حضرت مہدی کے متعلق احادیث کے ذکر سے بھر دیئے ہیں، اور جتنا اس سے ممکن تھا، ان روایات کی اسناد کے بارے میں شک و تردید کے اظہار کے سلسلہ میں اس نے مقدور بھر کوششوں میں کمی نہیں کی ہے اس کے بعد اس نے لکھا ہے کہ:

"فهذه جملة الاحاديث التي اخرجها الائمة في شأن المهدي و خروجه آخر الزمان وهي كما رايت لم يخلص منها من النقد الا القليل والاقل منه"

یہ تمام وہ حدیثیں ہیں جس کو حدیث کے پیشواؤں نے مہدی، اور آخری زمانہ میں ان کے ظہور کے بارے میں نقل کیا ہے۔ اور جیسا کہ آپ لوگوں نے ملاحظہ کیا چند روایتوں کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی روایت تنقید سے محفوظ نہیں رہ سکی ہے!

اسطرح انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کم از کم چند روایتیں ایسی ہیں جو صحیح ہیں اور ان پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی جا سکتی۔

اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ یہ احادیث فقط اتنی ہی نہیں ہیں۔

جتنی اس نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں، اسی لیے بعض سنی دانشوروں نے ابنِ خلدون کو جواب دینے احادیث مہدی کے تواتر کو ثابت کرنے نیز اس بات کی وضاحت کے لیے کہ اس سلسلہ کی احادیث کی تعداد فقط ان ہی احادیث میں منحصر نہیں ہے جنہیں ابنِ خلدون نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، تفصیلی کتابیں لکھی ہیں جن کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

اس لیے بعض اسناد کو ضعیف قرار دے کر ان احادیث کا انکار کرنا بالکل بے بنیاد سی بات ہے۔

دوسرے یہ کہ :

اِن احادیث میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو عقل کے خلاف ہو، جس کی بنا پر ہم اِن احادیث کے منکر ہو جائیں، بعض روایات کے مضامین میں چاہے جس قدر خلافِ عقل و خلافِ معمول نظر آتے ہوں، لیکن انبیائے ماسلف کے معجزوں سے زیادہ خلافِ معمول نہیں ہیں اس لیے کسی بات کا بظاہر بعید یا خلافِ معمول ہونا، اِن احادیث کو قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اس کے علاوہ حضرت مہدی کے متعلق احادیث ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا رابطہ نہیں رکھتی ہیں کہ یا تو سب کو تسلیم کیا جائے یا سب کا انکار کر دیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان احادیث کے درمیان جو چیز قدرِ مسلّم ہے وہ پیغمبرؐ کے خاندان، اور فاطمہ زہراؑ کی نسل سے ایک شخص کا ظہور، ایک عالمی اصلاحی انقلاب کا آنا، زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینا یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جن پر عقل کو اعتراض ہو، بلکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ باتیں عقلی دلیلوں کے مطابق ہیں، اور اگر علائمِ ظہور وغیرہ کے بارے میں بعض احادیث کے مفاہیم بعید معلوم ہوتے ہیں، اور وہ سند کے اعتبار سے بھی

قابلِ اعتماد نہ ہوں تو آپ ان روایات کو قبول نہ کریں، لیکن ان چند روایات کو قبول نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بقیہ صحیح روایات کو بھی رد کر دیا جائے خلاصہ یہ کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بعض لوگوں نے احادیث کو ایک دوسرے سے تفکیک اور جدا کرنے کے اسلوب کو اس مقام پر کیونکر نظر انداز کر دیا جس کے سبب وہ اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔

یہ احادیث کہتی ہیں کہ مادّی تمدن، انسانی معاشرہ کی اصلاح سے عاجز ہے ویٹ نام کی ۲۵ سالہ جنگ ایک عجیب کسوٹی تھی تمام مفکر حضرات اپنے نظریات کو اس کسوٹی پر پرکھ رہے ہیں، لیکن میں ایک مذہبی عالم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ یہ مادّی مکاتبِ فکر کی ناتوانی اور عاجزی کی دلیل ہے، یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ایمان کے بغیر تمام مادّی وسائل، بحران کو اور بھی بڑھانے کا سبب ہیں، جیسا کہ ہم دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

تیسرے یہ کہ:

اگر یہ احادیث شیعوں کے لیے مفید ثابت ہوتی ہیں تو یہ شیعوں کا گناہ ہے یا احادیث کا گناہ ہے؟ کیا حرج ہے کہ ایک حقیقت اس کے ذریعہ اور بھی زیادہ ظاہر ہو جائے؟ اس کے علاوہ اگرچہ یہ احادیث شیعوں کے عقائد کی حقانیت کو ثابت کرتی ہیں، اس کے باوجود ان احادیث کو قبول کرنا اور مذہب شیعہ کو مان لینا آپس میں لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ان احادیث کو قبول کرنے کی صورت میں آپ مذہب شیعہ کو بھی تسلیم کر لیں، بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے حضرت مہدیؑ کے ظہور کو قبول کر لیا ہے، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر وہ شیعہ نہیں ہیں۔ بہر حال غلط تعصبات کی بنا پر حقائق کو پامال نہیں

کرنا چاہیئے۔ اور حقیقتوں کو قبول کرنے کی راہ میں تعصبات کو ہرگز رکاوٹ نہیں
بننا چاہیئے۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ فلاں ڈاکٹر کے ساتھ
میرے کچھ اختلافات ہیں، اس نے مجھے بہت ہی مفید دوا دی ہے۔ لیکن میں
اس کو استعمال نہیں کروں گا، کیونکہ اگر میں اس کو استعمال کر لوں اور صحت یاب ہو
جاؤں تو یہ اس کے لیے نفع بخش ہو گا، لوگ کہیں گے کہ وہ بہت ہی اچھا ڈاکٹر ہے!

چوتھے یہ کہ :
آپ کی بات صحیح ہے کہ اِن احادیث سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے لیکن
میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ دنیا میں کون سی ایسی حقیقت ہے جس سے غلط فائدہ
نہ اُٹھایا گیا ہو ؟!
کیا دنیا میں نبوّت یا الوہیت یا دوسرے روحانی منصبوں کے جھوٹے
دعویداروں کی تعداد کم ہے ؟ کیا دنیا میں جعلی اور جھوٹے ادیان کم پائے جاتے ہیں؟
تو کیا صرف اس جرم کی بنا پر اِن حقائق سے دستبردار ہو جایا جائے کہ
ان سے مجرموں نے ناجائز فائدے اٹھائے ہیں !؟
اور صرف اتنی سی بات پر ہم انبیاء کی نبوت اور خدا پرستی کے منکر ہو جائیں ؟!
کیا دنیا میں مختلف مادّی طاقتوں سے کم ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے ؟
تو کیا ان تمام چیزوں کو صرف اس جرم میں کہ ان سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے،
صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے ؟ یہ کیسی منطق ہے؟
بارہویں صدی میں تقریباً، بارہ آدمیوں نے مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا، اور
لوگوں کو اپنا پیرو بھی بنا لیا، اور یہی ایک ایسی خون ریز جنگ کا سبب بنا جس
کی بنا پر ایک بہت بڑی تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔[1]

---

[1] قاموس مقدس ص ۸۱۸

کیا یہ بہانیں اس بات کا سبب بن سکتی ہیں کہ ہم حضرت عیسٰی علیہ السلام کو صرف اس لیے بالکل نظر انداز کر دیں کہ ان کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے

پانچویں یہ کہ :

جیسا کہ انتظار کی بحث میں بہت ہی تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے کہ ظہور مہدی پر ایمان ان لوگوں کے لیے، جنھوں نے اس عقیدے کی حقیقت کو درک کر لیا ہے، نہ صرف یہ کہ کاہلی و سستی کا سبب نہیں ہے، بلکہ زندگی کے شدید حادثات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمت دلانا نیز مشکلات کے ختم ہو جانے اور کامیابی کی امید فراہم کرتا ہے جس طرح سے خداوند عالم اور اس کی بے کراں قدرت پر ایمان۔ انسان کو مشکلات کے مقابلہ میں انسان کو ایک مطمئن پناہ گاہ فراہم کرتا ہے اسی طرح ظہور مہدی پر اعتقاد بھی یہی اثر رکھتا ہے، اصولی طور پر ظہور مہدی کا انتظار، تحرک اور سماج کی اصلاح کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اب اگر کچھ لوگ اس ظہور کے صحیح معنی کو نہ سمجھتے ہوئے سست اور کاہل ہو جائیں، ذمہ داریوں سے جان چرائیں، تو یہ ان کی سمجھ کا قصور ہے کہ وہ اس عقیدے کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے خداوند عالم اور کائنات میں اس کی بے کراں قدرت پر اعتقاد کے مسئلہ میں بھی بعض جاہل لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ ان بے بنیاد بہانوں کی بنا پر ایک مسلم الثبوت حقیقت سے دست بردار نہیں ہوا جا سکتا۔

☆

مہدیؑ

اور شیعہ کتبِ حدیث !

شیعہ حضرات کے نزدیک "مہدی" نامی ایک عالمی مصلح کے ظہور پر ایمان، دوسرے مذاہب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اگر سنیّوں نے اس کو ایک مسلّم الثبوت فرعی مسئلہ کے طور پر قبول کیا ہے تو شیعہ اس کو اصول دین میں سے جانتے ہیں اور ان کے بارہ اماموں کا سلسلہ آپ ہی پر ختم ہوتا ہے نیز ان کے نزدیک آپ ہی خاتم الاوصیاء ہیں۔

اسلامی مسائل میں تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اس سلسلہ میں جو روایات اہل سنّت کے ذرائع سے نقل ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد تخمیناً ۲۰۰ ہے، حالانکہ اسی موضوع سے متعلق جو روایتیں شیعہ ذرائع نے نقل کی ہیں۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

اس لیے اس عظیم عالمی مصلح کے بارے میں گفتگو کرنے والی روایتیں اگر سنیوں

کے نزدیک متواتر مانی جاتی ہیں تو شیعہ اس کو " ضروریات مذہب" میں شمار کرتے ہیں
اسی وجہ سے علماء شیعہ نے اسی موضوع پر سنی دانشوروں سے بھی زیادہ کتابیں لکھی ہیں، اگرچہ اکثر مصنفین کی کوشش صرف یہ رہی ہے کہ روایات کو اکٹھا کر دیا جائے اس لیے انہوں نے چند مسئلوں کے علاوہ بقیہ مسائل کو تجزیہ و تحلیل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، اور شاید ان کے زمانہ میں اس کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ہو گی۔
لیکن انہوں نے ان روایات کو اکٹھا کرنے میں بہت زیادہ محنت سے کام لیا اور زحمت برداشت کی ہے۔

اس موضوع پر اس اسلوب سے جو کتابیں تحریر ہوئی ہیں، ان میں جو کتابیں سب سے جامع اور بہتر ہیں ان کی تعداد تین ہے اور انہیں معاصر علماء نے تالیف کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ " المہدی " از فقیہ بزرگوار سید صدرالدین صدرؒ

۲۔ " البرہان علی وجود صاحب الزمان "
از عالم مجاہد مرحوم سید محسن الامین

۳۔ " منتخب الاثر فی احوال الامام الثانی عشر " تالیف حجۃ الاسلام لطف اللہ صافی صاحب نے یہ کتاب آیۃ اللہ بروجردی مرحوم کی رہنمائی اور تشویق سے لکھی ہے، اور یہ کتاب " نوید امن و امان " کے نام سے فارسی زبان میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

ان کتابوں کے ماخذ اور سرچشمے، قدیم علماء شیعہ اور اہلسنت کی وہ بے شمار کتابیں ہیں، جو اسی موضوع پر تالیف ہوئی ہیں، اس کے علاوہ اس کتاب میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جن میں دوسرے مسائل کے ضمن میں

لہ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ہو چکا ہے۔

اس موضوع پر بھی گفتگو ہوئی ہے۔

چونکہ اس موضوع پر تمام روایات کا بیان ہماری اس کتاب کی حدود سے باہر ہے، لہٰذا ہم کتاب منتخب الاثر کی کچھ فصلوں کو فہرست کے طور پر نقل کر رہے ہیں نیز آئندہ فصلوں میں ہم موقع اور محل کی مناسبت سے اس سلسلہ کی بعض احادیث پر بحث و گفتگو کریں گے۔

۱۔ اس کتاب کی پہلی فصل میں ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو بارہ[۱۲] اماموں کے سلسلہ میں پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومین سے نقل ہوئی ہیں، اس فصل میں سنیوں اور شیعوں کے مشہور مأخذ سے ۲۷۱ احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں سے بعض "امام"، کے عنوان سے ہیں، بعض "خلیفہ" اور بعض "امیر" یا اسی کے مانند دوسری تعبیرات کے عنوان سے ہیں۔

یہ احادیث شیعوں اور سنیوں کے بہت ہی اہم مأخذ میں موجود ہیں۔ شیعوں کے عقیدے کے مطابق اس قسم کی روایات کی تفسیر بہت واضح ہے لیکن اہلسنت حضرات چونکہ ایک طرف اپنے اصلی مأخذ میں اِن احادیث کے وجود سے انکار نہیں کرتے، اور دوسری طرف وہ "بارہ اماموں" کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ کو بھی نہیں مانتے، اس لیے وہ اِن احادیث کے معنی بیان کرتے وقت ایک عجیب پریشانی میں پھنس گئے ہیں چنانچہ وہ بعض اوقات، پہلے چار خلفاؑ کو اصل اور محور قرار دیتے ہیں اور پھر اس میں بعد کے آٹھ خلفاؑ کا اضافہ کر دیتے ہیں! حالانکہ اگر وہ خلفاؑ کو ترتیب کے ساتھ، ان اُمراؑ اور سچے ائمہ میں سے حساب کرنا چاہیں۔ جن کا پیغمبر نے وعدہ کیا ہے تو جس قدر چاہے چشم پوشی اور اغماض سے کام لیں پھر بھی یزید اور اس کے بعد آنے والے بنی اُمیّہ کے دوسرے حکام کو اس زمرہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، اور اگر وہ یہ چاہیں کہ ان حکمرانوں میں جو ذرا کچھ

بہتر تھے، ان کو چن لیا جائے۔ اور اس بات کو بھی مدّنظر رکھا جائے کہ خلفائے بنی اُمیّہ اور خلفائے بنی عباس کے منصوبے ایک ہی جیسے تھے تو اس انتخاب کیلئے کوئی ضابطہ اور معیار ہاتھ نہ آسکے گا، اس کے علاوہ اس طرح یہ بارہ کڑیاں ایک دوسرے سے جدا بھی ہو جاتی ہیں اور ان کے درمیان زمانی اعتبار سے فاصلے بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ خود ایک مشکل مسئلہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ میں ان کی کوئی معین رائے نہیں ہے بلکہ وہ کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ ان بارہ اماموں میں سے چار تو وہی پہلے والے خلفا ہیں اور بعد میں ان میں آٹھ اور ایسے خلفاء کا اضافہ ہوگا جن کی آخری کڑی مہدی ہیں لیکن اس طرح پیغمبر کے سچے خلفاء کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو جائے گا، اور یہ فاصلہ ان روایات کے برخلاف ہے۔

۲۔ اسی کتاب کی دوسری فصل میں اُن روایات کا ذکر کیا گیا ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد اماموں کی تعداد، بنی اسرائیل کے نقیبوں اور اسباط کی تعداد کے مطابق ہے، اور قرآن مجید میں ان کی تعداد کو بارہ بتایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دونوں فرقے کی کتابوں سے یہ حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ یوں درحقیقت یہ فصل گذشتہ بحث کی تکمیل کرتی ہے

۳۔ اس کتاب کی تیسری فصل میں ان روایات کا ذکر کیا گیا ہے جو صراحت کے ساتھ یہ کہتی ہیں کہ ائمہ کی تعداد بارہ ہے جن میں پہلے امام حضرت علیؑ ہیں ان کی تعداد ۱۳۳ ہے۔

۴۔ اس کے بعد والی فصل میں، دونوں فرقے کے ماخذ سے ایسی روایات نقل کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بارہ اماموں میں پہلے امام حضرت علیؑ ہیں اور آخری امام حضرت مہدی ہیں۔ اس فصل کی احادیث کی تعداد ۹۱ ہے

۵۔ اس کے بعد والی فصل میں کچھ ایسی حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں بہت ہی صراحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ امام ۱۲ ہیں اور ان میں سے ۹ امام حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس فصل میں احادیث کی تعداد ۱۳۹ ہے۔

۶۔ ایک اور فصل میں ایسی روایتوں سے بحث کی گئی ہے جو اس بات کی تصریح کے علاوہ کہ اماموں کی تعداد بارہ ہے اور ۹ امام حسینؑ کی نسل سے ہیں۔ یہ جملہ بھی نظر آتا ہے تاسعھم قائمھم : ان کا نواں (یعنی نسل حسینؑ کے نویں امام) ان کا قائم ہے۔ اس فصل میں ۱۰۷ حدیثیں موجود ہیں۔

۷۔ ایک اور فصل میں ایسی احادیث کو بیان کیا گیا ہے جن میں ہر ایک امام کو اس کے نام سے مشخص کر دیا گیا ہے، ان میں بعض حدیثیں سنیوں کے مآخذ سے بھی نقل ہوئی ہیں، لیکن اکثر احادیث شیعہ مآخذ سے اکٹھا کی گئی ہیں، اس فصل میں موجود احادیث کی تعداد ۵۰ ہے۔

اسی طرح اس کتاب کی دوسری فصلوں میں حضرت مہدی کی جسمانی اور نفسیاتی خصوصیات ظہور کی نشانیوں، آپ کی حکومت اور عالمی انقلاب کی کیفیت نیز انقلاب عظیم سے متعلق دوسرے عظیم موضوعات کے بارے میں بے شمار روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

مجموعی طور پر ان تمام احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عظیم عالمی مصلح مہدی موعود میں حسب ذیل صفات پائی جاتی ہیں:

الف : وہ پیغمبر اسلامؐ کے خاندان اور آپ کی نسل سے ہیں۔
ب : وہ امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں۔
ج : وہ پیغمبر کے بعد بارہویں امام ہیں۔
د : وہ حسن بن علی العسکری کے فرزند ہیں۔

ھ : وہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔
و : عالمی حکومت ان کے قبضہ میں ہوگی۔
ز : وہ سامراج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مستضعفوں کو غلامی سے آزادی اور نجات دلائیں گے نیز جنگوں کا خاتمہ کر کے ان کی جگہ صلح وصفا اور امن و امان برقرار کر دیں گے

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ان روایات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کے لئے ایک علیحدہ کتاب تالیف کرنے کی ضرورت ہے، اور چونکہ اس موضوع پر مختلف کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان میں سے بعض کتابوں کا تذکرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ اس لیے ہم یہاں ان روایات کو بیان نہیں کریں گے بلکہ فقط آئندہ بحثوں کے ضمن میں اپنی گفتگو کی تکمیل یا اس کے استدلال کے لیے ضرورت کے مطابق اور موضوع کی مناسبت سے ان میں سے کچھ کا حوالہ دیں گے

ان مباحث میں سب سے مشکل کام یہ ہے کہ غالباً علمائے نے روایات کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے اور بہت ہی کم لوگوں نے اس بات کی زحمت گوارا فرمائی ہے کہ ان کا تجزیہ و تحلیل بھی کریں۔ اس کتاب میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ زیادہ تر عقلی دلائل کی روشنی میں بحث کی جائے اور نقلی دلائل و روایات کا بھی تجزیہ و تحلیل کیا جائے۔

٭

انقلاب شروع ہونے کی نشانیاں

ظہور کی علامتیں!

اس باب میں ہم چند سوالوں کا جواب تلاش کرنا چاہتے ہیں جو سوال اس باب میں ہمارے پیش نظر ہیں وہ یہ ہیں:

کیا اس عالمی انقلاب کے نزدیک ہونے کی کچھ نشانیاں بھی ہیں؟

کیا اس بات کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے کہ اب اس طرح کے انقلاب کا وقت نزدیک ہے، یا نہیں؟

کیا اس انقلاب کے وقت کو اور قریب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اگر یہ چیز ممکن ہے تو پھر وہ ذرائع کیا ہیں جن سے اس وقت کو نزدیک لایا جا سکتا ہے؟

٭

ان میں سے اکثر سوالوں کا جواب مثبت ہے۔
کیونکہ طبیعت میں کوئی عظیم طوفان کسی مقدمہ کے بغیر شروع نہیں ہوتا۔ اور انسانی معاشرے میں ابھی تک کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا ہے، جس سے پہلے اس انقلاب کی کچھ نشانیاں ظاہر نہ ہو گئی ہوں۔
اسلامی احادیث میں بھی اس عظیم انقلاب کے نزدیک ہونے کے بارے میں کچھ نشانیاں اور علامتیں موجود ہیں جنہیں واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ : ان نشانیوں پر مشتمل ہے جو کم و بیش ہر انقلاب میں اس کی وسعت اور ابعاد کی مناسبت سے پیش گوئی کے قابل ہیں۔
دوسرا حصہ : ایسے جزئیات پر مشتمل ہے جن کو عام اور معمولی معلومات و اطلاعات کے ذریعہ سمجھنا محال ہے کیونکہ وہ زیادہ تر اعجاز آمیز پیش گوئی کی شکل میں ہیں۔
ہم یہاں دونوں حصوں میں سے تین اہم علامتوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ ظلم و ستم کا عام ہو جانا :

پہلی علامت جس کو دیکھ کر اس انقلاب سمیت ہر انقلاب کے نزدیک ہونے کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے، وہ ظلم و ستم و فساد کا عام ہو جانا ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کرنے کے عمل میں اضافہ مختلف قسم کی سماجی بیماریوں کا دن بدن بڑھنا، اور اخلاقی انحطاط ہے کہ یہ خود معاشرے میں خرابیوں کے پھیلنے کا سبب ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ جب دباؤ حد سے زیادہ بڑھ جائے گا تو دھماکہ ہو کر رہے گا، کیونکہ سماجی دھماکے بھی میکانیکی دھماکوں کی طرح حد سے زیادہ دباؤ بڑھ جانے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔

ہر زمانہ کے ضحاکوں کے ذریعہ ظلم وستم کا پھیلاؤ، انقلاب کے درخت کی آبیاری کرتا ہے۔ اور آگ کی بھٹیوں کے پاس کا وہ لوہار کو پروان چڑھاتا ہے، آہستہ آہستہ بحران اپنے اوج پر پہنچ جاتا ہے اور انقلاب کا وقت نزدیک آ جاتا ہے۔

عالمی انقلابِ عظیم اور عظیم مصلح مہدی کے ظہور کے نزدیک ہونے کے سلسلہ میں بھی مسئلہ یہی ہے لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ضروری نہیں ہے کہ منفی پہلو اختیار کرنے والوں کی طرح سے ہم بھی ظلم وستم، فساد و برائیوں کو اور زیادہ پھیلانے کی فکر میں پڑ جائیں، بلکہ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ اس دور میں کافی حد تک فساد موجود ہے، ہم کو چاہیئے کہ خود اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لیے کوشش کریں، اور ایک طاقتور، شجاع، باخبر، ہوشیار اور شائستہ گروہ تیار کریں تاکہ یہ لوگ اس انقلاب کے علمبردار بن سکیں۔

بہر حال یہ موضوع بہت سی اسلامی روایات میں اس عنوان "کما ملئت ظلما و جورا" (... جس طرح کہ دنیا ظلم وستم سے بھری ہوئی ہو) کے ماتحت بیان ہوا ہے۔

بعینہ یہی تعبیر بہت سی ان روایات میں بھی موجود ہے جو شیعہ اور سنّی مآخذ میں نقل ہوئی ہیں۔

مجموعی طور پر ان روایات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس انقلاب کی سب سے زیادہ واضح علامت یہی ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا "ظلم" و "جور" کے درمیان کوئی فرق ہے کہ روایت میں خصوصاً اِن دونوں کا ذکر بہت زیادہ ہوا ہے اور زیادہ تر تکیہ دو عنوانوں پر کیا گیا ہے؟

اس لفظ کی اصل کو دیکھنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق کو دو طرح سے پامال کیا جا سکتا ہے، اور عربی ادب میں ہر ایک کیلئے الگ الگ نام رکھا گیا ہے۔

ایک قسم یہ ہے کہ انسان دوسروں کے حق کو چھین لے، کسی کی گاڑھی کمائی کو غصب کر لے اس کو "ظلم" کہا جاتا ہے

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شخص کے حق کو چھین کر دوسروں کے حوالے کر دیا جائے اپنے اقتدار کو جمانے اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے، اپنے طرفداروں کو اپنی پارٹی والوں کو عوام کی جان، مال اور ناموس پر مسلّط کر دیا جائے اور ناحق امتیازات کے ذریعہ اقتدار حاصل کر لیا جائے اس کو "جور" کہا جاتا ہے "ظلم" کی ضد "قسط" اور جور کی ضد "عدل" ہے۔[1]

بہرحال جب ایک طرف سے دوسروں کے حقوق کی پامالی اور دوسری طرف ناحق امتیازات سے انسانی معاشرہ بھر جائے گا، اس وقت آپ ظہور فرمائیں گے اور ظلم و ستم و فساد کا قلع قمع کر دیں گے۔

⁂

یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ ظلم و ستم و فساد کے عام ہو جانے

---

[1] البتہ یہ اس وقت ہے جب کہ یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال کیے جائیں، لیکن اگر علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو ممکن ہے کہ عدل اور قسط دونوں کے معنی ایک ہی ہوں۔

کے بارے میں اور کلیات سے متعلق ہے جو جست و انقلاب کا سبب ہیں کیونکہ ہر قسم کے انقلاب میں اس طرح کے کلیات کی پیشن گوئی کی جاسکتی ہے لیکن یہاں قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ :

اسلامی روایات میں ان علامات اور مفاسد کی جزئیات کی طرف اس طرح سے انگشت نمائی ہوئی ہے کہ گویا یہ پیش گوئیاں، ۱۳ یا ۱۴ صدی پہلے نہیں کی گئی ہیں، بلکہ اسی صدی یا چند سال قبل کی بات ہے، اور آج جب ہم ان میں سے بہت سی پیش گوئیوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ حدیث کا معجزہ ہے!

امام صادقؑ سے ایک روایت منقول ہے کہ جس میں بہت سے ایسے مفاسد کی طرف اشارہ ہوا ہے جن میں بعض سماجی، بعض سیاسی ہیں، اور بعض اخلاقی ہیں۔

اس حدیث کا مطالعہ انسان کو ایک گہری سوچ میں غرق کر دیتا ہے۔ ہم اس روایت کے عربی متن کا خلاصہ اور پھر اس کا ترجمہ پیش کریں گے!

قال الصادقؑ لبعض اصحابہ :

۱۔ اذا رأیت الجور قد شمل البلاد

۲۔ 〃 〃 القرآن قد خلق واحدث مالیس فیہ و وجہ علی الاھواء

۳۔ 〃 〃 الدین قد انکفی کما ینکفی الاناء

۴۔ 〃 〃 اھل الباطل قد استعلوا علی الحق

۵۔ 〃 〃 الرجال قد اکتفی بالرجال والنساء بالنساء!

۶۔ 〃 〃 المؤمن صامتا!

۷۔ 〃 〃 الصغیر یستحقر بالکبیر

۸۔ اذا رایت الارحام قد تقطعت

۹۔ 〃 〃 الثناء قد کثر

۱۰۔ 〃 〃 الخمور تشرب علانیۃ

۱۱۔ 〃 〃 سبیل الخیر منقطعا وسبیل الشر مسلوکا

۱۲۔ 〃 〃 الحلال یحرم والحرام یحلل

۱۳۔ 〃 〃 الدین بالرأی

۱۴۔ 〃 〃 المومن لا یستطیع ان ینکر الا بقلبہ

۱۵۔ ورأیت العظیم من المال ینفق فی سخط اللہ

۱۶۔ 〃 〃 الولات یرتشون فی الحکم!

۱۷۔ 〃 〃 الرجل یاکل من کسب امرأتہ من الفجور!

۱۸۔ 〃 〃 الولایۃ قبالۃ لمن زاد!

۱۹۔ 〃 〃 القمار قد ظهر

۲۰۔ 〃 〃 الملاهی قد ظهر یمر بها لا یمنع احداً، ولا یجترئ احد علی منعها

۲۱۔ 〃 〃 القرآن قد ثقل علی الناس استماعہ وخف علی الناس استماع الباطل

۲۲۔ 〃 〃 الجار مکرم الجار خوفاً من لسانہ!

۲۳۔ 〃 〃 المساجد قد زخرفت!

۲۴۔ 〃 〃 طلب الحج لغیر اللہ

۲۵۔ 〃 〃 قلوب الناس قد قست!

۲۶۔ 〃 〃 الناس مع من غلب!

۲۷۔ ورائت طالب الحلال یذم و طالب الحرام یمدح !

۲۸۔ 〃 〃 〃 المعازف ظاهرة فی الحرمین

۲۹۔ 〃 〃 〃 الرجل یأمر بالمعروف وینهی عن المنکر، فیقوم الیه من ینصحه، فیقول هٰذا عنك موضوع !

۳۰۔ 〃 〃 〃 المساجد محتشیة ممن لا یخاف الله !

۳۱۔ 〃 〃 〃 الناس همهم فی بطونهم و فروجهم !

۳۲۔ 〃 〃 〃 الدنیا مقبلة الیهم

۳۳۔ 〃 〃 〃 النسآ یبذلن انفسهن لاهل الکفر

۳۴۔ 〃 〃 〃 اعلام الحق قد درست

۳۵۔ 〃 〃 〃 الحرب قد ادیل من العمران !

۳۶۔ 〃 〃 〃 الرجل معیشتة من بخس المکیال والمیزان

۳۷۔ 〃 〃 〃 الرجل عنده المال الکثیر لم یزکه منذ ملکه

۳۸۔ 〃 〃 〃 الرجل یمسی نشوان و یصبح سکران

۳۹۔ 〃 〃 〃 الناس ینظر بعضهم الی بعض و یقتدون باهل الشرور!

۴۰۔ 〃 〃 〃 کل عام یحدث فیه من الشر والبدعة اکثر مما کان!

۴۱۔ 〃 〃 〃 الخلق والمجالس لا یتابعون الا الاغنیاء

۴۲۔ 〃 〃 〃 لیتسافدون کما تتسافد البهائم !

۴۳۔ 〃 〃 〃 الرجل ینفق الکثیر فی غیر طاعة الله و یمنع الیسیر فی طاعة الله

۴۴۔ 〃 〃 〃 الرجل اذا مر به یوم لم یکسب فیه الذنب العظیم کئیبا حزناً !

۴۵۔ ورأیت النسآ قد غلبن علی الملک وغلبن علی کل امر

۴٦۔ 〃 〃 ریاح المنافقین رائمۃ و ریاح اهل الحق لا تحرک

۴۷۔ 〃 〃 القضاۃ یقضون بخلاف ما امر اللہ

۴۸۔ 〃 〃 المنابر یؤمر علیها بالتقویٰ، ولا یعمل القائل بما یأمر!

۴۹۔ 〃 〃 الصلوٰۃ قد استخف با وقاتها

۵۰۔ 〃 〃 الصدقۃ بالشفاعۃ لا یراد بها وجہ اللہ

فکن علی حذر واطلب الی اللہ النجاۃ [1]

ؐ

امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ:

۱۔ جب یہ دیکھو کہ ظلم وستم ہر جگہ پھیل چکا ہے۔

۲۔ 〃 〃 〃 قرآن بوسیدہ ہو چکا ہے اور ھویٰ و ھوس کی بناء پر اس کے مفاہیم میں بدعتیں کی جا چکی ہیں۔

۳۔ 〃 〃 〃 دین خدا (عملی طور پر) خالی خولی ہو چکا ہے اور وہ ایک ایک ایسے برتن کی مانند ہو گیا ہے جسے الٹ دیا گیا ہو۔

۴۔ 〃 〃 〃 اہل باطل اہل حق پر مسلّط ہو گئے ہیں۔

۵۔ 〃 〃 〃 جنسی مسائل میں مرد مردوں پہ اور عورتیں عورتوں پر اکتفا کرتی ہیں۔

٦۔ 〃 〃 〃 (ظاہری) مومنین خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

۷۔ 〃 〃 〃 چھوٹے بڑوں کا احترام نہیں کرتے۔

---

[1] بحار الانوار۔ ج ۵۲ ص ۲۵٦ - ۲٦۰

۸۔ جب یہ دیکھو کہ صلہ رحمی ختم ہو چکی ہے ۔

۹۔ 〃 〃 〃 〃 بے جا مدح و ثنا اور چاپلوسی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

۱۰۔ 〃 〃 〃 〃 شراب کھلے عام پی جاتی ہے ۔

۱۱۔ 〃 〃 〃 〃 خیر کے راستے منقطع ہو گئے ہیں اور لوگوں نے شر کے راستوں کو اپنا لیا ہے ۔

۱۲۔ 〃 〃 〃 〃 حلال حرام ہو گیا، اور حرام حلال سمجھا جانے لگا ہے۔

۱۳۔ 〃 〃 〃 〃 دینی قوانین و احکام لوگوں کی مرضی اور خواہشات کے مطابق بیان ہونے لگے ہیں۔

۱۴۔ 〃 〃 〃 〃 مومنوں سے آزادی اس طرح چھین لی گئی ہے کہ وہ صرف دل ہی میں اظہارِ نفرت کر سکتے ہیں ۔

۱۵۔ 〃 〃 〃 〃 دولت کا بڑا حصہ خدا کے غضب اور نافرمانی (فساد و برائیوں) کیلئے خرچ کیا جا رہا ہے ۔

۱۶۔ 〃 〃 〃 〃 حکومت کے کارندوں میں رشوت خواری عام ہو چکی ہے۔

۱۷۔ 〃 〃 〃 〃 مرد اپنی بیوی کی عصمت فروشی کی کمائی کھانے لگے ہیں۔

۱۸۔ 〃 〃 〃 〃 بڑے عہدے اور اعلےٰ منصوبوں کی بولی لگ رہی ہے کہ جو زیادہ دے وہ منصب پا لے ۔

۱۹۔ 〃 〃 〃 جُوّا (قانون کی پناہ میں) عام ہو چکا ہے ۔

۲۰۔ 〃 〃 〃 〃 گانے بجانے اور فاسد تفریحوں کا رواج اسقدر زیادہ ہو گیا ہے کہ کسی میں اس کو روکنے کی جرأت نہیں رہ گئی ہے ۔

۲۱۔ 〃 〃 〃 〃 کہ قرآن کے حقائق کا سننا لوگوں پر گراں گذرتا ہے ،

لیکن ان کے لیے باطل چیزوں کا سننا آسان ہے۔

۲۲۔ جب یہ دیکھو کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کی بد زبانی کے خوف سے اس کا احترام کرتا ہے۔

۲۳۔ " " " مسجدوں کو زیوروں سے سجادیا گیا ہے۔

۲۴۔ " " " لوگ غیر خدا کے لیے حج کرنے جاتے ہیں۔

۲۵۔ " " " لوگ سنگ دل ہوگئے ہیں۔

۲۶۔ " " " عوام اس شخص کے ساتھی ہیں جو کامیاب اور غالب ہے (چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر)

۲۷۔ " " " حلال روزی کمانے والے کی مذمت اور حرام روزی کمانے والے کی مدح و ثنا کی جاتی ہے۔

۲۸۔ " " " گانے بجانے کے آلات (حتیٰ کہ) مکّہ و مدینہ میں بھی آشکار ہوگئے ہیں۔

۲۹۔ " " " اگر کوئی شخص امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے تو لوگ اس کو نصیحت کرتے ہیں کہ یہ تمھارا کام نہیں ہے!

۳۰۔ " " " مسجدیں خوفِ خدا نہ رکھنے والوں سے بھری ہوئی ہیں۔

۳۱۔ " " " عوام کی ساری فکر اور ہمت اپنے پیٹ اور فرج کے لیے ہے۔

۳۲۔ " " " مادّی اور دنیاوی وسائل کثرت سے پائے جاتے ہیں اور دنیا لوگوں کا استقبال کررہی ہے

۳۳۔ " " " عورتیں اپنے کو کافروں کے حوالے کررہی ہیں۔

۳۴۔ " " " حق پرستی کے جھنڈے پرانے اور فرسودہ ہوگئے ہیں۔

۳۵۔ جب آپ دیکھو کہ جنگوں کے ذریعہ ویرانیاں عمران و آبادی پر پیشقدم ہو رہی ہیں۔

۳۶۔ " " " " بعض لوگوں کی آمدنی صرف کم فروشی کے ذریعہ ہے۔

۳۷۔ " " " " بعض ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہے مگر وہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

۳۸۔ " " " " لوگ شام کے وقت نشہ کے عالم میں ہیں اور صبح کو مست ہیں۔

۳۹۔ " " " " عوام ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی فاسدوں اور شریروں کی پیروی اور اقتدا کرتے ہیں۔

۴۰۔ " " " " ہر سال ایک نیا شر اور ایک نئی بدعت ایجاد ہوتی ہے۔

۴۱۔ " " " " کہ عوام اور محفلیں صرف اور صرف خود خواہ مالداروں کی پیروی کرتی ہیں۔

۴۲۔ " " " " لوگ بھرے مجمع میں سب کے سامنے حیوانوں کی طرح جنسی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔

۴۳۔ " " " " اللہ کی نافرمانی اور معصیت کے لیے بے تحاشا دولت لٹاتے ہیں، لیکن اللہ کی اطاعت کی راہ میں ایک کوڑی بھی خرچ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

۴۴۔ " " " " ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر کسی دن گناہِ کبیرہ انجام نہ دیں تو غمگین ہو جاتے ہیں۔

۴۵۔ " " " " حکومت عورتوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے۔

۴۶۔ " " " " منافقوں کا بول بالا ہے، لیکن مومنوں کے فائدے کیلئے کوئی کام نہیں ہوتا۔

۴۷۔ جب یہ دیکھو کہ قاضی صاحبان حکمِ خدا کے برخلاف فیصلے صادر کرتے ہیں

۴۸۔ 〃 〃 〃 لوگ منبروں پر بیٹھ کر تقویٰ اور پرہیزگاری کی دعوت دیتے ہیں لیکن دعوت دینے والے خود ہی اس پر عمل نہیں کرتے۔

۴۹۔ 〃 〃 〃 لوگ نماز کے وقت کے سلسلہ میں بے اعتنا ہو گئے ہیں۔

۵۰۔ 〃 〃 〃 بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ غریبوں اور محتاجوں تک کی مدد بھی پارٹی بازی اور سفارش کے ذریعہ کی جاتی ہے، نہ کہ اللہ کے لیے۔

...... ایسے زمانہ میں اپنی محافظت کرو، اور خداوندعالم سے اس دردناک حالت سے نجات پانے کے لیے دعا کرو (کہ ظہور نزدیک ہے)

☆

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ یہ ایک ایسی طولانی حدیث کا خلاصہ جس میں عالمی انقلابِ عظیم کی آمد آمد پر واقع ہونے والے مفاسد کو بیان کیا گیا ہے اِن رنگ برنگے مفاسد کو تین حصہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حقوق اور حکومتوں سے متعلق مفاسد، جیسے ظلم و ستم کا عام ہو جانا اہلِ باطل کی کامیابی، بیان اور عمل کی آزادی سے اس حد تک محرومیت کہ مومنین ظلم اور ظالم سے نفرت کا اظہار دل ہی دل میں کر سکتے ہوں، اسی طرح غلط، نقصان دہ، تباہ کن اور بے ہودہ کاموں میں پیسہ کو پانی کی طرح بہانا، رشوت خواری کا عام ہو جانا، اعلیٰ عہدوں اور منصبوں کا نیلام، تعمیری ثقافت و تہذیب سے محروم اور کمزور عوام کا، کامیاب اور غالب طاقت کی چوکھٹ پر سر جھکا دینا (خواہ وہ حق کی طاقت ہو یا باطل کی) تباہ کن اور خوں ریز جنگوں اور اسلحہ کی دوڑ میں دولت کو لٹانا،

اور اِن مسائل کی طرف تعمیری اور آبادیاتی کاموں سے زیادہ توجہ دینا یعنی جنگی اور دفاعی بجٹ آبادیاتی منصوبوں کے بجٹ سے کئی گنا زیادہ ہو جائے۔)

نیز ہر سال ظلم وستم، استحصال و استعمار کے نئے نئے طریقوں کی ایجاد ہونا اور ایسے لوگوں کی کمی جو اِن سماجی بیماریوں اور انحطاط کے مقابلہ میں فرمہ داری کا احساس کریں یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کو نصیحت کریں گے کہ وہ اِن مسائل کی طرف توجہ نہ دیں، ہم سے کیا مطلب کہ دنیا جہنم بنتی جارہی ہے۔

۲۔ اِن مفاسد کا دوسرا حصّہ اخلاقی مسائل سے تعلق رکھتا ہے، جیسے:

خوشامد اور چاپلوسی کا رواج، مردوں کا نہایت رذیل کاموں کو اپنانا (جیسے بیویوں کی عصمت فروشی کی کمائی کھانا) اسی طرح شراب، جوا اور دوسری مُضر اور حرام تفریحوں کا عام ہو جانا، عمل کے بغیر زبانی جمع خرچ، ریاکاری، مکّاری، اور غریبوں اور محتاجوں کی مدد تک کے سلسلہ میں پارٹی بازی کا رواج نیز لوگوں کی شخصیت کو ان کے مال و دولت کے معیار پر تولا جانا وغیرہ۔

۳۔ اِن مفاسد کا تیسرا حصّہ صرف مذہبی مسائل سے تعلق رکھتا ہے جیسے اپنی ھوئی وھوس کو پورا کرنے کے لیے اپنی خواہشات کو قرآن پر ٹھونس کر تفسیر بالرائے کرنا، مذہبی امور میں، مادّی اور ذاتی چیزوں کو مدِّ نظر رکھنا، مسجدوں میں گناہگاروں اور بدکاروں کا اژدحام، مسجد کی زینت اور سجاوٹ کی طرف حد سے زیادہ توجہ، اسے معنویت اور اس کے اصلی مقاصد سے خالی کر دینا نیز نماز کو حقیر سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہ کرنا وغیرہ۔

اگر اچھی طرح سے غور کیجیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان میں سے بہت سی چیزیں آج ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، اور بقیہ مفاسد کے واقع ہونے

کی بھی امید ہے، تو پھر اس انقلابِ عظیم کے رُونما ہونے کے لیے کس چیز کی کمی رہ گئی ہے؟

اس سوال کا جواب وہی ہے جس کو پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ابھی ہماری معلومات میں کمی ہے، ابھی ہم غافل ہیں، یا بالفاظِ دیگر اس قسم کی برائیوں کے مقابلہ میں تعمیری اور انقلابی ردِّ عمل کی کمی ہے۔

بہرحال، صرف اِن علامات کا ظاہر ہوجانا ہی اس انقلابِ عظیم کے واقع ہونے کی شرط نہیں ہے، بلکہ یہ علامتیں غافل ذہنوں کو جھنجھوڑنے کا مقدمہ، سوئی ہوئی روحوں کو بیدار کرنے کے لیے تازیانہ نیز سماجی اور نفسیاتی آمادگیاں فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں۔

کیونکہ ان کے نتیجہ میں خواہ مخواہ دنیا اس بات پر مجبور ہوجائے گی کہ ان بدبختیوں اور برائیوں کے اسباب و علل اور اس کے نتائج کے بارے میں چھان بین اور غور و فکر کرے، اور یہی غور و فکر عوام کی بیداری اور ان کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنے گا، اس تجزیہ و تحلیل کی روشنی میں انہیں اس بات کا یقین ہوجائے گا کہ موجودہ حالت کی بقا ممکن نہیں ہے، بلکہ اب ایک ایسا عوامی عادلانہ نظام برقرار کرنے کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب کی ضرورت ہے

*

اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام مفاسد دنیا کے کونے کونے اور چپہ چپہ میں آشکار ہوجائیں، اور اگر کوئی ماحول ان برائیوں سے پاک ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شرط پوری نہیں ہوئی ہے، نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ معیار یہ ہے کہ دنیا میں عوام غالباً اس طرح ہوجائیں گے اب یہ عوام چاہے مغرب میں ہوں یا مشرق میں اس بات کو دوسرے انداز سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح یہاں بھی "غالب" اور اکثر کی بنیاد پر بات کی گئی ہے

۲۔ دجّال

دھوکے باز اور مکّار شخص !

جب دجّال کا نام آتا ہے تو عوامی ذہنیّت کی عادت کے مطابق معمولاً اذھان ایک ایسے یک چشمی شخص کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو اپنے افسانوی ڈیل ڈول کے ساتھ ایک عجیب و غریب عظیم الجثّہ سواری پر بیٹھا ہو گا، اور حضرت مہدی کے انقلاب عظیم سے قبل اپنے مخصوص منصوبوں کے ساتھ خروج کرے گا۔

لیکن جب ایک طرف سے، کلمہ دجّال[1] اور دوسری طرف سے احادیث

---

[1] دجال مادہ دجل (بر وزن درد) سے ہے، اور اسکے معنی جھوٹ بولنے اور دھوکے بازی کے ہیں۔

سے پتہ چلتا ہے کہ دجال کسی ایک شخص کا نام نہیں ہے، بلکہ چارسو بیس دھوکے باز فریب کار، اور مکّار لوگوں کے لیے ایک استعارہ ہے کہ یہ لوگ عوام کو اپنا ہمنوا اور تابعدار بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں، اور ہر اس تعمیری انقلاب کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کرتے ہیں، جو زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف ابعاد میں تبدیلی لانا چاہتا ہے۔

اس مشہور حدیث میں جو صحیح ترمذی سے نقل کی گئی ہے، یہ ملتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

اِنَّہٗ لَم یَکُن نَبِیٌّ بَعدَ نُوحٍ اِلَّا اَنذَرَ قَومَہُ الدَّجَّالَ وَاِنِّی اُنذِرُکُمُوہُ ![1]

نوح کے بعد ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو دجال کے فتنہ سے ڈرایا اور آگاہ کیا کہ میں بھی تم لوگوں کو اس سے خبردار کرتا ہوں۔

یقیناً انبیائے ماسلف اپنے زمانے کے لوگوں کو اس دجال کے فتنہ سے خبردار نہیں کرتے تھے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا اور ان لوگوں سے ہزاروں سال کا فاصلہ رکھتا ہے۔

خصوصاً یہ کہ حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی نظر آتا ہے!

فوصفہ لنا رسول اللہ لعلہ سید رکہ بعض من رآنی او سمع کلامی"!

پھر پیغمبر نے ہمارے سامنے اس کے اوصاف بیان کئے اور فرمایا شاید بعض وہ لوگ جنھوں نے مجھ کو دیکھا ہے یا میری باتوں کو سنا ہے اس کے زمانہ کو پالیں۔

احتمال قوی یہ ہے کہ یہ حدیث بنی اُمیہ جیسے خطرناک فریب کاروں اور طاغیوں نیز معاویہ جیسے افراد کی طرف اشارہ کرتی ہے جو "خال المومنین" کے بھیس اور "کاتب وحی" کی آڑ میں مکاری، فریب کاری، دھوکے بازی کا بازار گرم

---

[1] صحیح ترمذی۔ باب ماجاء فی الدجال ص ۴۲

کیے رہے اور جنہوں نے اپنی فریب کاریوں سے عوام کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرکے ان کا رُخ جاہلی رسم و رواج کی جانب موڑ دیا، طبقاتی نظام کو پھر سے برقرار کیا، اور مطلق العنان استبدادی حکومت قائم کردی، غلط کار چاپلوسوں اور بیباک مجرموں کو اعلیٰ عہدوں اور منصوبوں پر مسلط کرکے، صالح، لائق اور صاحبِ فضیلت لوگوں کے ہاتھوں سے حکومت اور اقتدار کو چھین لیا۔

اسی کتاب میں ایک دوسری حدیث میں یہ جملے نظر آتے ہیں کہ:

پیغمبرِ اسلامؐ نے دجال کے بارے میں فرمایا:

مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ وَلٰكِنْ سَأَقُولُ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ۔ (صحیح ترمذی)

ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو دجال کے فتنہ سے خبردار کیا اور ڈرایا ہے، لیکن میں اس کے بارے میں ایک ایسا جملہ کہوں گا جو کسی پیغمبر نے اپنی قوم سے نہیں کہا ہے: میں کہتا ہوں کہ وہ کانا ہے"!

بعض حدیثوں میں "نوح" کے زمانہ کا ذکر شاید ماضی بعید کی طرف اشارہ کے لیے ہو، یا یہ کہ نوح سے پہلے دجالوں کے نہ ہونے کا سبب شاید یہ ہو کہ سب سے پہلی شریعت حضرت نوح لائے ہیں، اور آپ سے پہلے کوئی شریعت نہیں تھی، یا اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں عوام پر دھوکے بازی اور مکاری کا اثر نہیں ہوتا تھا۔

بہر حال دجال کو ایک کانے شخص سے توصیف کرنے کا ایک خاص سبب ہے جسے ہم کچھ دیر بعد بیان کریں گے۔ اس وقت قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ احادیث کے مطابق حضرت مہدیؑ کے ظہور سے پہلے **۳۰ دجال** ظاہر ہوں گے[1]!

---

[1] سنن ابی داؤد

حتیٰ کہ انجیل میں بھی دجال کے ظہور کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

رسالہ دوّم یوحنا (باب ۱۔ جملہ ۶، ۷) میں یہ عبارت نظر آتی ہے۔

"تم لوگوں نے سنا ہے دجّال آئے گا، اس وقت بھی بہت سے دجّال ظاہر ہو چکے ہیں"۔

یہ عبارت بھی کئی دجالوں کے وجود کا پتہ بتاتی ہے

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم : لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ نَحْوٌ مِنْ سِتِّیْنَ کَذَّابًا کُلُّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اَنَا نَبِیٌّ!

پیغمبرؐ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ ساٹھ جھوٹے خروج نہ کرلیں، اور یہ سب کے سب نبوّت کا دعویٰ کریں گے[1]

اگرچہ اس روایت میں دجال کا نام نہیں آیا ہے، لیکن اس سے اجمالاً یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری زمانہ میں جھوٹے دعویدار اور فریب کار، ایک یا چند آدمیوں میں منحصر نہ ہوں گے۔

✽

بہرحال اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جب انقلاب کی راہ ہموار ہونے لگتی ہے، تو ہر سماج میں فریب کار لوگ درحقیقت اپنی موجودہ حیثیت کو بچانے اور اپنے غلط مقاصد کے حصول کے لیے عوام کی سماجی اور فکری بدحالی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، بوسیدہ اور فاسد نظاموں کے محافظ ہوتے، مکاری اور فریب کاری کا بازار گرم کر دیتے ہیں، یہ لوگ انقلابی نعرے بھی لگانے لگتے ہیں، لیکن سچے انقلاب اور اصلاح کے راستہ میں ایک بہت

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۰۹

بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔

یہ ایسے دجال ہیں کہ ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو ان خبیثوں سے بچنے کی تاکید کی، اور ان کے فریب دینے والے منصوبوں سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔

لیکن حضرت مہدی کے ظہور اور اس عظیم عالمی اور سچے انقلاب سے پہلے جسقدر عالمی سطح پر فکری، نفسیاتی، اور سماجی لحاظ سے زمین ہموار ہوتی جائے گی، یکے بعد دیگرے آنے والے دجالوں کی کوشش بھی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جائیگی تاکہ انقلاب کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہیں، اور اس کے لیے زمین ہموار نہ ہونے دیں، یہ لوگ عوام کو بہکانے اور ان کے اذھان کو منحرف کرنے کے لیے ہر طرح کی مکاری دھوکے بازی اور فریب کاری سے کام لیں گے۔

البتہ یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک بڑا دجال ان سب کا سرغنہ ہو، لیکن بعض روایات میں اس کے لیے جو علامات بیان ہوئی ہیں، وہ مثالی تعبیرات اور اشارہ و کنایہ سے شباہت رکھتی ہیں، مثلاً علامہ مجلسی مرحوم نے کتاب بحارالانوار میں امیرالمومنین علیؑ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس میں حسب ذیل صفات پائی جاتی ہوں گی:

۱۔ اس کے فقط ایک آنکھ ہوگی، جو اس کی پیشانی کے درمیان صبح کے ستارہ کی طرح چمک رہی ہوگی! لیکن اس کی یہ آنکھ خون آلود ہوگی، ایسا معلوم ہوگا جیسے خون سے بنی ہے!!

۲۔ اس کے پاس ایک سفید تیز رفتار گدھا ہوگا، جس کا ہر قدم ایک میل کا ہے، اور بہت ہی جلدی زمین کو طے کر لے گا!

۳۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا، اور جب وہ اپنے دوستوں کو اپنے اِرد گرد بلائے گا تو اس کی آواز کو پوری دنیا سنے گی،!

۴۔ وہ دریاؤں میں داخل ہو جائے گا، اور سورج اس کے ساتھ ساتھ چلے گا اس کے سامنے دھوئیں کا ایک پہاڑ اور اس کے پیچھے ایک سفید پہاڑ ہوگا۔ لوگوں کو وہ پہاڑ کھانے پینے کی چیز نظر آئے گا۔

۵۔ اس کے ظہور کے وقت لوگ قحط میں مبتلا ہوں گے، اور کھانے پینے کی سخت قلت ہوگی ... [۱]

٭

اس میں شک نہیں ہے کہ ہمیں اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ ان مذہبی مفاہیم کو جو قرآن یا حدیث میں ذکر ہوئے ہیں، مثالی شکل دیں، کیونکہ یہ وہی تفسیر بالرائے ہے، جس کی اسلام میں بہت شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے اور عقل و منطق بھی اس کی مذمت کرتی ہے، اس کے باوجود، اگر عقلی اور نقلی قرائن موجود ہوں تو الفاظ کے ظاہری مفہوم پر جمے رہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جمود کلام کے اصلی اور حقیقی مقصود سے منحرف ہو جانے کا سبب بنے گا۔ اتفاقاً آخری زمانہ کے حوادث کے بارے میں بھی اس طرح کے کنایہ آمیز مفاہیم نئے نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "سورج مغرب سے طلوع کرے گا"۔ [۲]

اور یہ اس سلسلہ کا سب سے پیچیدہ مسئلہ ہے، جو ظاہراً آج کی سائنس اور علم کے برخلاف ہے، کیونکہ مغرب سے آفتاب کے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی گردش کا راستہ بدل جائے، اگر یہ واقعہ ناگہانی طور پر اور اچانک پیش آئے تو دریاؤں کا سارا پانی، اور تمام عمارتیں اور کرۂ ارض پر بسنے والی ساری

۱۔ بحارالانوار۔ ج ۵۲۔ ص ۱۹۴

۲۔ صعصعہ بن صوحان کی حدیث سے اقتباس (بحارالانوار ج ۵۲ ص ۱۹۲)

موجودات ایک طرف لڑھک جائیں گی، ہر چیز درہم و برہم ہو جائے گی، اور دنیا کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا، اور اگر یہ تبدیلی آہستہ آہستہ پیش آئے تو رات اور دن مہینوں سے بھی زیادہ طویل ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا!

لیکن مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں جو دجال کی علامتوں کے بارے میں ہے اس موضوع کے لیے ایک بہت ہی عمدہ تفسیر نظر آئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعبیر کنایہ کے طور پر استعمال کی گئی ہے۔

کیونکہ حدیث کا راوی "نزال بن سبرہ" "صعصعہ بن صوحان" سے پوچھتا ہے کہ، یہ جو امیرالمومنین علیؑ نے اپنی بات کے خاتمہ پہ دجال وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ:

اس کے بعد جو حادثے پیش آئیں گے اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو... تو حضرتؑ کا اس سے کیا مقصد تھا؟

صعصعہ نے اس کے جواب میں کہا:

ان الذی یصلی خلفہ عیسٰی بن مریم ھو الثانی عشر من العترۃ التاسع من ولد الحسین بن علی، وھو الشمس الطالعۃ من مغربھا

جس شخص کے پیچھے حضرت عیسٰی بن مریمؑ نماز پڑھیں گے۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کے خاندان کے بارھویں فرد اور حسینؑ بن علیؑ کی نویں پشت سے ہوں گے اور وہ وہی سورج ہیں جو اپنے غروب ہونے کی جگہ سے طلوع کرے گا"[1]

اس بنا پر کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ دجال جس کی یہ صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ وہ مثالی حیثیت رکھتا ہو۔

---

[1] بحار الانوار۔ ج ۵۲ ص ۱۹۵

ممکن ہے آپ یہ سوال کریں کہ اس کی وضاحت کیا ہو سکتی ہے ؟ تو اس کے جواب میں عرض کیا جائے گا کہ بعید نہیں ہے کہ دجال کو جن صفات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہ مادی دنیا میں ظالم و ستمگر، مادّہ پرست سربراہوں اور فریب کاروں کی طرف اشارہ ہو کیونکہ :

پہلی بات تو یہ ہے کہ :

ان لوگوں کے پاس بھی صرف ایک ہی آنکھ ہے، اور وہ اقتصادیات اور مادّی زندگی کی ہے۔ یہ لوگ صرف ایک پہلو پر نظر رکھتے ہیں، اور وہ ہے اپنی قوم کے مادّی منافع کا پہلو، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ لوگ ہر طرح کی مکاری اور فریب کاری، دھوکے بازی اور سامراجی سیاستوں سے کام نکال لیتے ہیں۔ یہ ایسے دھوکے باز اور فریب کار دجال ہیں جو اپنی روحانی اور انسانی آنکھ کو کھو بیٹھے ہیں۔

لیکن ان کی یہی ایک مادّی آنکھ بہت ہی خیرہ کنندہ اور پُر فروغ ہے۔ صنعت کے میدان میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر چکے ہیں نیز زمین کی چہار دیواری سے نکل کر آسمان کا سینہ چیرتے ہوئے چاند پر قدم جما چکے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ :

ان کے پاس بہت ہی تیز رفتار سواریاں موجود ہیں ؛ مختصر سے وقت میں پوری دنیا کا چکر لگا لیتے ہیں نیز آواز کی سُرعت سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتے ہیں !

تیسرے یہ کہ :

وہ لوگ عملی طور پر الوہیت اور خدائی کے دعویدار ہیں، تمام دنیا کی تقدیر کو اپنی مٹھی میں سمجھتے ہیں، اور اپنی ان تمام ناتوانیوں اور کمزوریوں کے باوجود

چاند کے سینہ پر قدم جما لینے کو پوری فضا کو مسخر کر لینے کی دلیل سمجھتے ہیں، طبیعت کی بعض قوتوں کو مہار کر لینے کی پوری طبیعت کو مسخر کر لینے کی علامت سمجھتے ہیں، حالانکہ زمین کا ایک معمولی سا جھٹکا، ہلکا سا طوفان اور کینسر کا ایک خلیہ ان کے تمام طمطراق اور آن بان کو خاک میں ملانے کے لیے کافی ہے نیز اس قدر عجز و ناتوانی کے باوجود فرعون کی طرح خدائی کے دعویدار ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ:

یہ لوگ مختلف آلات سے لیس، آب دوز کے ذریعہ سمندروں میں ڈوب کر سفر کرتے ہیں۔ ان کی یہ تیز رفتار سواریاں سورج کی رفتار کے ساتھ چلتی ہیں (بلکہ بعض اوقات تو سورج کی رفتار سے بھی آگے نکل جاتی ہیں) ان کے عظیم کارخانوں کے آگے دھوئیں کا پہاڑ اور اس کے بعد کارخانہ میں بنی ہوئی کھانے پینے کی چیزوں کا پہاڑ نظر آتا ہے (کہ عوام اس کو صحیح و سالم غذا سمجھتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی خاص غذائیت نہیں پائی جاتی، اور غالباً صرف پیٹ بھرنے کا ذریعہ ہے)

پانچویں بات یہ ہے کہ:

بعض اسباب کی بنا پر جیسے قحط و خشک سالی یا استحصال و استعمار، مختلف قسم کے ناحق امتیازات اور اسلحہ کی دوڑ میں کمر شکن خرچ، جنگوں کے لمبے چوڑے مخارج، جنگ کی ویرانیوں اور تباہیوں کی وجہ سے کہ یہ سب ایک بعدی مادی زندگی کا نتیجہ ہے، عوام غذا کی کمی کا شکار ہو جائیں گے، کچھ لوگ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے، اور اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، دجال جو کہ ان پریشانیوں اور مصیبتوں کا اصلی سبب ہے، اس صورت حال سے فائدہ اٹھائے گا، بھوکوں اور غریبوں کی امداد کے نام پر لوگوں

کو غلام بنانے اور اپنی سامراجیت کے جال کو اور بھی زیادہ پھیلانے کی کوشش کرے گا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ دجال کی عجیب و غریب سواری کے ہر بال سے مخصوص قسم کے ساز بنیں گے اور اس سے ایک نیا راگ پھوٹے گا کہ ہم اس کو آج کے اتنے سارے گانے بجانے کے آلات، غلط اور نقصان دہ تفریحات کے وسائل پر منطبق کر سکتے ہیں کہ آج یہ آلات ہر گھر ہر جھونپڑے اور ہر محل میں موجود ہیں، جہاں جائیے وہاں یہ چیزیں موجود ہیں، دیہات ہو یا شہر بیاباں ہو یا سمندر کا کنارا۔

بہر حال، اہم بات یہ ہے کہ انقلابی عناصر، یعنی عظیم مصلح حضرت مہدی ؑ کے سچے اور وفادار سپاہی، سادہ لوح عوام کی طرح، دجال صفتوں کے فریب میں نہ آئیں اور ایمان وحق وعدل وانصاف کی بنیاد پر اپنے انقلابی منصوبوں پر عمل کرنے کے لیے کسی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

البتہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے، یہ دجال کی ایک احتمالی تفسیر تھی جس کی مختلف قرائن سے تائید بھی ہوتی ہے، لیکن اس تفسیر کو ماننے یا نہ ماننے سے اصل موضوع کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ یہ بات مسلّم ہے کہ ان صفات کے ساتھ دجال کا مسئلہ، کنایہ کا پہلو رکھتا ہے، نہ یہ کہ دجال ان صفات اور اس عجیب و غریب سواری کے ساتھ واقعاً کوئی انسان ہے!

۞

۳۔ سفیانی کا خروج

"دجال" کے خروج کے مانند "سفیانی" کے ظہور کا مسئلہ بھی بہت سی شیعہ اور سنی احادیث میں عظیم عالمی مصلح کے ظہور کی علامتوں اور یا آخری زمانہ کے حادثات کے عنوان سے ذکر ہوا ہے [1]

اگرچہ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ "سفیانی" ایک معین شخص ہے جو ابوسفیان کی نسل سے ہے، لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیانی کسی ایک شخص کا نام نہیں ہے، بلکہ بعض صفات اور منصوبوں کی طرف

---

[1] کتاب بحارالانوار۔ ج ۵۳ صفحہ ۱۸۲۔ ۱۹۰۔ ۱۹۲۔ ۲۰۶۔ ۲۰۸ و ۲۰۹ اور دوسری کتابوں کا مطالعہ فرمائیے۔

اشارہ ہے اور تاریخ کے دامن میں ایسے بہت سے لوگ ملتے ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی تھیں اور وہ اِن منصوبوں پر عمل کرتے تھے۔

چنانچہ امام علی بن الحسین علیہما السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ:

أَمرُ السُّفیَانِی حَتمٌ مِنَ اللّٰہِ وَلَا یَکُونُ قَائِمٌ اِلّا لسُفیَانِی

سفیانی کے خروج کا مسئلہ اللہ کی طرف سے حتمی اور مُسلّم ہے، اور ہر قیام کرنے والے کے مقابلہ میں ایک سفیانی موجود ہے! [۲]

اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سفیانی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اور یہ کسی شخص کا نام نہیں ہے، اس کی صفتیں اس کے منصوبے اور خصوصیات ہیں، اور اسی سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر مصلح اور ہر انقلابی شخص کے مقابلہ میں ایک یا چند سفیانی کھڑے ہو جایا کریں گے۔

ایک دوسری روایت میں جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ملتا ہے کہ:

أنا وآل أبی سفیان أهل بیتین تعادینا فی اللّٰه : قلنا صدق اللّٰه وقالوا کذب اللّٰه : قاتل ابوسفیان رسول اللّٰهؐ وقاتل معاویة علیّ بن ابی طالب ویزید بن معاویة الحسین بن علیؑ والسُّفیانی یقاتل القائم :

ہم اور آل ابوسفیان ایسے دو خاندان ہیں جو الٰہی منصوبوں کے بارے میں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں، ہم لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ سچا ہے، لیکن ان لوگوں نے اسے جھٹلایا ہے۔ ابوسفیان نے رسولِ خداؐ سے جنگ کی۔ معاویہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کے مقابلہ میں نکل آیا۔ یزید نے حسینؑ بن علیؑ سے جنگ کی اور سفیانی

۲۔ بحار ج ۵۲ ص ۱۸۲

قائم کے ساتھ جنگ کرے گا"۔[1]

گذشتہ گفتگو میں آپ تعمیری انقلابات کے مقابلہ میں دجالوں کے کردار کو سمجھ چکے ہیں، آیئے اب سفیانی کے شیطانی منصوبوں سے آشنا ہوں، کیونکہ سچے "انتظار" کے مفہوم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس عالمی اصلاح کے منصوبہ کے مخالفوں، اور موافقوں کے چہرے اچھی طرح سے پہچان لیے جائیں۔

سفیانیوں کے سرغنہ ابوسفیان ہیں، حسب ذیل صفات پائی جاتی تھیں۔

۱۔ وہ ایک ایسا سرمایہ دار تھا جس نے لوٹ مار اور سود خواری کے ذریعہ سے نیز لوگوں کے حقوق کو غصب کر کے مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا۔

۲۔ وہ ایک ایسا طاقتور تھا جس نے شیطانی ذرائع سے طاقت حاصل کر کے اپنا اثر جما لیا تھا وہ مکّہ اور اس کے آس پاس میں جاہلی پارٹیوں کا سرغنہ مانا جاتا تھا۔ اور اس کی پوری شخصیّت کا نچوڑ یہی دو چیزیں ہیں۔

وہ اسلام کے ظہور سے پہلے اچھی طرح حکومت و ریاست کا مالک تھا لیکن اسلام کے ظہور کے بعد اس کی حکومت کی چولیں ہل گئیں، کیونکہ جن چیزوں پر ابوسفیانوں کی حکومت اور طاقت کا دار و مدار ہے، اسلام انہی چیزوں کا کٹّر دشمن ہے اس لیے ابوسفیان کا اسلام کا سب سے بڑا دشمن بن جانا تعجّب کی بات نہیں ہے۔

۳۔ وہ مکّہ کے طبقاتی معاشرہ کے ظالمانہ نظام کا نمونہ اور مظہر سمجھا جاتا تھا، بتوں اور بت پرستی کی بھرپور حمایت بھی اسی وجہ سے کرتا تھا، کیونکہ بت "آپس میں لڑانے اور حکومت کرنے"، "زنجیروں میں جکڑے ہوئے

---

[1] بحار الانوار ۔ ج ۵۲ ص ۱۹۰

عوام کو بے وقوف بنائے رکھنے" نیز نتیجہ کے طور پر ابوسفیانوں کی حکومت کو مضبوط بنانے کا بہترین ذریعہ تھے۔

اسلام سے اس کی شدید نفرت کی وجہ بھی یہی تھی، کہ جن بنیادوں پر اس کی شخصیت کا دار و مدار تھا، اسلام نے ان بنیادوں ہی کو منہدم کر دیا تھا، اسی لیے اس نے اسلامی انقلاب کا گلا گھونٹنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کی اور ہر قسم کے حربہ کو آزمایا، لیکن آخر کار فتح مکّہ کے موقع پر اس کا آخری قلعہ بھی ڈھا دیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے میدان سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گیا، لیکن اس کے باوجود وہ مخفی طور پر اسلام کے خلاف سازش کرنے اور لوگوں کو بھڑکانے میں مشغول رہا۔

اس نے اپنی ان تمام صفتوں کو ۔ تربیت اور میراث کے ذریعہ ۔ اپنے بیٹے معاویہ اور اس کے بعد اپنے پوتے یزید کے حوالے کر دیا، اور ان دونوں نے بھی اپنے باپ کے منصوبہ پر بھیس بدل بدل کر عمل کیا، اگرچہ آخر کار ان لوگوں کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ابوسفیان صحیح معنوں میں قدامت پرست اور رجعت پسند تھا جو پیغمبر اسلامؐ کی انقلابی تحریک سے خوف زدہ تھا اور اسے اس سے ڈرنا بھی چاہیے تھا کیونکہ اسلام اس پسماندہ اور پوری طور پر فاسد سماج کو بدلنے کا منصوبہ رکھتا تھا۔ اور یہ ایک ایسا منصوبہ تھا جس پر عمل کرنے کی صورت میں ابوسفیان اور اس کے چمچوں جیسے لٹیروں اور غریب عوام کا خون چوسنے والوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

یہیں سے ہم کو اس سوال کا بھی جواب مل جاتا ہے کہ ابوسفیان اور اس کی اولاد اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا کر لوگوں کو دوبارہ زمانۂ جاہلیت کی

رسم و رواج کی طرف پلٹانے کے سلسلہ میں اس قدر کوشاں کیوں تھی ؟ اگرچہ آخرکار اس ہیکار میں وہ خود بھی نابود ہو گئے ، لیکن بہرحال انہوں نے اسلام اور مسلمانوں پر بہت ہی کاری وار لگائے ، اور ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں ۔

اصل مطلب کی طرف پلٹتے ہوئے اس بات پر غور کیجئے کہ گزشتہ احادیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ابوسفیان کا ان خصوصیات کے ساتھ پیغمبر اسلام ص کے مقابلہ میں کھڑے ہو جانا اسلامی انقلاب کی خصوصیات میں سے نہیں تھا ، بلکہ ہر قائم اور مصلح کے مقابلہ میں سرمایہ دار ، لٹیرے طاقتور ظالم ، رجعت پسند ، اور خرافات کے بانی ابوسفیان موجود تھے اور ہیں ، اس قسم کے لوگ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مصلح اور قائم کی انقلابی کوششوں کو بے اثر بنا دیں ، ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور کم از کم ان کے انقلاب کی تاریخ میں کچھ دنوں کا فاصلہ ضرور پیدا کر دیں ۔
بالکل اسی طرح عظیم عالمی مصلح حضرت مہدی کے قیام کے مقابلہ میں بھی ایک یا چند سفیانی کھڑے ہوں گے جو اپنی جہنمی طاقت کے ساتھ اس بات کی کوشش کریں گے کہ حضرت مہدی کے سچے انقلاب کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں ، زمانہ کو پلٹ دیں ، یا کم از کم اس انقلاب کو متوقف کر دیں ، عوام کو بیدار و ہوشیار نہ ہونے دیں ، نیز استحصالیوں کے مفاد میں ظالمانہ طبقاتی نظاموں کو نابودی سے بچائیں ۔

سفیانی اور دجال کے درمیان زیادہ تر فرق اس چیز میں ہے کہ دجال مکاری ، دھوکے بازی ، اور فریب کاری کے ذریعہ اپنے شیطانی منصوبوں

پر عمل کرے گا، لیکن سفیانی اپنی وسیع و عریض تخریبی طاقت کے بل بوتے پر اس کام کو انجام دے گا، جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ وہ کچھ علاقوں اور آبادیوں پر اپنا قبضہ جمالے گا۔[۱]

ممکن ہے کہ آخری زمانہ کا سفیانی جو عظیم عالمی مصلح حضرت مہدی کے مقابلہ میں خروج کرے گا۔ ابوسفیان کی نسل سے ہو، اور اس کا سلسلۂ نسب ابوسفیان تک پہنچتا ہو، جیسا کہ روایات میں ذکر ہوا ہے، لیکن حسب و نسب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس کا منصوبہ، اس کی صفات اور اسکی کوششیں پوری طرح ابوسفیان کے مانند ہوں گی، اور اس کا اسلوب ابوسفیان ہی جیسا ہو گا۔

یہ سفیان بھی، تمام ابوسفیانوں اور تمام سفیانیوں کی طرح آخر کار حضرت مہدی کی عالمی تحریک انقلاب کے مقابلہ میں شکست کھا جائے گا، اور اسکی تمام کوششیں اور منصوبے نقش بر آب ہو جائیں گے۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عوام کو چاہیئے کہ دجالوں اور سفیانیوں کو خود پہچانیں اور دوسروں کو پہچنوائیں، اِن سفیانیوں میں اِن بیان شدہ علامتوں کے علاوہ کچھ اور علامتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن کے نمونے تاریخ اسلام میں بہت آسانی کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ :

یہ لوگ :

صالح اور لائق افراد کو میدان سے ہٹا کر ان کی جگہ پر ناصالح، نالائق، اور رذیل افراد کو معاشرہ پر مسلط کر دیتے ہیں۔

بیت المال کو ۔ جیسا کہ ابوسفیان کے خاندان کی حکومت میں ہوا۔

---

[۱] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۶

اپنے چمچوں اور طرفداروں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔ فریب کاری، مکّاری، دھوکے بازی، اختلاف، انواع واقسام کے ناحق امتیازات کی حمایت کرتے ہیں۔ اِن علامتوں کے ذریعہ ان لوگوں کو آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔

"دجال" مخفی طور پر انقلاب کے مخالفوں کا گروہ تیار کرے گا۔ اور سفیانی کھلم کھلا انقلاب مخالف پارٹی بنائے گا، درحقیقت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ صرف بھیس بدلا ہوا ہے، اور جب تک ان کی صفوں کو درہم برہم نہ کیا جائے، ان کا قلع قمع نہ ہو جائے، انقلاب کی ترقی اور اس کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

☙

حضرت مہدی کے بارے میں شیعوں کے عقیدے کی خصوصیات

اور

اس عقیدے پر اعتراضات

اَب تک اِس کتاب میں "عظیم عالمی مصلح" اور "حضرت مہدی کے انقلابی منصوبوں" کے بارے میں جو تجزیہ و تحلیل کیا گیا ہے، اس کا ایک حصّہ صرف عقلی کلیہ کی صُورت میں تھا، اور دوسرا حصّہ اسلامی کُلیہ کی شکل میں، لیکن شیعوں کے اعتقاد میں جن کا مذہب اور جن کے افکار اہلبیتؑ پیغمبرؐ کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے ہیں، کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں، جن کے بارے میں ہم اس فصل میں تحقیق کریں گے۔

یہ خصوصیّات حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مہدیؑ پیغمبرؐ کے بارہویں جانشین اور امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں، آپ کا نام "محمدؐ" آپ کی کنیت "ابوالقاسم"

اور آپ کا لقب "مہدی" و "صاحب الزمان" و "قائم" ہے۔

۲۔ "حضرت مہدی" اس وقت بھی زندہ ہیں اور چونکہ ۲۵۵ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی ہے، لہٰذا اس وقت آپ کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔

۳۔ حضرت مہدیؑ زندہ ہونے کے باوجود نظروں سے پنہاں ہیں یعنی اگرچہ آپ طبیعی اور عام طریقہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اسی دنیا میں رہتے ہیں لیکن لوگ انہیں نہیں پہچانتے۔

ـ دو ایک کے علاوہ ـ اسلام کے بقیہ فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ پیغمبر ہی کے خاندان سے ہیں مگر آخری زمانہ میں پیدا ہوں گے، اس عقیدہ کی بنا پر وہ لوگ پردہ غیبت میں، آپ کی طولانی عمر کے قائل نہیں ہیں، البتہ کچھ سنی حضرات بھی آپ کو امام حسن عسکریؑ کا فرزند مانتے ہیں۔

بہرحال شیعوں کے اس مخصوص عقیدے پر تین اعتراض کیے جاتے ہیں:

پہلا اعتراض :

مشہور و معروف اعتراض آپ کی "طول عمر" کے بارے میں ہے یہ اعتراض بہت پہلے سے مورد بحث رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کیسے ممکن ہے ایک انسان کی عمر اس قدر زیادہ ہو؟ کیونکہ آج تک ہماری نظر سے کوئی ایسی مثال نہیں گذری ہے کہ کسی انسان کی عمر، سو، ایک سو دس اور ایک سو بیس سال سے زیادہ ہو!! دنیا میں حد اکثر عمر کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس قدر طولانی عمر کو تسلیم کیا جانا ممکن نہیں ہے۔

دُوسرا اعتراض :

یہ اعتراض اس طولانی غیبت کے فلسفہ کے بارے میں ہے جس کا انداز یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کا سربراہ اور امام اتنی مدّت تک پردہ غیبت میں کیوں ہے؟ اس کا کیا راز ہے؟

تیسرا اعتراض :

یہ اعتراض، دوسرے اعتراض سے جُدا ہونے کے باوجود اس سے قریبی رابطہ رکھتا ہے۔ سوال یہ کیا جاتا ہے کہ پردۂ غیبت میں امام کے وجود کا فائدہ کیا ہے؟ جب پیشوا اپنے پیروؤں سے رابطہ نہ رکھتا ہو، اور دنیا اس کو دیکھنے سے محروم ہو، اس کی قیادت سے بہرہ مند نہ ہو سکے تو پھر اس کے لیے کیا کردار تصوّر کیا جا سکتا ہے، دوسرے الفاظ میں اس دوران اس کی زندگی خصوصی اور ذاتی زندگی ہوگی، اس کو سماجی سرگرمیوں اور قیادت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

☆

اس مقام پر ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان تینوں اعتقادات کے بارے میں شیعہ ماخذ کا مطالعہ کیا جائے۔

اس کے بعد یہ دیکھیں کہ ان تینوں اعتراضات کا جواب کس طرح دیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس نکتہ کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ عقلی دلائل ہرگز کسی ایک شخص کو معیّن نہیں کر سکتے، ان دلیلوں کا نتیجہ ہمیشہ کلی اور عمومی ہوتا ہے۔

حضرت مہدیؑ کے بارے میں سنّیوں کی روایات بھی کُلّی ہیں، اُن روایات

سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ پیغمبر اسلامؐ کے خاندان سے ہیں، آپ
لقب مہدی اور نام محمد (پیغمبر اسلامؐ کی مانند) ہے۔ البتہ چند روایات ا
بھی ہیں جو باپ دادا کی تمام کیفیات بیان کرتی ہیں اور شیعہ عقائد کے مطا
ہیں، مثلاً حسب ذیل یہ دو روایتیں :

۱۔ علمائے اہلسنت میں سے "شیخ سلیمان قندوزی" اپنی مشہور کتاب
"ینابیع المودۃ" میں کتاب "فرائد السمطین" سے ابن عباس سے
کرتے ہیں کہ ایک یہودی پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، ا
اس نے آنحضرتؐ سے بہت سے سوالات کیے، جواب سننے کے
اس کا دل نور ایمان سے منور ہو گیا، اور وہ مسلمان ہو گیا، اس کے
میں سے ایک سوال یہ تھا کہ :

ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ پیغمبر خدا نے "یو
ابن نون" کو اپنا وصی (اور جانشین) بنایا، آپ کا وصی کون ہے ؟

پیغمبر اسلامؐ نے اس کے جواب میں فرمایا :

اِنَّ وَصِیِّی عَلِیُّ بْنُ أَبِی طَالِبٍ وَبَعْدَہٗ سِبْطَانِی الْحَسَنُ وَالْحُ
تَتْلُوْہُ لِتِسْعَۃِ أَئِمَّۃٍ مِنْ صُلْبِ الْحُسَیْنِ"

ہمارے وصی علیؑ بن ابی طالبؑ اور ان کے بعد میرے دو نواسے حس
حسینؑ اور حسینؑ کے بعد حسینؑ کی نسل سے نو امام ہوں گے۔

اس یہودی نے پیغمبر اسلامؐ سے درخواست کی کہ اُن نو اماموں کے
بھی بتا دیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا :

اِذَا مَضَی الْحُسَیْنُ فَابْنُہٗ عَلِیٌّ ، فَإِذَا مَضَی عَلِیٌّ فَابْنُہٗ مُحَمَّدٌ،
مَضَی مُحَمَّدٌ فَابْنُہٗ جَعْفَرٌ ، فَإِذَا مَضَی جَعْفَرٌ فَابْنُہٗ مُوسٰی ، فَإِ

مُوسیٰ فَابْنُهُ عَلِیٌّ، فَإِذَا مَضَی عَلِیٌّ فَابْنُهُ مُحَمَّدٌ فَإِذَا مَضَی مُحَمَّدٌ فَابْنُهُ عَلِیٌّ، فَإِذَا مَضَی عَلِیٌّ فَابْنُهُ الْحَسَنُ، فَإِذَا مَضَی الْحَسَنُ فَابْنُهُ الْحُجَّةُ مُحَمَّدٌ الْمَهْدِیّ فَهٰؤُلَاءِ اثْنَا عَشَرَ ... "!

"جب حسینؑ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو ان کے فرزند علی، اور جب علی کا انتقال ہو جائے تو ان کے فرزند محمد۔ اور جب محمد اس دار فانی کو وداع کر دیں تو ان کے فرزند جعفر، اور جب جعفر کی رحلت ہو جائے تو ان کے فرزند موسیٰ اور جب موسیٰ کا دور ختم ہو جائے تو ان کے بیٹے علی اور جب علی وفات پا جائیں تو ان کے بیٹے محمد، اور جب محمد کی آنکھیں بند ہو جائیں تو ان کے بیٹے علی اور جب علی اس دنیا کو چھوڑ دیں تو ان کے فرزند حسن اور جب حسن بھی دعوت اجل کو لبیک کہیں تو الحجۃ محمد المہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) ان کے جانشین بنیں گے۔ یہ (ہمارے اوصیاء اور جانشین) بارہ ہیں۔

پھر اس شخص نے ان لوگوں کی موت و شہادت کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تو پیغمبر اسلامؐ نے کچھ توضیحات کے بعد فرمایا:

وَإِنَّ الثَّانِی عَشَرَ مِنْ وُلْدِی یَغِیبُ حَتّٰی لَا یُرٰی وَیَأْتِی عَلٰی أُمَّتِی بِزَمَنٍ لَا یَبْقٰی مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِسْمُهُ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ فَحِینَئِذٍ یَأْذَنُ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَهُ بِالْخُرُوجِ فَیُظْهِرُ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ بِهِ وَیُجَدِّدُهُ۔

"میرا بارہواں فرزند غائب ہو جائے گا، اور دکھائی نہ دے گا پھر ہماری امّت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام کا فقط نام اور قرآن کی فقط تحریر رہ جائے گی ایسے وقت میں خداوند عالم ان کو قیام اور ظہور کی اجازت دے گا۔

اسلام کو ان کے ذریعہ آشکار اور احیاء کرے گا۔

اس یہودی نے اسلام قبول کرنے کے بعد کچھ اشعار کہے جن کے ضمن میں پیغمبر اسلام کے اوصیاء اور جانشینوں کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ آخری امام کے بارے میں اس نے کہا:

آخرهم يسقي الظماء وهو الامام المنتظر

۱۔ ان کا آخری (حق وعدل کے) پیاسوں کو سیراب کرے گا اور وہی امام منتظر ہے![1]

۲۔ اسی کتاب میں "عامر بن واثلہ" سے جو کہ پیغمبر اسلام کے اصحاب میں سب سے آخر میں مرحوم ہوئے۔ حضرت علی کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ:

يَا عَلِيُّ! أَنْتَ وَصِيِّ حَرْبُكَ حَرْبِي وَسِلْمُكَ سِلْمِي وَ أَنْتَ الْإِمَامُ وَ أَبُو الْأَئِمَّةِ الْإِحْدَى عَشَرَ الَّذِيْنَ هُمُ الْمَعْصُوْمُوْنَ وَ مِنْهُمُ الْمَهْدِيُّ الَّذِي يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً:

اے علی تم میرے وصی ہو، تمھاری جنگ میری جنگ ہے اور تمھاری صلح میری صلح ہے، تم امام اور گیارہ اماموں کے باپ ہو، یہ سارے کے سارے امام معصوم اور طیب و طاہر ہیں، اور ان کے آخری مہدی ہیں جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔[2]

اِس کے علاوہ اہل بیت کے ذرائع سے حضرت مہدی عج کے بارے میں بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت علیؑ

---

[1] ینابیع المودۃ ص ۴۴۰ [2] ینابیع المودۃ ص ۸۵ طبع اسلامبول

کی نسل کی گیارہویں کڑی ہیں، اور امام حسینؑ کی نویں پشت سے ہیں اور امام حسن عسکری کے فرزند ہیں، ان تمام روایتوں کا ذکر بہت طوالت کا طلب گار ہے اور چونکہ اس کتاب کی اساس اختصار پر ہے، اس لیے یہ بحث اس کتاب کی گنجائش سے باہر ہے۔ چنانچہ یہاں ہم صرف ان کی فہرست کی طرف اشارہ کر دیں گے۔

جو حضرات زیادہ معلومات چاہتے ہیں وہ "منتخب الاثر فی احوال الامام الثانی عشر" کا مطالعہ کریں (اس کتاب کی تلخیص فارسی زبان میں "نوید امن و امان" کے نام سے شائع ہو چکی ہے)

اس کتاب میں حضرت مہدی کے والد بزرگوار اور آپ کے اجداد کے بارے میں ایسی روایات نقل ہوئی ہیں جن میں سے زیادہ تر اہلِ بیتؑ سے منقول ہیں، چنانچہ ان میں سے:

۱۔ ۹۱ روایتیں اس سلسلہ میں ہیں کہ اماموں کی تعداد بارہ ہے جن میں پہلے امام حضرت علیؑ اور آخری امام حضرت مہدیؑ ہیں۔

۲۔ ۹۴ روایتیں اس سلسلہ میں ہیں کہ آخری امام حضرت مہدیؑ ہیں۔

۳۔ ۱۰۷ روایتیں اس بارے میں ہیں کہ امام بارہ ہیں، ان میں سے نو امام، امام حسینؑ کی اولاد سے ہیں اور نویں فرزند قائم ہیں۔

۴۔ ۵۰ حدیثیں بارہ اماموں کے اسمائے کے بارے میں ہیں، ان میں بتایا گیا ہے کہ آخری امام حضرت مہدیؑ ہیں۔ اس طرح شیعہ مذہب کے پیرو، مذکورہ بالا دستاویزات اور روایات کے مطابق حضرت مہدیؑ کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ مشخص کرتے ہیں۔

٭

لیکن اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ سنیوں کی حدیثوں کے معتبر مآخذ میں بھی

(بطورکلی) بارہ اماموں کے بارے میں بہت زیادہ روایات موجود ہیں، اور جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اِن روایات کی منطقی تفسیر شیعوں کے عقاید کو قبول کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔

بعض احادیث میں جیسے صحیح بخاری اور صحیح ترمذی کی حدیث میں " إِثْنَیْ عَشَرَ أَمِیْرًا [۱] صحیح مسلم اور صحیح ابوداؤد میں إِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً [۲] اور مسند احمد میں بھی بیسیوں واسطوں سے إِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَةً کی تعبیر موجود ہے۔

کیا مشہور کتابوں کی اتنی ساری احادیث کا انکار کیا جا سکتا ہے ؟

کیا بارہ خلفائ کی تعداد کو معاویہ، یزید اور عبدالملک جیسے خلفاء بنی اُمیہ اور ہارون و مامون و متوکل جیسے خلفائ بنی عباس کو پہلے چار خلفائ کے ساتھ ملا کر پورا کیا جا سکتا ہے ؟

سچ بتائیے کہ یہ بارہ خلفائ جن کے نام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیان کئے ہیں اور ان کی تعریف کی ہے کون لوگ ہیں ؟!

یہ ایسا سوال ہے کہ بارہ امام پر اعتقاد رکھنے والے شیعیان اہل بیتؑ کے علاوہ، بقیہ مذاہب اس کے منطقی جواب کے لیے غور و فکر کریں، کیونکہ کوئی بھی منصف شخص خلفائے بنی اُمیہ اور خلفائے بنی عباس کو جنہوں نے اسلامی حکومت کو اسکے اصل راستہ سے منحرف کیا، ہر طرح کے ظلم و ستم کیے، اسلامی مفاہیم کو تحریف اور مسخ کیا، پیغمبر کا خلیفہ اور تعریف کے قابل نہیں سمجھ سکتا۔

حضرت مہدیؑ کے نام و نشان اور خاندان کے متعلق روایات کے بارے میں اسی مختصر سی بحث پر اکتفا کرتے ہوئے ہم گذشتہ تین اہم اعتراضات کی تحقیق کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری ص ۱۷۵ طبع مصر و صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۴۵ طبع دہلی

۲۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۱ طبع مصر و صحیح ابوداؤد ج ۲ کتاب المہدی ص ۲۰۷ طبع مصر

ا۔ طولِ عمر کا راز

اعتراض :

حضرت مہدی کے بارے میں شیعوں کے عقاید پر بہت پرانے زمانے سے یہ اعتراض ہوتا چلا آرہا ہے کہ :

اگر وہ امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں، ۲۵۵ھ میں اپنی مادرِ گرامی حضرت نرجس کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے ہیں، اور ابھی تک زندہ ہیں تو اس وقت ان کی عمر ایک ہزار سال سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے۔

حالانکہ نہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں اتنی طویل عمر کے افراد نظر آتے ہیں نہ ہی آج کے علم و دانش اس کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ اور نہ ہی تاریخ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے !!!

تحقیق :

ہم ان اعتراض کرنے والوں کے اس خیال کے حامی ہیں کہ عام اور معمولی عمریں سنّو سال سے زیادہ نہیں ہوتی ہے، اور شاذ و نادر ہی افراد ایسے ہیں جن کی عمریں ایک سو بیس سال تک پہنچتی ہیں، ہمارے زمانے میں جن لوگوں کی عمر ڈیڑھ سو سال یا ایک سو ساٹھ سال ہوگئی ہو، ان کو دنیا کے عجائبات اور نوادرات میں شمار کیا جاتا ہے[1]۔

لیکن طول عمر کے مسئلہ پر ایک علمی اور تحقیقی بحث کرتے وقت صرف ان باتوں پر قناعت نہیں کی جاسکتی، بلکہ علمی اور تحقیقی گفتگو کے لیے حسب ذیل امور کے بارے میں چھان بین کرنا ضروری ہے :

۱۔ کیا طبعی عمر کے لیے کوئی حد معیّن ہے ؟ آج کی فزیالوجی اس سلسلہ میں کیا کہتی ہیں۔؟

کیا عمر کو بڑھانے کا کوئی ذریعہ ہے ؟

کیا آج تک استثنائی لوگ جو جسمانی، نفسیاتی، اعضائے بدن، مختلف حواس، اور انسانوں کی تمام عمومی صفات کے لحاظ سے دوسروں سے فرق رکھتے ہوں، نظر آئے ہیں ؟

---

[1] کچھ عرصہ قبل کرمان میں ایک ایسے بوڑھے شخص کو دیکھا جو ماہِ رمضان کے روزے رکھنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے فدیہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا، میں نے اس کی عمر کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا ۲۹ سال ! میں حیرت زدہ ہوگیا جب انھوں نے دیکھا کہ میں تعجب سے ان کو دیکھ رہا ہوں تو بولے کہ میں نے سنّو کو حساب نہیں کیا تھا سنّو کے علاوہ کہہ رہا تھا۔ یعنی ۱۲۹ سال !

کیا تاریخ کے دامن میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کی عمر آج کی موجودہ عمر سے زیادہ رہی ہو۔؟

اور ان تمام باتوں کے علاوہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، وہ کون لوگ ہیں۔ اور مذہبی مسائل کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟

٭

۱۔ کیا طبیعی عُمر کی حَد معیّن ہے؟:

ایک چھوٹی سی بیٹری کی عمر معیّن ہے مثلاً مسلسل ۲۴ گھنٹہ تک استعمال کرنے کے بعد اس کی توانائی ختم ہو جائے گی۔

ایک بلب، ایک ہزار گھنٹہ تک جلنے کے بعد فیوز ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایک کار کو بیس برس تک استعمال کیا جا سکے، اسی طرح انسان کی بنائی ہوئی ہر چیز کی عمر معیّن ہے، اور وہ ایک حد اوسط رکھتی، البتہ اگر اس کی دیکھ بھال اچھی طرح کی جائے تو اس کی عمر کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کی دیکھ بھال میں لاپرواہی برتی جائے تو اس کی عمر کم ہو جائے گی۔

دنیائے طبیعت میں بھی ہر قسم کی عمریں موجود ہیں، ایٹم کے دل میں کچھ اس قسم کے ذرّات پائے جاتے ہیں جن کی عمر سیکنڈ کا ہزارواں حصّہ ہے۔ اور کبھی کبھی تو ان کی عمر صرف سیکنڈ کا سو ملینواں حصّہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کرۂ ارض کی عمر کا اندازہ پانچ ہزار ملین سال لگایا جاتا ہے

آیئے اب دیکھیں کہ کیا طبیعت کے دامن میں پرورش پانے والے موجودات کی عمر بھی صنعتی مصنوعات کی عمر کے مانند ہے؟ مثلاً ایک انسان

کی عمر حد اوسط ۸۰ سال، کبوتر کی ۵ سال، کیڑے کی چند مہینے، چنار کے درخت کی ۱۵۰ سال، پھول کے پودے اور بیل کی عمر ۶ مہینہ ہے۔؟

ماضی میں بعض دانشوروں کا خیال تھا کہ زندہ موجودات میں طبعی عمر کا ایک نظام موجود ہے۔ مثلاً:

پاولوف کے خیال میں انسان کی طبعی عمر ۱۰۰ سو سال

میچینکوف " " " ڈیڑھ ۱۵۰ سو سال

جرمن ڈاکٹر کوفلاند " " " دو ۲۰۰ سو سال

مشہور فزیولوجسٹ **فلوگر** معتقد تھا کہ انسان کی طبعی عمر ۶۰۰ سال ہے۔ اور — آخر کار انگریز فلسفی دانشور **بیکن** نے اس عدد کو بڑھا کر ایک ہزار سال تک پہنچا دیا۔

لیکن اس دور کے ماہرین علم الاعضائے نے ان عقائد کے محلوں کو مسمار کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی طبعی عمر کی حد معین کرنا غلط ہے۔

کلمبیا یونیورسٹی کے اُستاد، پروفیسر **اسمیس** کہتے ہیں:

جس طرح سے آخر کار صوتی دیوار ٹوٹ گئی، اور آواز کی سرعت سے بھی زیادہ تیز رفتار سواریاں اور حمل و نقل کے ذرائع ایجاد ہو گئے ہیں، اسی طرح ایک دن انسان کی عمر کی سرحدیں بھی ٹوٹ جائیں گی، اور ہم نے اب تک جتنی عمر کا مشاہدہ کیا ہے۔ وہ اس سے بھی آگے بڑھ جائے گی۔

⁂

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے، جو زندہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ وہ، بعض دانشوروں کے وہ تجربے ہیں، جو انھوں نے مختلف حیوانوں اور نباتات پر اپنی لیبارٹریوں میں انجام دیئے ہیں، وہ لوگ لیبارٹری کی ایک مخصوص فضا

اور کیفیتوں میں بعض اوقات ایک زندہ موجود کی عمر کو بارہ گنا بڑھانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔

مثلاً جس پودے کی عمر معمولاً دو ہفتہ سے زیادہ نہیں ہے، اس پر جو تجربے کیے گئے، ان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس کی عمر کو چھ ماہ تک بڑھایا جا سکتا ہے۔

بالغرض اگر لامتناہی اضافہ انسانوں کی عمر میں بھی کیا جا سکے تو ایسے انسانوں کا وجود ناگزیر ہو جائے گا جن کی عمر ایک ہزار سال سے بھی زیادہ ہوگی۔

دُوسری آزمائیش، پھلوں پر بیٹھنے والی ایک قسم کی مکھّی پر کی گئی جس کی عمر بہت ہی کم ہوتی ہے۔ سائنسدان اس کی عمر کو نو سَو گنا بڑھانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

انسانوں کی عمر میں بھی اگر اس قسم کا عجیب اور خارق العادت اضافہ کر دیا جائے تو ایک انسان ستّر ہزار سال تک زندہ رہ سکے گا۔

البتہ عام طور سے لوگوں کو اتنی طولانی اور طاقت فرسا زندگی کی آرزو نہیں ہے بلکہ اگر کسی کو اِتنی طویل زندگی مفت دی جائے تو وہ اسے لینے کو تیار نہیں ہوگا کیونکہ اَب تو معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ شاعر کہتا ہے:

من از دو روزہ عمر آمدم بجاں، اے خضر!

چہ میکنی تو کہ یک عمر جاوداں داری؟

(اے خضر! مَیں تو دو روز کی زندگی سے جاں بلب ہو گیا ہوں۔

آپ کیا کریں گے کہ آپ کی زندگی تو ہمیشہ رہنے والی ہے۔)

بالغرض اگر ہم اتنی طولانی عمر کو قبول کرنے کے لیے تیار بھی ہو جائیں تو زمین اتنے بہت سے طویل العمر انسانوں کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی!

لیکن ہمارا مقصد، صرف طول عمر کے مسئلہ کے بارے میں علمی اور تحقیقی مطالعہ کرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس دور میں، علم الحیات کے بہت سے ماہرین انسان کی عمر کو بڑھانے کے مسئلہ پر انتہائی محنت کے ساتھ تحقیق کر رہے ہیں۔ اگر یہ چیز ممکن نہ ہوتی اور عمر کی ایک حد معین ہوتی تو یہ ساری تحقیق اور محنت عبث اور بے ہودہ معلوم ہوتی۔

غذائی امور کے ماہرین معتقد ہیں کہ طول عمر، تغذیہ کے طریقہ اور اقلیمی شرائط سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے، وہ لوگ شہد کی مکھی کی ملکہ پر جو دوسری شہد کی مکھیوں سے کئی گناہ زیادہ عمر رکھتی ہے، تحقیقی مطالعہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس کی طول عمر کا راز یہ ہے کہ وہ اس مخصوص غذا کو استعمال کرتی ہے جس کو مزدور شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے لیے فراہم کرتی ہیں۔ یہ غذا معمولی شہد سے بہت زیادہ فرق رکھتی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اس فکر میں پڑ گئے ہیں کہ شاید اس غذا کو بہت زیادہ مقدار میں فراہم کر کے انسان کی عمر کو کئی گنا بڑھایا جا سکتا ہے۔

ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کی طویل عمر، کافی حد تک' اس کے طرز فکر اور عقاید سے وابستگی رکھتی ہے، تعمیری، مطمئن، آرام دہ اور پُر سکون افکار و عقاید کے ذریعہ انسان کی عمر میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

بعض ڈاکٹروں کا عقیدہ ہے کہ بڑھاپا ایک طرح کی بیماری ہے جو انسان کے بدن کی شریانوں یا، متابولیسم میں اختلال پیدا ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اگر ہم غذا کے صحیح استعمال اور مؤثر دواؤں کے ذریعہ ان اسباب و علل پر غالب ہو جائیں تو ہم بڑھاپے کو شکست دے کر ایک طولانی عمر کے مالک

ہوجائیں گے۔

یہ تمام چیزیں اِس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ طبعی عمر کی حد معیّن ہونے کا مسئلہ ایک باطل اور جھوٹا افسانہ ہے کیونکہ زندہ موجودات کی عمر معیّن کرنا ممکن نہیں ہے۔

خاص طور سے جب سے انسان کے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور خلائی سفر کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ طول عمر کے مسئلہ پر اور بھی زیادہ توجہ کے ساتھ تحقیق شروع کردی گئی ہے۔ کیونکہ یہ بات مُسلّم ہوچکی ہے کہ ہماری مختصر عمریں افلاک کے فاصلوں کو طے کرنے کے لیے مفید نہیں ہیں، کیونکہ بعض اوقات اِس بے کراں کائنات میں صرف ایک چھوٹا سا قدم اٹھانے کیلئے

موجود خلائی سفینوں کے ذریعہ کئی ہزار سال عمر بلکہ اور زیادہ دُور دراز راستوں کو طے کرنے کے لیے لاکھوں سال عمر کی ضرورت ہے لہٰذا بعض دانشور عمر کو دوسرے طریقوں سے بڑھانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں، اور وہ اس کام کے لیے انجمادی نظام کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔
شاید اس موضوع کا انکشاف انسان پر پہلی مرتبہ ان زندہ موجودات کے مشاہدے سے ہوا جو طبعی انجماد کی حالت میں اپنی حیات کو باقی رکھے ہوئے تھے، مثلاً کچھ عرصہ قبل قطبی برف کے تودوں کے درمیان ایک منجمد مچھلی ہاتھ آئی۔ اس پر جمی ہوئی برف کی پرتوں کی حالت یہ بتا رہی تھی کہ اس مچھلی کی عمر پانچ ہزار سال ہے پہلے یہ خیال ہوا کہ یہ مچھلی مرچکی ہے، لیکن جب اس کو معتدل پانی میں ڈالا گیا تو سب نے تعجّب کے ساتھ دیکھا کہ وہ مچھلی تیرنے لگی۔ معلوم ہوا کہ یہ مچھلی اِن پانچ ہزار سالوں میں زندہ رہی ہے، اگرچہ زندگی اور حیات کے بہت

ہی ہلکے شعلہ کے ساتھ ۔

یہیں سے وہ اِس فکر میں پڑ گئے کہ اگر یہی چیز انسان کے لیے بھی انجام دی جا سکے تو کتنا اچھا ہو، مثلاً خلائی سفینہ کے جن مسافروں کو ہم دُور دراز سفر پر بھیجتے ہیں انہیں ان کے کیبن ہی میں منجمد کر دیں اور جب سینکڑوں یا ہزاروں سال کے بعد وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں تو آٹومیٹک نظام کے ذریعہ، ان کا بدن آہستہ آہستہ عادی شکل اختیار کر لے، ایسی صورت میں خلائی سفروں میں طولِ عمر کی مشکل حل ہو جائے گی ۔

بعض ڈاکٹر اِس فکر میں ہیں کہ اِس نظام کو اُن بیماروں کے لیے پیش کریں جن کے مرض کی دوا ابھی تک منکشف نہیں ہوئی ہے ۔ مثلاً کینسر ایسے مریضوں کو انجمادی اسلوب کے ذریعہ ایک گہری نیند یا گہری نیند سے بھی مافوق نیند سُلا دیا جائے، ۔ اور مثلاً دو صدی کے بعد جب حتماً اس مرض کی دوا پیدا ہو چکی ہو گی ۔ اُنہیں دوبارہ عادی حالت میں پلٹا کر ان کا علاج کر دیا جائے ۔

اِن تمام منصوبوں، کوششوں اور تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے علم اور سائنس کے نقطہ نظر سے انسان اور زندہ موجودات کی طولِ عمر کیلئے کوئی حد معین نہیں کی جا سکتی ۔ بلکہ انسان خود ہی اس کی مقدار کو گھٹا بڑھا سکتا ہے

۲۔ استثنائی افراد کا وجود :

اگر ہم گذشتہ بحث سے چشم پوشی کرتے ہوئے یہ مان لیں کہ اپنی فطرت اولیہ کی بنا پر انسان کی عمر معین ہے ۔ پھر بھی آپ اس موضوع کو عمومیت نہیں دے سکتے، کیونکہ معمولاً ، زندہ موجودات میں ایسے استثنائی افراد ضرور پائے جاتے ہیں، جو سائنس کے اصول اور قوانین پر پورے نہیں اُترتے، حتیٰ کہ بعض

اوقات سائنس اس کی تفسیر اور تشریح کرنے سے عاجز نظر آتی ہے۔
چنانچہ انسانوں میں ایسے بہت سے افراد نظر آتے ہیں جو ذہانت و فراست، سوجھ بوجھ اور جسمانی طاقت کے لحاظ سے غیر معمولی اور کاملاً استثنائی ہیں۔
ایک ہی قسم کے درختوں، یا حیوانوں میں جن کی رشد و نمو ظاہراً معین اور اور ان کی عمر محدود ہے، ایسے درخت یا حیوان بھی پائے جاتے ہیں، جو اپنی نوع کے تمام اصول و ضوابط کو توڑ کر خلافِ عادت شکل میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً

۱۔ جن سیاحوں نے اسکاٹ لینڈ کی سیر کی ہے، وہ ایک ایسے عجیب و غریب درخت کا پتہ بتاتے ہیں جس کے تنا کا قطر ۹۰ فٹ اور اس کی عمر کا اندازہ پانچ ہزار سال لگایا گیا ہے۔
۲۔ کیلیفورنیا میں ایک ایسا درخت دیکھا گیا ہے جس کی لمبائی سو میٹر، نیز نچلے حصہ میں اس کا قطر دس میٹر ہے، اور اس کی عمر کا اندازہ چھ ہزار سال لگایا ہے۔
۳۔ جزائر کاناری میں پائے جانے والے خوبصورت اور رنگ برنگے درختوں کے درمیان دم الاخوین قسم کے ایک درخت نے دانشوروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے، اس درخت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ :
(پانچ سو برس پہلے سے) جب سے اس جزیرہ کا انکشاف ہوا ہے۔ اس وقت سے آج تک اس کے رشد و نمو میں کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر بہت طولانی ہے حالانکہ اس عرصہ میں زمانے کے گذرنے کے اثرات اس کے چہرے پر آشکار نہیں ہوئے ہیں، لہٰذا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاید

یہ درخت حضرت آدم کی خلقت سے پہلے بھی موجود تھا!

۴۔ استوائی زمین کے علاقوں میں ایسے درخت پائے جاتے ہیں جن کی عمر جاودانی ہے، یعنی ان کی جڑیں ہمیشہ پھیلتی رہتی اور کونپلیں پھوٹتی رہتی ہیں۔ ان کی عمر کبھی بھی ختم نہیں ہوگی۔

۵۔ سنکھوں کے درمیان ایسے سنکھے بھی نظر آتے ہیں جن کی عمر کئی ہزار سال ہے، اور علم الحیات کے ماہروں نے کچھ ایسی مچھلیوں کا انکشاف کیا ہے جن کی عمر کا تخمینہ تیس لاکھ سال لگایا گیا ہے۔

۶۔ انسانوں میں ایسے افراد بھی نظر آتے ہیں جو اپنے عجیب و غریب کاموں سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، حتیٰ کہ جن لوگوں نے ان کے کارناموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ بھی اس کو ماننے کے لیے مشکل ہی سے تیار ہوتے ہیں، کون ہے جس نے اخباروں میں اس جوان کے متعلق خبر نہ پڑھی ہو جو اپنی آنکھوں کی خارق العادت توانائی کے ذریعہ اپنے ہاتھوں سے اشارہ کئے بغیر، دھات سے بنی ہوئی چیزوں یعنی چمچہ اور کانٹے کو ٹیڑھا کر دیتا تھا۔

اس نے اپنے اس کمال کو نامہ نگاروں کے سامنے، حتیٰ کہ انگلینڈ میں ٹیلی ویژن پر دکھایا کہ جلدی تسلیم نہ کرنے والے انگریزوں نے بھی اس بات کا اعتراف کر لیا کہ یہ کوئی مکر و فریب و دھوکا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انوکھا اور استثنائی کام ہے۔

آپ لوگوں نے اخباروں میں اس ایرانی جوان کا ماجرا پڑھا ہی ہوگا جو بلب اور شیشہ وغیرہ کو ریوڑیوں کی طرح چبا جاتا تھا، حالانکہ عام طور پر اگر کوئی شخص بھولے سے بھی شیشہ کا ایک چھوٹا سا ذرّہ کھا جائے تو آپریشن کی

نوبت آجاتی ہے۔

مَیں نے اخباروں میں ایک ایسے شخص کا واقعہ پڑھا ہے جو اپنی خارق العادت طاقت کے ذریعہ درندوں اور وحشی جانوروں کو رام کر لیتا تھا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اِن حیوانوں کے نزدیک چلا جاتا تھا۔

مشہور و معروف حکیم اور فلسفی ابو علی سینا کے حالات میں ملتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے:

جب مَیں مکتب جایا کرتا تھا، طالب علم جو کچھ اُستاد کو سنایا کرتے تھے۔ مَیں اس کو یاد کر لیا کرتا تھا، دس سال کی عمر میں، مَیں نے اس قدر حاصل کر لیا کہ بخارا میں لوگ مجھ کو دیکھ کر تعجب کیا کرتے تھے، ۱۲ سال کی عمر میں فتویٰ کی مسند پر جلوہ افروز ہو گیا، اور شہر بخارا میں فتویٰ دیا کرتا تھا! ۱۶ سال کی عمر میں، علمِ طبّ میں کتاب قانون تصنیف کی (وہی کتاب جو کئی صدی تک یورپ کے میڈیکل کالجوں کے کورس میں داخل تھی) اُن کے مختلف حواس منجملہ ان کی آنکھ کی روشنی اور قوتِ سماعت وغیرہ کے بارے میں بھی بہت ہی حیرت انگیز واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان تمام باتوں کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے [1]

یہ ایسے لوگ ہیں جن کی خصوصیتوں کی تفسیر و تشریح سائنسدان حضرات کے لیے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی حالت انسانوں کے موجودہ اصول و ضوابط اور معیار کے مطابق نہیں ہے، لیکن ان کی یہ خصوصیت ہمیں اِن واقعات کو ماننے سے نہیں روک سکتی، چنانچہ اِن ہی واقعات کی روشنی میں ہمیں ایک کلی "قانون کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم نباتات، دریائی و صحرائی جانوروں اور

---

[1] کتاب ھدیۃ الاحباب اور دوسری تاریخوں کا مطالعہ کیجیئے۔

انسانوں میں جو کچھ معمولاً مشاہدہ کرتے ہیں، وہ ایک ابدی اور ہمہ گیر قانون نہیں ہے بلکہ اس بات کا پورا پورا امکان ہے کہ ان میں ایسے افراد بھی پائے جائیں جو سن و سال، روحانی اور جسمانی توانائیوں کے لحاظ سے غیر معمولی صفات کے مالک ہوں۔ ان کی یہ استثنائی حالت کسی طرح سے اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ان چیزوں کا تسلیم کرنا سائنس کے خلاف ہے، بلکہ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ سائنس کے اصول وضوابط کی پہنچ صرف عادی اور معمولی افراد کی حد تک ہے، اور استثنائی لوگ ان اصول و قوانین کی حدود سے باہر ہیں۔

۳۔ یہ اعتراض کن لوگوں کی جانب سے ہے؟

اگر حضرت مہدیؑ کی طول عمر کا مسئلہ ان مادہ پرستوں کی جانب سے پیش کیا جائے جو ہر چیز کو طبعی قوانین کے زاویہ سے دیکھتے ہیں تو ان کا جواب وہی ہے جو گذشتہ بحثوں میں عرض کیا جا چکا ہے لیکن اگر یہ اعتراض خدا پرستوں کا ہو یعنی عیسائی، یہودی، یا ہمارے سنّی بھائی اس طرح کا اعتراض کریں۔ تو ان کے جواب میں ان تمام باتوں کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی عرض کرنا پڑیں گی جو یہ ہیں:

۱۔ یہ لوگ خداوند عالم کی بے کراں قدرت اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے بہت سے معجزوں پہ ایمان رکھتے ہیں، دوسرے الفاظ میں یوں عرض کروں کہ یہ لوگ خداوند عالم کو طبعی قوانین کا محکوم نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اس کو ان قوانین پر حاکم مانتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کا علمِ طب کے نقطۂ نظر سے ناقابلِ علاج بیماروں کو شفا دینا، مردوں کو زندہ کر دینا، یا ایک عصا کے ذریعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حیرت انگیز معجزے، ید بیضا، اور اس غیر معمولی واقعہ کے ساتھ دریائے نیل کو پار کر جانا ایسے واقعات ہیں جسے یہ سب مانتے ہیں تو کیا یہ واقعات سائنس اور طبعی اصول و قوانین و معیار کے مطابق ہیں؟

اِس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس قسم کے واقعات کی تفسیر و تشریح کیلئے تمام مذاہب کے پیرکار بیک زبان یہی کہیں گے کہ تمام طبعی قوانین و اسباب کی تاثیر خداوند عالم کے احکام کے تابع ہے۔

اگر وہ کسی دوسری چیز کا ارادہ کرلے تو وہی چیز ہو جائے گی، خداوندِ عالم کا ارادہ طبعی اسباب و علل کے مافوق ہے، اگر شروع ہی سے ایسا ہوتا کہ سارے انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جاتے، مادرزاد اندھے کچھ عرصہ بیتنے کے بعد، بینا ہو جاتے یا انسان کی حد اوسط عمر ایک ہزار سال ہوتی تو کیا کسی شخص کو ان باتوں سے تعجّب ہوتا۔ اور وہ انہیں عقلی قوانین کے برخلاف سمجھتا؟ ... ... ہرگز نہیں!

پس معلوم ہوا کہ اس طرح کے قوانین کی خلاف ورزی، عقلی اور منطقی قوانین کی مخالفت نہیں ہے، بلکہ معمولی اور عادی امور کی مخالفت ہے۔ کہ معمولی افراد کو دیکھتے دیکھتے ہم ان امور سے مانوس ہو گئے ہیں۔

۲۔ اِس دور کے تمام عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو دشمنوں نے پھانسی کے تختہ پر چڑھا کر مار ڈالا اور آپ کو دفن کر دیا، لیکن چند دنوں کے بعد حضرت عیسیٰ قبر سے نکل کر آسمان پر چلے گئے، اور آپ آج بھی زندہ ہیں۔

مسلمان بھی اگرچہ - قرآن کے قول کے مطابق - حضرت عیسیٰؑ

کے قتل ہو جانے کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن آپ کے زندہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ۔ تمام مسلمان دانشور آپ کی حیات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر یہ استثناء عقل کے خلاف نہیں ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ ایک انسان مرنے اور دفن ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے۔ اور اس کی عمر تقریباً دو ہزار سال ہو تو پھر اس سے بھی زیادہ آسان مسئلہ کو کس طرح محال، خلافِ عقل، خلافِ منطق، خلافِ سائنس کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہاں تو صرف گیارہ سو برس کی بات ہے — !

۳۔ حضرت نوحؑ کی طولانی عمر سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں بہت صراحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے کہ آپ نے لوگوں کو ساڑھے نو سو سال تک توحید اور دینِ الٰہی کی طرف دعوت دی ہے۔ (فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاماً[۱])

اسی طرح سے ہم سب حضرت خضر اور آپ کی غیر معمولی طولانی عمر کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔

❖

تعجب تو یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی جگہ پر ان تمام باتوں کو ماننے کے باوجود جب "حضرت مہدیؑ" کی طول عمر کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو حیرت و تعجب سے انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ اور انکار کے طور پر سر ہلانے لگتے ہیں اور ان کے ہونٹوں پر ایک ایسی تمسخر آمیز مسکراہٹ ظاہر ہو جاتی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ کیا کوئی اس طرح کے مخالف عقل و منطق

۱۔ سورہ عنکبوت - آیت ۱۴!

عقائد کو بھی مان سکتا ہے ـــــ !؟

اور یہ ہے ایک بام دو ہوا کا سب سے بہترین نمونہ !

لیکن جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا، خداوند عالم کی بے کراں قدرت اور اعجاز کے مسئلہ پر خدا پرستوں کے ایمان سے قطع نظر، طول عمر کا مسئلہ عقل اور سائنس کے نقطہ نظر سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ میں صرف ایک مشکل باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم صمیم قلب سے اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے کو نامعقول تعصّبات اور غلط رسم و رواج کی قید سے آزاد کرلیں آزادی کے ساتھ بحث کریں۔ صرف دلیل، عقل، اور منطق ہی کی چوکھٹ پر سر جھکائیں اور غلط تعصّبات کے غلام نہ بنیں !

جب ہم اخباروں میں یہ پڑھتے ہیں کہ آسٹریا کے ایک شخص کی عمر کے ۱۴۰ سال بیت چکے تھے لیکن اِس عرصہ میں وہ ایک مرتبہ بھی بیمار نہیں پڑا تھا !

کولمبیا میں ایک شخص ۱۶۷ سال کی عمر میں بھی بھرپور جوان تھا !

یا؛ چین میں ایک شخص کے بال ۲۵۳ سال کی عمر میں بھی سیاہ تھے !

تو ہمیں اِن باتوں سے تعجّب ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ بہرحال یہ باتیں معمول کے خلاف ہیں، لیکن اگر یہ خبر کسی سچّے اور معتبر شخص نے بیان کی ہو یا تمام اخباروں میں ایک یقینی خبر کے عنوان سے شایع ہوئی ہو تو ہم اس کو تسلیم کرلیتے ہیں۔

لیکن جب ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ :

اَلْقَائِمُ هُوَ الَّذِیْ اِذَا اُخْرِجَ کَانَ فِیْ سِنِّ الشُّیُوْخِ وَ مَنْظَرِ الشُّبَّانِ ؛ قَوِیٌّ فِیْ بَدَنِهٖ !!

"جب قائم خروج کریں گے تو آپ بوڑھی عمر میں لیکن جوانوں کی صورت میں، اور جسمانی اعتبار سے طاقتور ہوں گے"۔ تو ہمیں تعجب ہونے لگتا ہے۔!!

شیعہ کہتے ہیں !

آخر کیا بات ہے کہ جو لوگ نوحؑ و عیسیٰؑ کے لیے طولانی عمر کے قائل ہیں اور بوعلی سینا کے حالات میں اس طرح کی عجیب و غریب خصوصیتوں کو لکھتے ہیں، یا ایک جوان شخص کی نگاہوں کے ذریعہ دھات کو ٹیڑھا ہوتے ہوئے، اور یا طویل العمر جانداروں اور درختوں کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں۔ ان کے لیے تو کسی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ظاہر نہیں ہوتی، لیکن جب حضرت مہدیؑ کی طویل عمر کا مسئلہ پیش آتا ہے تو کچھ لوگ ناک بھوں چڑھا کر اعتراضات کی برسات شروع کر دیتے ہیں، اور تعجب کے ساتھ فرماتے ہیں کہ کیا کسی انسان کے لئے اتنی طولانی عمر ممکن ہے — ؟!

مختصر یہ کہ :

طول عمر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پہ ایک منصفانہ اور منطقی عدالت میں کوئی الزام لگایا جا سکے، یا اس کے خلاف فیصلہ سنایا جا سکے۔

❊

۲۔ طولانی غیبت کا فلسفہ

حضرت مہدیؑ کے بارے میں شیعہ عقیدہ پر، آپ کی طولانی عمر کے امکان کو تسلیم کرنے کے بعد دوسرا اعتراض آپ کی طولانی غیبت کے بارے میں ہے، کہا جاتا ہے کہ :

دُنیا میں کافی حد تک ظلم و ستم و فساد موجود ہونے کے باوجود حضرت مہدی ظہور کیوں نہیں کرتے ؟

اپنے انقلاب کے ذریعہ دنیا کو عدل و انصاف کے راستہ پر کیوں نہیں لگاتے ؟

آخر ہم کب تک بیٹھے ہوئے ظلم و ستم، خون ریز جنگوں اور مٹھی بھر خدا سے غافل ظالموں اور تباہ کاروں کے ظلم و ستم کا نظارہ کرتے رہیں ؟

آپ کی غیبت اس قدر طولانی کیوں ہوگئی ہے ؟

اُب آپ کو کس چیز کا انتظار ہے ؟
اور آخر اس طولانی غیبت کا راز کیا ہے ؟

٭

لیکن اس بات کو بھی مدِّنظر رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ معمولاً غیبت کے مسئلہ میں یہ سوال شیعوں سے کیا جاتا ہے ، لیکن ذرا سا غور و فکر کرنے کے بعد آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح آشکار ہو جائے گی کہ اِس مسئلہ میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہیں ، یعنی وہ تمام حضرات جو ایک عالمی عظیم مصلح کے ظہور کے سلسلہ میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایک دن وہ انقلاب برپا کرکے پوری دُنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے ، یہی سوال ایک دوسری شکل میں ان سے بھی کیا جاسکتا ہے ، چاہے وہ شیعوں کے عقائد کو سرے سے نہ مانتے ہوں ۔

ان سے یہ سوال یوں کیا جاسکتا ہے کہ اس عظیم مصلح کی ولادت ابھی تک کیوں نہیں ہوئی ہے ؟ اور اگر پیدائش ہو چکی ہے تو پھر انقلاب کیوں نہیں آتا ، اور پیاسی دُنیا کو اپنے عدل و انصاف کے جام سے سیراب کیوں نہیں کرتا ؟ اس لیے اگر اس سوال کا رُخ فقط شیعوں کی جانب رکھا جائے تو یہ ایک بہت بڑی غلطی ہوگی ۔

دوسرے لفظوں میں : اس میں شک نہیں ہے کہ طول عمر کا مسئلہ (گذشتہ بحث) اور زمانہ غیبت میں امام کے وجود کے فلسفہ (آیندہ بحث) کے بارے میں صرف شیعوں ہی سے سوال کیا جاسکتا ہے ، لیکن آپ کے ظہور میں تاخیر کا فلسفہ ایک ایسا مطلب ہے جس کے بارے میں ان تمام لوگوں کو غور و فکر کرنا چاہیئے جو اس عالمی مصلح کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں ۔

کہ اس انقلاب کے لیے دُنیا کی مکمل آمادگی کے باوجود آپ کا ظہور کیوں نہیں ہو رہا ہے۔

ش

بہر حال اس سوال کا ایک جواب مختصر ہے، اور ایک مفصل۔ مختصر جواب یہ ہے کہ ہمہ گیر اور عالمگیر انقلاب کے لیے صرف ایک لایق اور شایستہ رہبر کا وجود ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ عوام بھی آمادہ ہوں لیکن افسوس ہے کہ دنیا ابھی اس طرح کی حکومت کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ نظر نہیں آتی، دنیا میں آمادگی پیدا ہوتے ہی آپ کا ظہور اور قیام یقینی ہے۔

اور جہاں تک مفصل جواب کا تعلق ہے تو:

اوّلاً: جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اس بات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ حضرت مہدی کے قیام کے منصوبہ پر تمام پیغمبروں کے قیام کے منصوبہ کی طرح صرف طبعی اور عام اسباب و ذرایع کو کام میں لاتے ہوئے عمل ہوگا۔ اور کسی صورت میں بھی یہ کام معجزے کے ذریعے انجام نہیں پائے گا۔ معجزہ استثنائی چیز ہوتا ہے اور چند استثنائی مقامات کے سوا آسمانی پیشواؤں کے اصلاحی منصوبوں میں اس کا عمل دخل نظر نہیں آتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر نبی نے اپنے مقاصد کو ترقی دینے کے لیے ہمیشہ اپنے زمانے کے اسلحہ لایق افراد کی تربیت، ضروری صلاح و مشورت، مؤثر منصوبوں جنگ کی صحیح حکمت عملی اور تدبیروں، اور مختصر یہ کہ ہر طرح کے مادّی اور معنوی ذرایع سے کام لیا ہے، وہ اس انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے کہ ہر روز ایک نیا معجزہ ہو اور دشمن چند قدم پسپا ہو جائے، یا یہ کہ مومنین

ہر روز معجزے کے سہارے ترقی کے میدان میں آگے بڑھیں۔

لہٰذا عالمی سطح پر حق و عدل کی حکومت کے منصوبہ پر بھی عمل کرنے کیلئے کچھ استثنائی مقامات کے علاوہ۔ مادّی اور معنوی وسایل و ذرایع سے کام لیا جلئے گا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مہدی اپنے ساتھ کوئی نیا دین نہیں لائیں گے، بلکہ خداوند عالم کے انہی انقلابی منصوبوں پر عمل کریں گے، جن پر ابھی تک عمل نہیں ہوا ہے، آپ کی ذمّہ داری صرف تعلیم و تربیت، نصیحت و سفارش، لوگوں کو ڈرانا اور پیغام کا پہنچا دینا ہی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا یہ فریضہ ہے کہ ان تمام اصول و قوانین کو نافذ کرائیں جو علم و ایمان کی حکومت کے سایہ میں ہر طرح کے ظلم و ستم اور ناحق امتیازات کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور یہ بات اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ ایسے منصوبہ کا نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ سماج اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

ثانیاً: مذکورہ بالا بنیادی اصول کی روشنی میں ہمارے اس قول کی وضاحت ہو جاتی ہے جس میں ہم ظہور کی تاخیر کا سبب انسانی معاشرہ کی عدم آمادگی کو قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے ظہور اور انقلاب کے لیے کم از کم چند قسم کی آمادگیوں کی ضرورت ہے:

۱۔ نفسیاتی آمادگی (سچّائی تسلیم کرنے کی آمادگی):

ضرورت ہے کہ لوگ اس دنیا کی بے سر و سامانی ظلم و ستم کا مزا خوب اچھی طرح چکھ لیں،

ضرورت ہے کہ دنیا اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لے کہ انسانی ذہن کے بنائے ہوئے قانون دنیا میں عدل و انصاف برقرار رکھنے کی توانائی اور صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ پوری دُنیا یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ صرف مادّی اصول و قوانین اور موجودہ قوتِ نافذہ، اور انسانوں کے خود ساختہ ضوابط کے زیرِ سایہ، دُنیا کی مشکلیں حل نہ ہوسکیں گی، بلکہ دن بدن یہ مشکلیں بڑھتی ہی جائیں گی نیز ان کی گتھی سلجھنے کے بجائے اور بھی اُلجھتی جائے گی۔

ضرورت ہے کہ پوری بشریت کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس دَور کی یہ مشکلیں اور بحران، موجودہ نظاموں کی پیداوار ہیں، اور آخر کار یہ نظام ان مشکلوں کو حل کرنے سے عاجز ہو جائیں گے۔

ضرورت ہے کہ دُنیائے انسانیت یہ سمجھ لے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، کچھ ایسے نئے اصول اور نظام کی ضرورت ہے، جو انسانی اقدار، ایمان، بشری عطوفت اور اخلاق کی بنیاد پر قائم ہوں، کیونکہ بے جان ناقص، خشک اور مادّی اصول سے کام نہیں چل سکتا۔

ضرورت ہے کہ پوری دنیا میں عوام کا سماجی شعور اس حد تک بیدار ہو جائے کہ وہ یہ بات سمجھ سکیں کہ ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حتماً بشریت کو بھی ارتقا حاصل ہو جائے گی، اور انسان کو خوش حالی اور سعادت نصیب ہو جائے گی۔ بلکہ ترقی یافتہ ٹکنالوجی صرف اسی وقت خوشحال اور سعادت کی ضمانت بن سکتی ہے، جب کہ یہ ٹکنالوجی انسان اور معنوی اصول و قوانین کے زیرِ سایہ ہو، ورنہ یہی ترقی یافتہ ٹکنالوجی

انسانیت کی تباہی اور بربادی کا سبب بن جائے گی اور ہم اپنی زندگی میں کئی مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ساری دنیا کے عوام یہ سمجھ لیں کہ اگر یہ صنعتیں بت کی شکل اختیار کر لیں تو موجودہ مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیں گی، جنگوں میں تباہی اور بربادی کے دائرہ کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیں گی، بلکہ ان صنعتوں کو اوزار کے طور پر لائق انسانوں کے اختیار اور کنٹرول میں ہونا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ ضرورت ہے کہ پوری بشریت پیاسی ہو اور جب تک اسکو پیاس نہیں لگے گی یہ پانی کے چشموں کی تلاش میں نہیں نکلے گی۔ دوسرے الفاظ میں: جب تک لوگوں میں مانگ نہ ہو۔ کسی قسم کے اصلاحی منصوبے کو پیش کرنا مفید نہ ہو گا اس لیے ضرورت اس بات کی ہے معاشی مسائل سے زیادہ سماجی مسائل میں رسد اور طلب کے اصول پر توجہ دی جائے۔

لیکن یہاں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ اس پیاس اور طلب کو کیونکر ایجاد کیا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ تو وقت اس کو ایجاد کر دے گا۔ کیونکہ اس کے لیے وقت اور زمانہ بہت ضروری ہے لیکن اس سلسلہ کی کچھ چیزیں تعلیم و تربیت سے تعلق رکھتی ہیں، معاشرہ کے ذمہ دار، مومن اور باخبر دانشمندوں کی طرف سے جو احیائے فکری شروع ہوتا ہے۔ یہ عمل اسی کے ساتھ انجام پانا چاہیئے۔

ان دانشمندوں کا وظیفہ ہے کہ اپنے انسان ساز منصوبوں کے ذریعہ کم از کم دنیا کے عوام کو یہ بات سمجھائیں کہ ان کی اصل مشکلیں موجودہ اصول و قوانین اور

اسلوب کے ذریعے حل نہیں ہوسکیں گی، اور بہر حال اس وظیفہ کو انجام دینے کے لیے بھی وقت درکار ہے۔

۲۔ ثقافتی اور صنعتی اِرتقاء

پوری دنیا کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنے،
ہر جگہ پر طاقت کے نشہ میں چور ظالموں اور ستمگروں کے زور کو ختم کرنے،
نیز ہر معاشرہ میں اعلیٰ پیمانے پر تعلیم و تربیت کو رائج کرنے کے لئے
اور، اس مسئلہ کو اچھی طرح سے سمجھانے کے لیے کہ نسل، زبان، اور جغرافیائی حدود کا فرق اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ پوری دنیا کے عوام آپس میں مِل جُل کر بھائی بھائی کی طرح سے، صلح و صفا، عدل و انصاف، اخوت و برابری کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرسکتے،

اس کے علاوہ؛

ایسے صحیح اور مفید اقتصادی نظام کو فراہم کرنے کے لیے جو تمام انسانوں کے لیے کافی ہو، ضروری ہے کہ ایک طرف انسانوں کی معلومات میں اضافہ ہو، ان کی علمی سطح بلند ہو، اور دوسری طرف صنعت کے میدان میں ترقی ہو، ایسے وسائل ایجاد کیے جائیں جو پوری دنیا کو آپس میں ملاکر ان کے درمیان سریع اور دائمی رابطہ برقرار کرسکیں اور ظاہر ہے کہ اس کام کے لیے بھی کافی وقت کی ضرورت ہے۔

اگر دُنیا کے گوشہ گوشہ سے فوری طور پر رابطہ برقرار نہ ہوسکتا ہو تو پھر ایک حکومت پوری دنیا کے نظم و نسق کو کیسے سنبھال سکے گی؟

پوری دنیا کی حکومت کو ایسے وسائل کے سہارے چلانا کیسے ممکن ہے۔ جن کے

ذریعہ دُور دراز مقام پر ایک پیغام بھیجنے کے لئے کئی سال درکار ہوں ؟

جو روایات حضرت مہدیؑ کے انقلاب کے زمانہ میں دنیا کے لوگوں کی زندگی کی کیفیت بیان کرتی ہیں۔ (انشاء اللہ اس پر سیر حاصل بحث کروں گا۔) ان کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں صنعت اور ٹکنالوجی، خاص طور سے حمل و نقل اور مواصلاتی آلات کے میدان میں اس حد تک ترقی کر چکی ہوگی کہ دنیا کے برّاعظم عملی طور پر چند نزدیک نزدیک شہروں کی صورت اختیار کر لیں گے، مشرق و مغرب ایک گھر کے مانند ہو جائیں گے، زمان و مکان کی مشکل پورے طور پر حل ہو چکی ہوگی۔

البتہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں اُسی زمانہ میں جست اور صنعتی انقلاب کے ذریعہ انجام پذیر ہوں، لیکن پھر بھی اُس زمانہ کی آمد آمد پر ایک طرح کی علمی آمادگی موجود ہونا چاہیئے تاکہ اس صنعتی انقلاب کے لیے زمین ہموار رہے۔

۳۔ ایک انقلابی ضربتی قوّت کی تربیّت :

آخر میں ضروری ہے کہ اس انقلاب کے لیے دُنیا میں ایک ایسے گروہ کی تربیّت کی جائے۔ جو اس عظیم مصلح کی انقلابی فوج کے اصلی حصّہ کو تشکیل دے سکے، چاہے وہ اقلیّت ہی میں کیوں نہ ہو۔

اس دہکتے ہوئے جہنم کے درمیان کچھ پھول بھی کھلنا چاہئیں تاکہ وہ گلستان کا پیش خیمہ بن سکیں، اس شورہ زار زمین میں کچھ پودے بھی لگنا چاہئیں تاکہ وہ دوسروں کو بہار کی آمد آمد کی نوید دے سکیں۔

اِس مہم کے لیے بہت ہی زیادہ شجاع، فداکار، باخبر، ہوشیار، دلسوز اور جانباز افراد کو تربیّت کرنے کی ضرورت ہے، چاہے اِس کام میں کئی نسلیں

گذر جائیں، تاکہ اصلی خزانے آشکار ہو جائیں، اور انقلاب کے اصلی عناصر فراہم ہو جائیں۔ اس کام کے لیے بھی اچھا خاصا وقت درکار ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس قسم کے افراد کی تربیت کون کرے ؟

اس سلسلہ میں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ اسی عظیم رہبر کی ذمہ داری ہے کہ وہ براہِ راست یا بالواسطہ اس منصوبہ کو شروع کرے۔ (انشاءاللہ آئندہ بحث میں اِس سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں گا)

اِسلامی روایات میں امام کی غیبت کے طولانی ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا امتحان ہو جائے، اور ان میں جو سب سے بہتر ہو۔ اس کا انتخاب کر لیا جائے، ممکن ہے کہ یہ احادیث انہی مطالب کی طرف اشارہ کر رہی ہوں جن کو ابھی عرض کر چکا ہوں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ :

خداوندِ عالم انسانوں سے جو امتحان لیتا ہے وہ اس دنیاوی امتحان کی طرح لوگوں کی استعداد سے مطلع ہونے کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس امتحان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں جو استعداد موجود ہے ان کو پروان چڑھایا جائے تاکہ صلاحیتیں اُبھر کر سامنے آجائیں نیز صالح اور ناصالح افراد کی صفوں میں امتیاز ہو جائے۔

دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جا سکتا ہے کہ :

اِن امتحانات کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں آمادگی پیدا کی جائے اور موجودہ آمادگیوں کو ترقی دی جائے، پروان چڑھایا جائے، کیونکہ خداوندِ عالم ہر چیز سے باخبر ہونے کے سبب اِس بات کا محتاج نہیں ہے کہ امتحان کے ذریعہ لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

چنانچہ مجموعی طور پر اِس بحث سے حضرت مہدیؑ کی غیبت کے اس قدر طولانی ہونے کی ضرورت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔

۳۔ پردۂ غیبت میں امام کے وجود کا فلسفہ

حضرت مہدی کے بارے میں شیعوں کے عقاید اور ان کی خصوصیات پر جو آخری اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ :

امام ؑ ہر حالت میں رہنما اور پیشوا ہے ، اور رہبر کا وجود صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہوسکتا ہے جب اس کا رابطہ اپنے پیروؤں سے برقرار ہو ۔ ایسی صورت میں نظروں سے غائب امام کی طرف سے قیادت کے فرائض کی انجام دہی کیسے ممکن ہے ؟

دوسرے لفظوں میں : دورانِ غیبت امام کی زندگی ایک خصوصی زندگی ہے ، نہ کہ ایک پیشوا اور قائد کی معاشرتی زندگی ، ایسی حالت میں ہمیں یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ یہ الٰہی ذخیرہ عوام کے لیے کیا فائدہ رکھتا ہے ، اور اس کے وجود سے عوام کس طرح کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ؟

وہ کیونکہ غیبت میں امام آب حیات کے اس چشمہ کے مانند ہیں جو تاریکی اور ظلمات میں ہو، اور وہاں تک پہنچنا کسی کے لیے ممکن نہ ہو۔

اس کے علاوہ کیا امام کے غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا وجود ایک نامرئی رُوح یا ناپید امواج وغیرہ میں تبدیل ہو گیا ہے؟ کیا سائنس اس بات کو مان سکتی ہے؟

ٹ

بے شک یہ سوالات بہت اہم ہیں، لیکن یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ ان سوالات کا جواب نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ پہلے اس آخری جملہ کا جواب عرض کر دیا جائے جس کی وجہ سے بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کو صاف کرنے کے بعد ہی دوسرے، اعتراضات کی باری آئے گی۔

یہاں پر میں بہت صاف لفظوں میں عرض کروں گا کہ: امام کے غائب ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ امامؑ کا وجود زمانہ غیبت میں ایک ایسا نامرئی وجود ہے۔ جو ایک غیبی وجود سے زیادہ کسی خیال وجود کے مشابہ ہو۔

بلکہ آپ کی زندگی ایسی طبعی اور غیبی زندگی ہے، جو خارج میں موجود ہے بس فرق صرف یہ ہے کہ آپ کی عمر طولانی ہے، آپ لوگوں کے درمیان رفت و آمد رکھتے ہیں، سماج کے اندر رہتے ہیں، اور مختلف علاقوں میں سکونت کرتے ہیں، اور اگر آپ کی زندگی میں کوئی استثنا پایا جاتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ آپ طولانی عمر کے مالک ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

آپ نا آشنا طریقہ سے انسانی معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کی غیبت کے بارے میں کسی شخص نے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہا ہے آپ خود غور کیجئے کہ "نا آشنا اور نامرئی" میں کتنا فرق ہے ---!

اُب جب کہ یہ غلط فہمی برطرف ہو چکی ہے تو آیئے اس موضوع کی طرف چلیں کہ :

ٹھیک ہے ، اس طرح کی زندگی ایک معمولی شخص کے لیے قابلِ توجیہ ہو سکتی ہے ، لیکن کیا ایک رہبر۔ وہ بھی عظیم الٰہی رہبر۔ کے لیے اس طرح کی زندگی قابلِ قبول ہے ؟!

وہ شاگرد جو اپنے استاد کو نہ پہچان سکے ، وہ بیمار جو ڈاکٹر اور اس کے مطب کو نہ جانتا ہو۔ وہ پیاسا جو کنویں سے بے خبر ہو۔ چاہے اس کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے وجود سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ؟!

یہ کوئی نیا سوال نہیں ہے ، بلکہ اسلامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مہدی کی ولادت سے پہلے بھی ائمہ اطہار کے زمانہ میں یہ سوال عام تھا۔ جب ائمہ معصومین حضرت مہدی اور آپ کی طولانی غیبت کا ذکر فرماتے تھے۔ تو لوگ اسی قسم کے سوالات کرتے اور ائمہ اطہار خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے سوالات کا جواب دیا کرتے تھے جس کے بعض نمونے درج ذیل ہیں۔

زمانۂ غیبت میں امامؑ کے وجود کا فائدہ [1]

زمانہ غیبت میں امام زمانہؑ کے وجود کے فائدے اور فلسفہ کے بارے میں جو کئی احادیث میری نظر سے گذری ہیں ان میں ایک مختصر سی عبارت میں بہت ہی معنی خیز تعبیر پائی جاتی ہے ، جو اس عظیم راز کو سمجھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ سے سوال کیا گیا کہ زمانہ غیبت میں حضرت مہدی

---

[1] (مخلوع بادشاہ کے دور میں) جلاوطنی کی زندگی کاٹنے کے لیے جب مہاباد سے اراک لے جایا جا رہا تھا تو نائین کے فوجی جیل میں ایک دن کیلئے قید بھی کر دیا گیا تھا۔ کتاب کا یہ حصہ اسی جیل میں لکھا گیا ہے۔ (۳۰ مئی ۱۹۷۸ء)

کے وجود کا کیا فائدہ ہے، تو آنحضرت صلعم نے فرمایا:

اَیْ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالنُّبُوَّةِ اِنَّھُمْ یَنْتَفِعُوْنَ بِنُوْرِ وِلَایَتِہٖ فِیْ غَیْبَتِہٖ کَانْتِفَاعِ النَّاسِ بِالشَّمْسِ وَاِنْ جَلَّلَھَا السَّحَاب:

"اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبوت کے ساتھ مبعوث کیا، لوگ اسکی قیادت اور پیشوائی کے نور سے اسی طرح فائدہ اٹھائیں گے جس طرح وہ بادلوں کی آڑ میں چھپے ہوئے سورج سے مستفید ہوتے ہیں" [1]

اس حدیث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے بطور کلی سورج کی اہمیت، اور جس وقت اس پر بادلوں کی چلمن پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت اس کے کردار کو سمجھیں۔

سورج دو طرح سے نور افشانی کرتا ہے!

۱۔ آشکارا نور افشانی

۲۔ مخفی نور افشانی

یا دوسرے لفظوں میں: مستقیم نور افشانی اور غیر مستقیم نور افشانی

آشکارا نور افشانی میں سورج کی شعاعیں اچھی طرح دیکھی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ ہوا کی ایک بہت ہی موٹی تہ کرہ ارض کو لپیٹے ہوئے ایک موٹے دَل کے ایسے ضخیم شیشہ کے مانند کام کرتی ہے جو سورج کی گرمی کو کم کر کے قابلِ برداشت بناتا ہے، اور سورج کی روشنی کو صاف کر کے اس کی مہلک شعاعوں کو نابود اور بے اثر بناتا ہے، لیکن سورج کی مستقیم تابش کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

لیکن غیر مستقیم تابش میں، بادل دودھیا شیشہ کی طرح سورج کے مستقیم نور کو جذب کر کے تقسیم کرتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار ج ۱۳ - ص ۱۲۹ - طبع قدیم

جب ہم ایسے کمرے میں داخل ہوتے ہیں جو دُودھیا بلبوں کے ذریعہ روشن کیا گیا ہو تو کمرے کو روشن دیکھتے ہیں، لیکن اس کی اصلی اور مستقیم شعاعیں اور خود بلب کے روشن تار نظر نہیں آتے ۔۔۔

دوسرے یہ کہ سُورج کی روشنی زندہ موجودات اور حیات کی دنیا میں بہت ہی اہم کردار کی حامل ہے :

نباتات ، حیوانات اور انسانوں کی بقا کے لیے جس انرجی کی ضرورت ہے وہ صرف سورج کی اس روشنی اور گرمی سے حاصل ہوتی ہے جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے ۔

زندہ موجودات کی نشو و نما
ان کی تغذیہ اور تولید مثل
حس و حرکت و تحریک
بنجر زمینوں کی آبیاری
سمندر کی موجوں کی دہاڑ
حیات آفریں ہواؤں کا چلنا
زندگی بخش پانی کا برسنا
آبشاروں کے زمزمے
بلبلوں کے نغمے
پھولوں کی خیرہ کر دینے والی خوبصورتی
انسان کی رگوں میں خون کی گردش
دلوں کی دھڑکن
ذہن کے پردوں کے درمیان افکار کا برق رفتاری کے ساتھ عبور ۔

شیر خوار بچے کی مانند پھولوں کی پنکھڑیوں کے ہونٹوں پر میٹھی میٹھی مسکان۔
یہ سب کے سب مستقیم یا غیر مستقیم طریقہ سے سورج کی روشنی کے مرہونِ منّت ہیں، اگر سورج کی روشنی نہ ہو تو یہ سب کے سب پژمردہ ہو جائینگے۔ صفحۂ ہستی سے مِٹ جائیں گے۔

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو بہت تھوڑے سے غور و فکر سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ یہ ساری برکتیں اور زندگی بخش آثار کیا صرف اس زمانہ سے مخصوص ہیں جب کہ اس نور کی تابش بغیر کسی واسطہ کے ہو رہی ہو؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی ہی میں ہے۔ جب یہ سورج بادل کی آڑ میں چھپا رہتا ہے اور روشنی ابر سے چھن چھن کر باہر آتی ہے اس وقت بھی اس طرح کے بہت سے آثار پائے جاتے ہیں:

مثلاً جن ملکوں اور شہروں میں سال کے کئی مہینے بدلی چھائی رہتی ہے۔ پورا آسمان چھپا رہتا ہے، سورج دکھائی نہیں دیتا، لیکن گرمی، نباتات کی نشو و نما اور زندگی کے انجن کے لیے ضروری انرجی کی پیداوار ہوتی رہتی ہے غلّے اور پھل پکتے رہتے ہیں، پھولوں کی ہنسی اور کلیوں کی مسکراہٹ برقرار رہتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بادلوں کی آڑ میں رہتے ہوئے بھی سورج کی تابش کے بہت سے آثار اور برکتیں موجود رہتی ہیں اور صرف اس کے بعض وہ آثار نظر نہیں آتے جس کے لیے اس کی مستقیم تابش کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً: آپ جانتے ہیں کہ زندہ موجودات اور انسانی جسم کی مشینری اور اس کی جلد پر دھوپ بہت زیادہ تاثیر رکھتی ہے، اسی وجہ سے جن ملکوں کے باشندے

دھوپ سے محروم ہیں۔ ان ملکوں میں جب سورج نکلتا ہے تو بہت سے لوگ دھوپ کا غسل کرتے ہیں نیز اس حیات بخش روشنی کے سامنے برہنہ گھومتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے وجود کا ہر ہر ذرّہ اس آسمانی تحفہ کا پیاسا ہوتا ہے اس لیے وہ اس روشنی کے ذرّوں سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ نیز آفتاب کی مستقیم تابش، زیادہ گرمی اور روشنی پیدا کرنے کے علاوہ ۔اشعۂ ماورای بنفش Impra red Rediation کے ذریعہ ۔انواع واقسام کے جراثیم کو ختم کرنے اور فضا کو صاف وشفاف رکھنے کے لیے ایک خاص اثر رکھتی ہے کہ یہ اثر اس کے غیر مستقیم نور میں نہیں پایا جاتا۔

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج کے چہرے پر بادل کی نقاب پڑ جانے کی وجہ سے اگرچہ اس کے بعض اثرات کم ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے اہم آثار اپنی جگہ پر باقی رہتے ہیں۔

یہ تو "مشبہ بہ" یعنی سورج کی کیفیت تھی، آیئے اب "مشبہ" یعنی زمانہ غیبت میں الٰہی رہنماؤں کے وجود کی کیفیت کو دیکھیں۔

جب امامؑ غیبت کے بادلوں کے پیچھے پنہاں ہوتے ہیں۔ اس وقت اگرچہ تعلیم وتربیت اور براہِ راست قیادت، تعطّل کا شکار ہو جاتی ہے، لیکن آپ کے وجود کی نامرئی، روحانی اور معنوی شعاعیں غیبت کے بادلوں کی آڑ میں رہتے ہوئے بھی بہت سے آثار کا سرچشمہ ہیں، اور اس طرح وہ آپ کے وجود کے فلسفہ کو آشکار کرتی ہیں۔

یہ آثار حسب ذیل ہیں:

۱۔ اُمیدوں کا سہارا:

جنگ کے میدانوں میں کچھ اعلیٰ تربیت یافتہ اور جانباز سپاہی انتھک

کوشش کرتے ہیں کہ دشمن کے حملوں کے مقابلہ میں جھنڈا اسی طرح بلند اور لہراتا رہے، حالانکہ دشمن کے سپاہی ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح سے اس جھنڈے کو سرنگوں کر دیں، کیونکہ جب تک جھنڈا بلند رہے گا، سپاہیوں کے حوصلے بھی بلند رہیں گے اور وہ اطمینان قلب کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے اور اس کو پسپا کرنے کے لیے اپنی جد و جہد کو جاری رکھیں گے۔

اسی طرح سے فوج کا کمانڈر اگر اپنے کمانڈنگ اڈہ پر موجود ہو، — چاہے وہ ظاہراً خاموش ہی کیوں نہ ہو۔ تو سپاہیوں کا جوش و خروش اپنے اُوج پر ہوتا ہے، ان کی رگوں میں گرم خون دوڑتا رہتا ہے، اور وہ اس امید کے سہارے کہ ابھی ہمارا کمانڈر زندہ ہے اور ہمارا جھنڈا لہرا رہا ہے، اور بھی زیادہ لگن کے ساتھ جد و جہد جاری رکھتے ہیں۔

لیکن اگر فوج میں کمانڈر کے قتل ہو جانے کی خبر پھیل جائے تو اپنے سارے ساز و سامان اور تمام تر شجاعت کے باوجود ایک عظیم فوج کے پَیر بھی اُکھڑ جاتے ہیں، جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری فوج کے سر پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیا گیا ہے، نہیں بلکہ اس کے جسم سے رُوح نکل چکی ہے!

ایک ملک کا سربراہ جب تک زندہ ہے، چاہے وہ سفر میں ہو یا بستر بیماری پر پڑا ہوا ہو، اس ملک کے عوام نظم و انضباط کے ساتھ اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، اس کی زندگی، اس کی قوم کی حیات اور تحرک کا سبب ہے، لیکن اس کی موت کی خبر سنتے ہی ملت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، لوگوں کے چہروں پر اُداسی چھا جاتی ہے۔ یاس و نا اُمیدی کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔

چونکہ شیعہ ایک زندہ امام کے وجود پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لھذا اس امام کے دیدار سے محروم ہونے کے باوجود اپنے کو اکیلا اور لاوارث نہیں سمجھتے جس مسافر کے ہمراہ دلوں کے قافلے ہیں، شیعہ ہمیشہ اس کی واپسی کے انتظار میں زندگی کے رات دن کاٹتے ہیں، مؤثر اور تعمیری انتظار — ! وہ ہر روز ان کے ظہور کے منتظر رہتے ہیں۔

اس طرزِ فکر کے نفسیاتی اثرات، دلوں میں اُمید کو زندہ رکھنے اور انسان کو اصلاحِ نفس پر آمادہ کرنے اور اپنے کو اس عظیم انقلاب کیلئے تیار کرنے کے لیے بے پناہ افادیت کے حامل ہیں۔

لیکن اگر یہ رہبر سرے سے موجود ہی نہ ہو اور اس کے دین مکتب کے ماننے والے مستقبل میں اس کی ولادت اور پرورش کے منتظر ہوں تو حالات بہت زیادہ بدل جائیں گے اور کافی حد تک فرق پیدا ہو جائے گا۔

اگر اس موضوع میں ایک اور نکتہ کا اضافہ کر دیا جائے تو مسئلہ کی اہمیت کچھ اور زیادہ بڑھ جائے گی اور وہ یہ ہے کہ:

شیعوں کے اعتقاد کے مطابق جس کا ذکر بہت سی روایات میں موجود ہے۔ امامؑ زمانہ غیبت میں ہمیشہ اپنے پیروؤں کی دیکھ بھال کیا کرتے ہیں، اور الٰہی الہام کے ذریعہ ان کی حالت اور اعمال و کردار سے باخبر رہتے ہیں، اور روایات کے مطابق ہر ہفتہ شیعوں کا نامۂ اعمال آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اپنے شیعوں کی رفتار و کردار سے مطلع ہوتے ہیں[1]۔

یہ فکر اِس بات کا سبب بنتی ہے کہ آپ کے ماننے والے ہر وقت چوکنا رہیں۔ اور ہر کام شروع کرنے سے پہلے اس بات کو مدّ نظر رکھیں گے

---

[1] (اس کی تشریح نہیں ہے)

کہ ایک شخص ان کی نگرانی کر رہا ہے۔

تربیت کے نقطہ نظر سے اس طرزِ فکر کے تعمیری اور مفید اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ دینِ خدا کی محافظت

تاریخ بشریت کی عظیم شخصیت حضرت علیؑ اپنے ایک مختصر خطبہ میں ہر زمانہ اور ہر عصر میں الٰہی رہنماؤں کے وجود کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ بَلٰی لَا تَخْلُوا الْاَرْضُ مِنْ قَائِمٍ لِلّٰہِ بِحُجَّۃٍ اِمَّا ظَاھِرًا مَشْھُوْرًا اَوْ خَائِفًا مَغْمُوْرًا لِئَلَّا تَبْطُلَ حُجَجُ اللّٰہِ وَبَیِّنَاتُہٗ:

"جی ہاں! زمین کبھی بھی دلیل و حجّت کے ساتھ قیام کرنے والے کے وجود سے خالی نہیں رہتی، چاہے وہ قائم ظاہر ہو اور آشکار، یا مخفی اور پنہاں ہو تاکہ خداوند عالم کی دلیلیں اور روشن دستاویزات ضایع نہ ہو جائیں، اور بھلا دی جائیں۔ (مسخ اور تحریف نہ ہوں)"[۲]

اس کلام کی توضیح ملاحظہ فرمائیے:

جیسے جیسے زمانہ گذرتا جائے گا، لوگوں کے ذاتی نظریات اور مخصوص سلیقوں کے مذہبی مسائل کے ساتھ مخلوط ہو جانے، انحرافی مکاتب فکر کے

---

[۱] یہ روایت تفسیر برہان میں آیہ وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون (توبہ ۱۰۵) کے ذیل میں ذکر ہوئی ہے۔ اور ہم نے تفسیر نمونہ کی آٹھویں جلد میں اس سلسلہ میں بہت عمدہ بحث کی ہے۔

[۲] نہج البلاغہ۔ کلمات قصار

ظاہری طور پر دلکش اور زرق و برق منصوبوں کی طرف لوگوں کا مختلف انداز میں کھنچاؤ، اور آسمانی مفاہیم کو مفسدوں اور فتنوں کے اُلٹ پلٹ کر دینے کی وجہ سے بعض قوانین اپنی اصالت اور حقیقت کو کھو بیٹھتے ہیں، اور ان میں بہت ہی مُضر اور خطرناک تحریفات اور تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔

یہ آبِ زلال جو آسمان وحی سے برسا تھا، ان کے ذہنوں سے عبور کرنے کی وجہ سے گدلا اور مٹیالا ہو کر اپنی پہلی والی شفافیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور یہ پُر فروغ نور تاریک افکار کے ظلمانی شیشوں سے گذرنے کی وجہ سے مدھم پڑ جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ کوتاہ فکروں کے بناؤ سنگھار، اور کچھ نئی شاخ و برگ کے اضافہ کر دینے کی وجہ سے اس کا اصلی چہرہ اس حد تک بدل جاتا ہے کہ بعض اوقات اصلی مسائل کا پہچاننا دشوار ہو جاتا ہے!

شاعر، پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے۔ البتہ شاعروں کی سیرت اور اسلوب کے مطابق بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہوئے۔ کہتا ہے:

شرعِ تو را در پی آرایش اند   دین تو را از پی پیرایش اند
بس کہ فزودند بر آن برگ و بر   گر تو ببینی نشناسی دگر!

(آپ کی شریعت کے بناؤ سنگھار کے چکر میں ہیں۔ آپ کے دین کی تراش و خراش میں مشغول ہیں۔ انہوں نے اس پر اس قدر برگ و گل کا اضافہ کر دیا ہے کہ اگر اب آپ بھی اس کو دیکھیں تو پہچان نہ سکیں گے۔)

ایسی حالت میں مسلمانوں کے درمیان کیا ایسے شخص کا وجود لازمی نہیں ہے جو اسلام کے اَن مٹ اور فنا ناپذیر مفاہیم کو اس کی اصلی شکل میں آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ رکھے؟

کیا دوبارہ پھر کسی پر وحی نازل ہوگی ؟ ہرگز نہیں، کیونکہ خاتمیت کے ہمراہ وحی کا دروازہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔

تو پھر اس اصلی دین کی حفاظت کس طرح کی جائے، اور اس کو خرافات و تحریفات سے بچا کر آئندہ نسلوں کے لیے کیسے باقی رکھا جائے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور چارہ ہے کہ یہ سلسلہ ایک معصوم پیشوا کے ذریعہ باقی رہے اب چاہے وہ پیشوا ظاہر اور آشکار ہو، یا غائب اور ناآشنا لِئَلَّا تَبْطُلُ حُجَجُ اللّٰہِ وَ بَیِّنَاتُہٗ ۔"

آپ کو معلوم ہے کہ ہر اہم ادارہ میں ایک ایسا صندوق ہوتا ہے جو ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہوتا ہے، اس کے اندر ادارے کی اہم دستاویزات کی حفاظت کی جاتی ہے، تاکہ چوروں کے ہاتھوں سے محفوظ رہے، اور کبھی اس ادارہ میں آگ لگ جائے تو وہ دستاویزات جلنے سے محفوظ رہیں، کیونکہ اس ادارہ کی حیثیت اور اس کا اعتبار انہی دستاویزوں سے وابستہ ہے، اگر وہ دستاویزات نابود ہو جائیں تو اس ادارہ کا وقار خطرے میں پڑ جائے گا۔

امام کا سینہ اور آپکی عظیم رُوح دینِ خدا کی دستاویزوں کی حفاظت کیلئے محفوظ اور آسیب ناپذیر صندوق ہے جو دینِ الٰہی کی حقیقتوں اور آسمانی تعلیمات کی خصوصیات کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھتے ہیں تاکہ پروردگار کی واضح نشانیاں اور خداوندِ عالم کی دلیلیں باطل نہ ہو سکیں۔

دوسرے فوائد کے علاوہ یہ آپ کے وجود کا ایک اور فائدہ ہے۔

۳۔ ایک ہوشیار ضربتی گروہ کی تربیّت

عوام سے امامِ زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے درمیان ان کے رابطہ کا مسئلہ یوں نہیں ہے جیسا کہ عام طور سے لوگوں کا خیال ہے بلکہ اس کے بالکل

برعکس زمانہ غیبت میں عوام سے امام کا رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا ہے بلکہ اسلامی روایات کے مطابق وہ لوگ جن کے دل عشقِ خدا سے لبریز ہیں، ہر طرح کی فداکاری کے لیے آمادہ ہیں، دنیا کی اصلاح کے ارمان کو پورا کرنے کے لیے، پورے خلوص کے ساتھ کوشش کرتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی صورت میں امامؑ سے رابطہ برقرار کیے ہوئے ہیں اور اسی رابطہ کے ذریعہ ان کی تربیت ہوتی ہے اور وہ آپؑ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ انقلابی جذبہ کسب کرتے ہیں۔ وہ بھی ایسا تعمیری اور مثمر انقلاب جو دُنیا میں ہر طرح کے ظلم و ستم کا قلع قمع کر دے گا۔

ممکن ہے یہ لوگ اس انقلاب سے پہلے ہی اس دُنیا سے رُخصت ہو جائیں لیکن ایسی صورت میں یہ لوگ اپنی تیاریوں اور انقلابی تعلیمات کو اپنی آئندہ نسل اور دوسرے مومنین کے حوالے کر کے جائیں گے۔ اور یوں وہ اِس سلسلہ کے آخری گروہ کی تربیت میں حصّہ دار اور شریک رہیں گے۔

گذشتہ صفحات میں عرض کر چکا ہوں کہ غیبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپؑ نے نامرئی روح یا ناپید اشعاعوں کی شکل اختیار کر لی ہے بلکہ آپ کی زندگی طبیعی اور معمول کے مطابق ہے۔ آپ نا آشنا طریقہ سے انہی انسانوں کے درمیان رفت و آمد کرتے ہیں۔ با صلاحیت اور لائق افراد کو انتخاب کر کے اپنے ہمراہ کر لیتے ہیں۔ ان کی زیادہ سے زیادہ تربیّت کرتے، اور ان کو بہتر سے بہتر بناتے ہیں۔

مستعد افراد اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اس سعادت کو حاصل کرنے کی توفیق پیدا کرتے ہیں، بعض چند لمحے اور بعض چند گھنٹے، بعض چند روز آپ سے رابطہ برقرار کئے رہتے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو برسوں آپ کے ہمراہ رہتے ہیں اور آپ سے قریبی رابطہ برقرار کئے ہوئے ہیں!

اس بات کو مزید واضح انداز میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ:
وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے کو علم و تقویٰ کے زیور سے اس طرح آراستہ کیا ہے، اور انہوں نے دانش و پرہیزگاری کے دوش پر اس طرح سوار ہو کر ترقی اور فضیلت کے مراتب طے کئے ہیں اور اعلیٰ مدارج پر فائز ہو گئے ہیں جس طرح سے ہوائی جہاز کے دُور دراز کے مسافر بادلوں کے دوش پر مستقر ہو جاتے ہیں۔

جہاں پر آفتاب کی حیات آفریں تابش کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، حالانکہ زمین کی پستی پر بسنے والے لوگ بادلوں کے نیچے اُجالے سے محروم۔ تاریکی اور اندھیرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اور واقعتاً، صحیح بات بھی یہی ہے، ہمیں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ سورج کو بادلوں کے نیچے لاکر اس کے چہرے کی زیارت کریں، ایک ایسا انتظار خیال خام اور بہت بڑی غلطی ہے، بلکہ یہ ہمارا فریضہ ہے کہ کوشش کر کے بادلوں کے اُوپر پہنچ جائیں تاکہ آفتاب کی جاودانہ شعاعوں سے فیض یاب ہوں۔

بہر حال اس گروہ کی تربیّت، دورانِ غیبت میں آپ کے وجود کا ایک اور فلسفہ ہے۔

۴۔ غیر محسوس اور رُوحانی نفوذ

آپ کو معلوم ہے کہ سورج کی کچھ مرئی شعاعیں ہیں جن کے آپس میں مِل جانے سے سات مشہور رنگ ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ نامرئی شعاعیں ہیں جن کو "اشعہ فوق بنفش Infra-red radiation" اور "اشعہ مادون قرمز" Ultra-Violet radiation کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک عظیم الٰہی رہبر، چاہے وہ پیغمبر ہو یا امام، رفتار و گفتار اور عام تعلیم و تربیّت کے ذریعہ انجام پانے والی تشریعی تربیّت کے علاوہ ذہنوں اور فکروں میں روحانی نفوذ اور اثر کے ذریعہ ایک قسم کی رُوحانی تربیّت بھی انجام دیتے ہیں جسے تکوینی تربیّت کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے، اس مقام پر الفاظ اور کلمات، گفتار اور کردار کا کام نہیں ہوتا، بلکہ صرف داخلی کشش اور جاذبیت کام کرتی ہے۔

بہت سے عظیم دینی پیشواؤں کے حالاتِ زندگی میں یہ بات ملتی ہے کہ بعض اوقات گناہگار اور بدکار لوگ ان بزرگوں سے ایک مختصر سی ملاقات کرنے کے بعد منقلب ہو جاتے تھے، ان کی دُنیا بدل جاتی تھی، ان کا راستہ بدل جاتا تھا۔ ان کی سرنوشت میں اچانک انقلاب آجاتا تھا۔ اور بقول معروف جو ۱۸۰ درجہ

منحرف ہو کر بالکل نئے راستہ کو اپنا چکے ہوتے تھے۔ وہی گناہگار اور بدکار عناصر اچانک اتنے مومن، متقی، پرہیزگار اور فداکار بن جاتے تھے کہ اس مقصد کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے!

یہ اچانک اور فوری تبدیلی، یہ ہمہ گیر انقلاب، وہ بھی صرف ایک نظر یا ایک مختصر سی ملاقات کے ذریعہ، (البتہ ان لوگوں کے لیے جن میں گناہگار ہونے کے باوجود ایک طرح کی آمادگی بھی پائی جاتی ہے) معمول کے مطابق تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ ایک نامرئی نفسیاتی اثر اور ناخود آگاہ کشش اور جذبہ کا نتیجہ ہے کہ بعض اوقات اس کو نفوذ شخصیت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

بہت سے لوگوں نے اپنی زندگی میں اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ جب متقی پرہیزگار اور عظیم رُوح کے مالک افراد کا سامنا ہوتا ہے تو بے اختیار اور ناآگاہ طریقہ سے لوگ ان سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ ان کے سامنے بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی، زبان لڑکھڑانے لگتی ہے، اور اپنے کو ایک ایسے عظیم اور اسرار آمیز ہالہ کے درمیان گھرا ہوا پاتے ہیں جس کی توصیف کرنا ناممکن ہے۔

البتہ ممکن ہے کہ بعض اوقات اس طرح کی چیزوں کو تلقین وغیرہ کا نام دے کر توجیہ کر لیا جائے لیکن اس طرح کی تفسیر اور توجیہ ہر جگہ پر صادق نہیں آسکتی اور اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں رہ جاتا کہ یہ اعتراف کر لیا جائے کہ یہ آثار اُن پر اسرار شعاعوں کا نتیجہ ہیں جو متقی پرہیزگار اور عظیم انسانوں

کے وجود کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔

عظیم رہنماؤں کی تاریخ میں اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن کی تفسیر و توجیہ صرف اسی طریقہ سے کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک گناہگار شخص کا پیغمبر کی خدمت میں آنا اور اچانک اس کی روح میں انقلاب آجانا۔

یا خانہ کعبہ کے پاس پیغمبر اسلام کو دیکھتے ہی اسعد بن زرارہ، بت پرست کی طرز فکر کا بدل جانا۔

یا وہ چیز جس کو پیغمبر اسلام کے دشمن جادو کہا کرتے تھے اور اس کی وجہ سے لوگوں کو پیغمبر اسلام کے پاس جانے سے منع کیا کرتے تھے، ان تمام چیزوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مختلف افراد پر پیغمبر کا اثر ان ہی اسرار آمیز شعاعوں کے ذریعہ ہے۔

اسی طرح سے کربلا کے راستہ میں، امام حسین کے پیغام نے زہیر کی فکر پر وہ اثر کیا ہے کہ امام حسین کے پیغام کو سننے کے بعد، زہیر اپنے ہاتھ کے لقمہ کو منہ میں نہ رکھ سکے، لقمہ کو پھینک کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فوراً امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

یا وہ عجیب و غریب کشش جو "حر بن یزید ریاحی" شب عاشور اپنے وجود میں محسوس کر رہا تھا کہ اپنی ساری شجاعت کے باوجود بید کی طرح لرز رہا تھا، اور آخر کار یہی کشش اس کو کربلا کے مجاہدوں کی صف میں کھینچ لائی اور شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دیا۔

یا اس جوان کا واقعہ جو ابو بصیر کا پڑوسی تھا، اور اس نے بنی امیہ کی غلامی کر کے جو دولت و ثروت جمع کی تھی اس کو شراب و کباب اور عیاشی میں لٹا رہا تھا، لیکن امام جعفر صادقؑ کے ایک پیغام نے اس کی زندگی کے دھارے کو موڑ

دیا اور اس نے ان تمام بُرے کاموں سے توبہ کرلی اور اس نے جتنی دولت و ثروت ناجائز طریقہ سے اکٹھی کی تھی، وہ یا تو اس کے حقیقی مالکوں کو واپس کردی یا خدا کی راہ میں خرچ کردی۔

یا اس خوبصورت، عشوہ گر، اور گویّا کنیز کا واقعہ جس کو ہارون نے اپنے زعم باطل میں امام موسیٰ کاظمؑ کو بہکانے کے لیے جیل میں بھیجا تھا، لیکن مختصر سے عرصہ میں اس کی روح میں انقلاب آگیا اور اس حد تک بدل گئی کہ اس کی شکل وصورت، اس کا انداز گفتگو اور اس کی منطق نے ہارون کو حیرت میں ڈال دیا۔

یہ تمام چیزیں اسی ناخود آگاہ تاثیر کی نشانیاں ہیں کہ اس کو پیغمبر یا امام کی "ولایت تکوینی" کا ایک شعبہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس مقام پر تربیت اور ارتقاء کا سبب الفاظ، جملے اور حسب معمول طریقے نہیں ہیں بلکہ اصلی سبب روحانی اثر اور معنوی کشش ہے۔

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں ــــ یہ چیزیں اماموں اور پیغمبروں سے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے سچے بندے اور عظیم متقی و پرہیزگار شخصیتیں بھی اپنی شخصیت و منزلت کے لحاظ سے اپنے اردگرد اس ناخود آگاہ اثر اور نفوذ کا ہالہ کھینچ لیتی ہیں ــــ البتہ امام و پیغمبر کے معنوی اثرات کی وسعت سے خداوند عالم کے ان صالح بندوں کے معنوی اثرات کی وسعت کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان دونوں کی وسعتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

امامؑ کا وجود غیبت کے پردوں کی آڑ میں رہتے ہوئے بھی یہ خاصیت رکھتا ہے کہ اپنی شخصیت کے اثر ونفوذ کی طاقتوں اور وسیع شعاعوں کے ذریعہ، دور و نزدیک کے علاقوں میں آمادہ دلوں کو ایک مخصوص کشش سے متاثر کرکے ان کی تربیت

کرے۔ ان کو شاہراہ ترقی پر گامزن کرے، اور انہیں انسان کامل بنا دے۔

زمین کے متفناطیسی قطب ہم کو نظر نہیں آتے، لیکن قطب نما کی سوئیوں پر ان کا اثر اس قدر ہے کہ یہ قطب نما سمندروں میں کشتیوں کی راہنمائی اور آسمانوں میں ہوائی جہازوں کی راہنمائی کرتے ہیں، صحراؤں میں مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں، انہی متفناطیسی امواج کی بدولت پورے کرہ ارض پر کروڑوں مسافر اپنا راستہ تلاش کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں اور اسی چھوٹی سی سوئی کے طفیل ہزاروں چھوٹی بڑی گاڑیاں اور حمل و نقل کے ذرایع سرگردانی و پریشانی سے نجات پا جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں اگر زمانہ غیبت میں امامؑ کا وجود اپنی معنوی اور روحانی کشش کے ذریعہ لوگوں کے افکار کی ہدایت اور ان کو سرگردانی و گمراہی سے نجات دلا دے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟

لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جس طرح سے متفناطیس کی موجیں ہر لوہے کے ٹکڑے پر اثر نہیں کرتی ہیں، بلکہ صرف ان ظریف اور حساس سوئیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں جن پر متفناطیس کا پانی چڑھا ہوا ہو اور اس میں متفناطیسی امواج کو بھیجنے والے قطب سے سنخیت اور شباہت پائی جاتی ہو، اسی طرح سے صرف وہی دل امامؑ کی ناقابل توصیف روحانی کشش اور معنوی موجوں سے متاثر ہوتے ہیں جو امامؑ کے راستہ کو اپنائے ہوئے ہیں اور اُن سے شباہت رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، زمانہ غیبت میں امام کے وجود کا ایک فلسفہ آشکار ہو جاتا ہے۔

۵۔ مقصد تخلیق کی توجیہ

عقلمند شخص کا کوئی قدم بے مقصد نہیں ہوتا، عقل و علم کی روشنی میں جو کام بھی انجام دیا جائے، اس کا کوئی مقصد ضرور ہوگا۔

انسانوں کے کاموں میں مقصد، معمولاً اپنی احتیاجات کو برطرف کرنا اور اپنی کمی کو پورا کرنا ہوتا ہے، لیکن خدا کے کاموں میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی ضروریات کو پورا کیا جائے، کیونکہ اس کی ذات غنی ہے، وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا خداوند عالم کا اپنے فائدے کے لیے کام کرنا کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔

اس مثال پر غور کیجئے:

زرخیز زمین پر پھول اور پھل سے لدے ہوئے باغ لگاتے ہیں، درختوں اور پھلوں کے پودوں کے درمیان فالتو گھاس بھی اُگ آتی ہے، جب ان درختوں کی سنچائی کرتے ہیں تو ان درختوں کے طفیل میں یہ فالتو گھاسیں بھی سیراب ہو جاتی ہیں۔

اس مقام پر دو مقصد سامنے آتے ہیں۔

اصلی مقصد: درختوں اور پھول کے پودوں کی سنچائی۔

تبعی مقصد: بے مصرف فالتو گھاس کی سنچائی۔

یقیناً یہ تبعی مقصد اس عمل کی علت اور سبب نہیں بن سکتا، اور نہ ہی اس کام کے عاقلانہ اور حکیمانہ ہونے کی وجہ بن سکتا ہے بلکہ اہمیت اسی اصلی مقصد کو حاصل ہوتی ہے جو منطقی پہلو رکھتا ہے۔

بالفرض اگر باغ کے سارے درخت سوکھ جائیں، اور پورے باغ

میں صرف ایک درخت باقی رہ جائے لیکن وہ ایک درخت اتنا پُر بار ہو کہ جتنا پھل ہم کو ہزار درخت سے ملنے کی اُمید تھی، اتنا صرف اس ایک درخت سے مل جائے تو بلا تردید ہم اسی ایک درخت کی سنچائی کے لیے باغبانی اور آبیاری کے منصوبہ کو جاری رکھیں گے، چاہے ہماری اس آبیاری سے بہت زیادہ فالتو گھاسیں بھی بہرہ مند ہوتی رہیں، لیکن اگر ایک دن وہ درخت بھی سوکھ جائے تو ہم ان فالتو گھاسوں کی پرواہ کیے بغیر سنچائی سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔

یہ دنیائے تخلیق اسی تر و تازہ باغ کے مانند ہے اور انسان اسی باغ کے درخت ہیں، جو لوگ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں وہ پھلوں سے لدے ہوئے درخت ہیں، اور جو لوگ گناہوں اور بدکاریوں کے جال میں پھنس گئے اور انسانیت کے راستہ سے ہٹ گئے ہیں، وہ اس باغ کی فالتو گھاس ہیں۔

یہ چمکتا ہوا سورج، ہوا کے یہ حیات آفریں ذرات، زمین و آسمان کی اتنی ساری نعمتیں اس لیے پیدا نہیں کی گئی ہیں کہ مٹھی بھر اوباش وارا ذل گناہوں اور بدکاریوں کے منجلاب میں غرق عناصر آپس میں دست گریباں ہو کر ایک دوسرے کو کھا جانے میں مشغول ہو جائیں، اور سماج کو ان کی ذات سے ظلم و ستم جہل و فساد کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو، ہرگز نہیں خلقت کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہو سکتا۔

یہ دنیا اور اس کی ساری نعمتیں — اس خدا پرست کے نقطۂ نظر سے جو خداوند عالم کے علم و حکمت سے آشنا ہے — صرف خداوند عالم کے صالح اور مومن بندوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں، اور آخر کار ان غاصبوں کے ہاتھوں میں سے نکل کر دوبارہ انھی صالح اور مومن بندوں کے ہاتھوں میں

آجائیں گی۔

"إِنَّ الأَرضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ"

جہان خلقت کا باغبان صرف اسی طبقہ کے لیے اپنی نعمتوں اور اپنے فیض کو جاری رکھے ہوئے ہے، اگرچہ فالتو گھاسیں بھی تبعی مقصد کے طور پر اس سے سیراب ہو جائیں اور فائدہ اٹھالیں، لیکن یہ اصل مقصد نہیں ہے۔

اور اگر ایسا وقت آجائے کہ اس صالح اور مومن نسل کی آخری فرد بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس وقت ان نعمتوں کے باقی رہ جانے کی کوئی وجہ نہ ہو گی۔ اس دن دنیا سے چین وسکون اٹھ جائے گا، آسمان اپنی برکتوں کو منقطع کر دے گا، زمین، انسانوں کو فائدہ پہنچانے سے انکار کر دے گی!

اور یہ معلوم ہے کہ پیغمبر اور امام، صالح اور مومن بندوں کے سمبل اور انسان کامل کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہیں۔

یعنی یہ وہی لوگ ہیں جو اس کائنات کی تخلیق کا مقصد ہیں، جن کے لیے یہ دنیا خلق کی گئی ہے ان کا وجود خواہ تنہا اپنے لیے ہو، یا صالحین کی سربراہی کے عنوان سے، بہر حال ان کا وجود خیر وبرکات کے نزول اور رحمت خدا کی بارش کا سبب اور تخلیق کے مقصد کی توجیہ کرتا ہے۔ اب چاہے وہ لوگوں کے درمیان علنی طور پر زندگی بسر کرتا ہو یا چھپ کر نا آشنا طریقے سے

یہ صحیح ہے کہ دوسرے صالح بندے بھی کائنات کی تخلیق کا مقصد یا دوسرے لفظوں میں اس عظیم مقصد کا ایک جز ہیں، لیکن اس مقصد کے کامل نمونے بھی کامل انسان اور آسمانی شخصیتیں ہیں، لیکن دوسروں کا حق بھی اپنی جگہ

محفوظ ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں احادیث میں ملنے والی بعض ان عبارتوں کے مفاہیم واضح ہوتے ہیں جن میں آیا ہے کہ

بِيُمْنِهٖ رُزِقَ الْوَرٰی وَبِوُجُوْدِهٖ ثَبَتَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ

"ان کے (یعنی خداوند عالم کے نمایندہ اور حجت کے) وجود کی برکت سے لوگوں کو روزی ملتی ہے، اور انہی کی خاطر یہ آسمان و زمین اپنی جگہ پر باقی ہے۔"

یہ بات "مبالغہ آمیز" منطق سے دور یا "شرک آلودہ" نہیں ہے۔ خداوند عالم کی جانب سے پیغمبر اسلام کو مخاطب کر کے حدیث قدسی کی اس عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے جو مشہور کتابوں میں منقول ہے "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" (اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو خلق نہ کرتا) یہ جملہ ایک حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے، مبالغہ آمیز نہیں ہے، بس فرق یہ ہے کہ آنحضرتؐ مقصد تخلیق کے شاہکار ہیں اور بقیہ صالحین اس عظیم مقصد کے اجزا ہیں۔

اس فصل میں پانچ عنوانوں کے ماتحت جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ:

جو لوگ دور بیٹھے ہوئے، زمانہ غیبت میں امام کے وجود کو ایسا ذاتی اور شخصی وجود سمجھتے ہیں جس سے سماج کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور انہوں نے اس سلسلہ میں شیعوں کے عقائد پر حملے کیے اور اعتراض کی بھرمار کر دی ہے کہ قیادت و امامت کے لحاظ سے ایسے امام کے وجود سے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ ان کے یہ خیالات اور اعتراضات غلط ہیں، زمانہ غیبت میں بھی آپ کے وجود کے فائدے بے شمار ہیں۔

کامیابی کا راستہ!

ہم جانتے ہیں کہ دشمن پر کامیابی کی ایک بڑی شرط یہ ہے کہ آپ کی طاقت دشمن کی طاقت سے برتر ہو، یہ طاقت صرف فوجی طاقت ہی نہیں بلکہ اپنے مقصد پر ایمان اور نفسیاتی اعتبار سے برتری، سماجی اور اقتصادی بنیادوں کا استحکام، یہ چیزیں بھی اس برتری میں برابر کی حصہ دار ہیں اور بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔

اگر کوئی معاشرہ شکست کھا جائے یا غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سماج نے کامیابی کے ذرائع فراہم کرنے میں کوتاہی کی ہے اور غفلت کی گہری نیند سوتا رہا ہے۔ یا یہ کہ اس نے اپنی طاقت کے محاسبہ میں غلطی کی تھی۔

اس بنیادی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عالمی عظیم مصلح کے انقلاب کے سلسلہ میں کچھ سوالات پیش آتے ہیں جو یہ ہیں کہ:

۱۔ پوری دنیا میں عدل و انصاف برقرار کرنے، نیز ظالموں، ستمگروں، لٹیروں اور آمروں پر حق و عدل کی فوج کی کامیابی کے لیے کیا اس عظیم انقلاب کا رہبر پرانے زمانے کے اسلحوں (تیر کمان تلوار وغیرہ) کو استعمال کرے گا؟ ایسی صورت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ مخالف بھی جنگ کے اس طریقہ کو مان کر اسی پر اکتفا کریں یا یہ کہ کس سے ان پرانے اسلحہ کے ذریعہ جو اس دَور کے ترقی یافتہ اور خطرناک اسلحوں کے مقابلہ میں ایک کھلونے کی حیثیت رکھتا ہے، کامیابی کی ضمانت دی جا سکتی ہے؟

یا آپ ایسے اسلحوں کو استعمال کریں گے جو آج کے ترقی یافتہ ممالک کے اسلحوں سے کہیں زیادہ جدید اور بہتر ہوں گے؟ یہ اسلحہ اگر ایسا ہوگا تو آپ کے سپاہیوں کے ہاتھوں تک کس طرح اور کس ذریعہ سے پہنچے گا۔

۲۔ اس کے علاوہ اسلامی روایات میں یہ ملتا ہے کہ:

"آپ تلوار کے ساتھ قیام فرمائیں گے" اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ احتمال زیادہ صحیح ہے کہ آپ پرانے زمانہ ہی کے اسلحوں کو استعمال کریں گے اور ایسی صورت میں گزشتہ اعتراض دوبارہ پلٹ آتا ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ جدید اور ماڈرن اسلحوں کو نابود کر کے دوبارہ پرانے زمانے کے اسلحوں کا سہارا لیا جائے؟ کیا آج کی دنیا ایک ایٹمی جنگ میں ــــ جیسا کہ بعض دانشوروں نے پیش گوئی کی ہے۔ اس قدر تباہ اور درہم و برہم ہو جائے گی کہ ماضی کی طرف پلٹ جانے کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہوگا۔ اور آپ اس وقت ظہور فرمائیں گے؟ کیا یہ احتمال قابلِ قبول ہے؟

۳۔ ایک اور سوال یہ پیش کرتا ہے کہ کیا ظلمت پر نور اور ظلم پر عدل کی برتری کے زمانہ میں ماڈرن مشین ازم ان تمام رفاہ و آسائش کی چیزوں کے

ساتھ جس کو اس نے انسان کے لیے فراہم کیا ہے، نابود ہو جائے گا؟ اور انسان پرانی دنیا کی طرف لوٹ جائے گا؟ کیا اس رجعت اور پسپائی کو قبول کیا جا سکتا ہے؟

اور یا یہ کہ معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی نہ فقط یہ کہ یہ چیزیں اپنی جگہ پر باقی رہیں گی بلکہ بہت ہی تیزی کے ساتھ اور بھی زیادہ ترقی کی منزلیں طے کریں گی، ایک ایسی ترقی جس میں مشینی زندگی کے منفی اثرات اور اس سے پیدا ہونے والے خطرات کی روک تھام بھی کی جائے گی؟ دوسرے الفاظ میں: مشین ازم کمال اور ارتقاء کے مراحل کو بھی طے کرے گی اور اس میں سے نقصان دہ نیز خطرناک چیزوں کو نکال دیا جائے گا؟

ان سوالات کے جواب کے لیے حدیث کے مأخذوں سے بھی امداد لی جا سکتی ہے، اور عقلی دلائل سے بھی، کیونکہ یہ سوالات دونوں سے تعلق رکھتے ہیں: عقل کہتی ہے کہ:

ماضی کی طرف واپسی نہ تو ممکن ہے اور نہ معقول، یہ رسم خلقت اور انسانوں کی زندگی میں ارتقاء کے اصول کے برخلاف ہے، لہٰذا اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق و عدل کی جانب انسانی معاشرہ کی جست کے ساتھ ہی معاشرہ کی ترقی رک جائے گی، اور یا معاشرہ ماضی کی طرف پلٹ جائے گا، پسپائی اور رجعت اس قسم کی ترقی اور جست کی شان کے خلاف ہے۔

لہٰذا پوری دنیا میں عدل و انصاف اور آزادی کو برقرار کرنے کے لیے ایک عظیم مصلح کا قیام اس بات کا سبب نہ ہوگا کہ مشینی اور صنعتی تحریک مفید اور صحیح شکل میں بھی نابود ہو جائے، یا اس میں وقفہ پڑ جائے۔

موجودہ صنعتوں سے نہ صرف یہ کہ انسانوں کی زندگی کی بہت سی مشکلوں کو حل کر دیا ہے، بلکہ جیسا کہ گزشتہ بحثوں میں عرض کر چکا ہوں، ایک عالمی حکومت کے قیام کی ایک شرط یہ ہے کہ دنیا مواصلاتی ذرائع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے نزدیک ہو گئی ہو اور یہ چیزیں صنعتی ارتقاء کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بات کی ضرورت موجود ہے کہ اس صنعتی تحریک اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ارتقاء کا تصفیہ کیا جائے تاکہ اس کے منفی پہلو، نیز نقصان دہ اور خطرناک اثرات ختم ہو جائیں اور اسے صلح و عدل نیز انسانوں کے صحیح مفادات کے لیے کام میں لایا جا سکے، ظاہر ہے کہ حق و عدل کی طرفدار حکومت لازمی طور پر یہ کام انجام دے گی

یہ تو ٹیکنالوجی اور صنعت کی ترقی کے بارے میں تھا۔

اسلحہ کی صورت یہ ہے کہ:

اس قسم کی حکومت قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ظالم اور مطلق العنان حکومتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، اور ان کا قلع قمع کرنے کے لیے کم از کم موجودہ شرائط میں "برتر اسلحہ" کی ضرورت ہے، ایسا اسلحہ جس کے بارے میں اس وقت تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

— آیا اسلحہ "اسرار آمیز اور مجہول شعاع" کے مانند ہے جس کی طاقت ان تمام اسلحوں سے زیادہ ہے، اور دنیا کے تمام اسلحوں کو ناکارہ بنا کر بڑی طاقتوں کے ان اسلحوں کو استعمال کرنے کے منصوبے کو خاک میں ملا سکتی ہے؟

— یا یہ ایک طرح کی رموز نفسیاتی تاثیر ہے جس کے ذریعہ سے ان کی سوجھ بوجھ کی صلاحیت کو ناکارہ بنا دیا جائیگا تاکہ وہ ان خطرناک اسلحوں کو استعمال کرنے کے لیے سوچ بھی نہ سکیں؟

— یا یہ کہ ان کے دلوں میں ایک طرح کا خارق العادت خوف اور

ڈر پیدا ہو جائے گا جو اس سلسلہ میں ان کو ہر قسم کا منصوبہ بنانے سے روک دے گا؟! — یا کوئی اور چیز......

— نہیں معلوم، ہم اس اسلحہ کے بارے میں کوئی واضح بات بتانے[۱] سے عاجز ہیں، بس اجمال کے طور پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک برتر اسلحہ ہوگا — اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ایسا اسلحہ نہیں ہے، جو گناہ گار اور بے گناہ کو ایک ساتھ نابود کر دے، اور آج کے ظلم و ستم پر آئندہ کے عدل کی بنیاد رکھے۔

یہ جواب تو عقلی تجزیہ و تحلیل کے نقطہ نظر سے تھا۔

حدیث کے نقطہ نظر سے

اس کے علاوہ احادیث کے ذخیروں میں بھی بہت سی ایسی عمدہ تعبیریں نظر آتی ہیں جو ضمنی طور پر ان سوالات کا بہت صاف اور سیدھا جواب دیتی ہیں منجملہ!

ٍ ٍ ٍ

۱۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ

إِنَّ قَائِمَنَا إِذَا قَامَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَاسْتَغْنَى الْعِبَادُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ ؛

"جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو زمین اپنے پروردگار کے نور سے منور ہو جائے گی، اور اللہ کے بندے سورج کی روشنی سے بے نیاز ہو جائیں گے۔" [۱]

اس حدیث سے نتیجہ نکلتا ہے کہ روشنی اور انرجی کا مسئلہ اس طرح حل ہو

---

[۱] بحار الانوار ج ۱۳۔ ص ۱۷۶ طبع قدیم

جائے گا کہ لوگ شب و روز اتنی زیادہ طاقت ور روشنی سے فائدہ اٹھائیں گے جو انہیں سورج کی روشنی سے بے نیاز کر دے گی۔

کیا اس موضوع کو بھی معجزہ کی شکل دے دیں؟ حالانکہ روزمرہ کے زمینی نظام کو — وہ بھی دائمی طور پر — طبعی اصول پر ہی چلنا چاہیے، نہ کہ معجزے کے ذریعے، کیونکہ معجزہ ضروری مقامات کے لیے ایک استثناء ہے، وہ بھی صرف نبوّت یا امامت کے دعوے کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے۔

کسی بھی پیغمبر کے زمانہ میں لوگوں کی روزمرہ زندگی کا نظام معجزے کے سہارے نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ لازمی طور پر اس دور میں علم اور صنعت کے میدان میں اس حد تک ترقی کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ لوگ اس عظیم رہبر کی قیادت میں روشنی اور انرجی کے اس بے کراں سرچشمہ کا انکشاف کر لیں گے جو سورج کی روشنی کا جانشین بن سکتا ہے۔

تو کیا ایسے دور اور ایسے حالات میں صلح و آزادی و عدل کو برقرار کرنے کے لیے لوگوں کے اسلحے پرانے زمانے کے اسلحوں جیسے ہوں گے، اور کیا ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت پائی جاتی ہے؟

* * *

۲۔ ایک دوسری حدیث میں ابوبصیر امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں!

إِذَا تَنَاهَتِ الْأُمُورُ إِلَى صَاحِبِ هٰذَا الْأَمْرِ رَفَعَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَهٗ كُلَّ مُنْخَفِضٍ مِنَ الْأَرْضِ وَخَفَضَ لَهٗ كُلَّ مُرْتَفِعٍ حَتّٰى تَكُونَ الدُّنْيَا عِنْدَهٗ بِمَنْزِلَةِ رَاحَتِهٖ فَأَيُّكُمْ لَوْ كَانَتْ فِي رَاحَتِهٖ شَعْرَةٌ لَمْ يُبْصِرْهَا؟!

"جب تمام امور ولایت کے مالک حضرت مہدی کے ہاتھ میں آجائیں گے،

خداوند عالم زمین کے پست نقطوں کو رفعت بخشے گا اور اس کے
تمام اونچے حصّوں کو اس طرح سے نیچے لے آئے گا کہ آپ کے لیے
تمام دنیا ہتھیلی کے مانند ہو جائے گی، ! تم میں سے کون ایسا ہے جس
کی ہتھیلی میں بال ہو اور وہ اس کو نہ دیکھتا ہو! ؟[1]"

آج کے دور میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ٹرانسمیٹر نصب کر کے دنیا کے مختلف حصوں میں اس کی مدد سے تصویریں بھیجتے ہیں، حتیٰ کہ مصنوعی چاند بنا کر اور بھی زیادہ وسیع علاقوں تک تصویروں کا ردّ و بدل کرتے ہیں، تاکہ جن لوگوں کے پاس ٹیلیویژن وغیرہ ہے وہ ان تصویروں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

لیکن فی الحال اس کا برعکس ممکن نہیں ہے، یعنی تصویروں کو ایک نقطہ سے پوری دنیا میں تو منتقل کیا جا سکتا ہے، لیکن دنیا کے کونے کونے سے تصویروں کو ایک نقطہ پر منتقل نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہر شہر بلکہ ہر گھر، تمام صحراؤں اور پہاڑوں پر ٹرانسمیٹر نصب کیے جائیں۔ دنیا کے کونے کونے، چپہ چپہ میں جدید ترین آلات سے لیس طاقتور ٹرانسمیٹر نصب ہوں، تاکہ پوری دنیا کے حالات سے مطلع ہوا جا سکے، اور اس طرح کی چیز موجودہ آلات کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔

لیکن مذکورہ بالا حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مہدی عج کے ظہور کے زمانہ میں تصویروں کے ردّ و بدل کے لیے ایک بہت ہی طاقتور اور بہترین آلات سے لیس نظام ایجاد کیا جائیگا کہ شاید اس وقت اس کا تصوّر بھی ہمارے لیے مشکل ہو، پوری دنیا ہتھیلی کے مانند ہو جائے گی، زمین کی پستی اور بلندیاں، روئے زمین کی موجودات

---

[1] بحار الانوار ج ۱۳ طبع قدیم ص ۱۸۵

کو دیکھنے کی راہ میں حائل نہ ہوں گی!

ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح کے مواصلاتی نظام اور پورے کرہ ارض پر اطلاعات کے لحاظ سے مسلط ہوئے بغیر ایک ایسی عالمی حکومت کا قیام ممکن نہ ہوگا جو پوری دنیا میں زندگی کے ہر شعبہ میں سرعت کے ساتھ صلح وصفا، امن وامان اور عدل وانصاف برقرار کرے گی، اور خداوند عالم اس مواصلاتی نظام کو آپ کی حکومت کے لیے فراہم کرے گا۔

یہاں ایک دفعہ پھر اس بات کی تاکید کرنا ضروری ہے کہ جن امور کا سروکار عوام کی روزمرہ زندگی سے ہے، بعید ہے کہ وہ امور معجزہ کے ذریعہ انجام پائیں، بلکہ ان کو عام طریقوں ہی سے انجام پانا چاہیے، اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ سائنس اور صنعت کے میدان میں زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل ہو۔

یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک ایسا ترقی یافتہ مواصلاتی نظام پس ماندہ سماج میں نہیں پایا جاسکتا، بلکہ ضروری ہے کہ اسی کے ساتھ ساتھ زندگی کے بقیہ شعبوں میں بھی اتنی ہی ترقی حاصل ہو یعنی ہر میدان اور ہر شعبہ حتیٰ کہ اسلحہ تک کے سلسلہ میں انسان ترقی کی انتہا تک پہنچ جائے۔

* * *

۳۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا:

ذَخَرَ لِصَاحِبِکُمُ الصَّعْبَ!

قُلْتُ: وَمَا الصَّعْبُ؟

قَالَ: مَا کَانَ مِنْ سَحَابٍ فِیْهِ رَعْدٌ وَصَاعِقَةٌ أَوْ بَرْقٌ فَصَاحِبُکُمْ یَرْکَبُهُ إِمَا إِنَّهُ سَیَرْکَبُ السَّحَابَ وَیَرْقٰی فِی الْأَسْبَابِ! أَسْبَابِ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَالْأَرَضِیْنَ!

"تمہارے صاحب اور دوست مہدیؑ کے لیے سرکش وسیلہ کیا گیا ہے، راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کہ سرکش وسیلہ سے کیا مراد ہے؟ امامؑ نے فرمایا: وہ ایک ایسا بادل ہے جس میں بجلی اور رعد کی گڑگڑاہٹ اور چنگھاڑ ہے وہ اس پر سوار ہوں گے، آگاہ ہو جاؤ کہ وہ جلد ہی سحاب پر سوار ہوں گے، اور زمین و آسمان کے ساتوں طبقوں کی طرف سفر کریں گے۔"[1]

یقیناً یہاں پر سحاب سے مراد یہ معمولی بادل نہیں ہے، کیونکہ ان معمولی بادلوں کے ذریعہ خلائی سفر نہیں کیا جا سکتا، زمین اور بادلوں کے درمیان کوئی بہت زیادہ فاصلہ نہیں ہے، بادل زمین کی سطح کے نزدیک ہی چلتے پھرتے ہیں۔ یہ بادل اس سے زیادہ اوپر کی طرف نہیں جا سکتے، بلکہ یہ ایک ایسی تیز رفتار سواری کی طرف اشارہ ہے جو آسمان پر بادل کے گھٹے ہوئے ٹکڑے کے مانند نظر آئے گی، اس کی گرج اور گڑگڑاہٹ رعد کی طرح اور اس کی طاقت و شدت بجلی کے مانند ہوگی اور جب اڑے گی تو اپنی غیر معمولی طاقت کے ذریعہ آسمان کے سینہ کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتی رہے گی، وہ آسمان کے ہر نقطہ کی طرف جا سکتی ہوگی۔

اس طرح یہ سواری آج کل کی ماڈرن سواریوں سے مافوق ہے، اور اس دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، صرف اڑن طشتریاں اور اسی طرح کی دوسری برق رفتار سواریاں جس کی داستانیں سننے میں آتی ہیں، اور نہیں معلوم کس حد تک حقیقت رکھتی ہیں، شاید اس سواری سے شباہت رکھتی ہوں، لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ سواری اڑن طشتری نہیں ہے۔

---

[1] بحار جلد ۱۳ - طبع قدیم ص ۱۸۴

بہرحال اس حدیث سے اجمالی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صنعتی زوال کا مسئلہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس یہاں تو صنعت کے میدان میں غیر معمولی ترقی کا چرچا ہے، البتہ صنعت کے ساتھ ساتھ دوسرے شعبوں میں بھی اتنی ہی ترقی حاصل ہونا ضروری ہے،

ش ش ش

۴ - ایک اور عجیب و غریب حدیث امام محمد باقرؑ سے جابر نے نقل کی ہے کہ:

إِنَّمَا سُمِّيَ الْمَهْدِيَّ لِأَنَّهُ يَهْدِي إِلَىٰ أَمْرٍ خَفِيٍّ، حَتَّىٰ أَنَّهُ يَبْعَثُ إِلَىٰ رَجُلٍ لَا يَعْلَمُ النَّاسُ لَهُ ذَنْبٌ فَيَقْتُلُهُ، حَتَّىٰ إِنَّ أَحَدَهُمْ يَتَكَلَّمُ فِي بَيْتِهِ فَيَخَافُ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْهِ الْجِدَارُ!

آپ کا نام مہدی اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ کو مخفی اور پنہاں امور کی طرف ہدایت کی جائے گی، یہاں تک کہ بعض اوقات آپ کسی کو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجیں گے جس کو لوگ بے گناہ سمجھتے ہیں، لیکن آپ اس کو قتل کر دیں گے (کیونکہ اس کے مخفی اور پوشیدہ گناہ سے جو قتل نفس ہے اور جو قصاص کا سبب ہوتا ہے، آپ مطلع ہو جائیں گے) یہاں تک کہ بعض لوگ جب اپنے گھروں میں باتیں کریں گے تو ان کو یہ ڈر ہوگا کہ کہیں دیوار ان کے خلاف گواہی نہ دیدے۔ (اور ان کی سازشوں سے حضرت مہدی کی حکومت کو باخبر کر دے)[1]

یہ حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ آپ کی حکومت کے دور میں مومن اور صالح بندے آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے لیکن اسی عالم میں مجرموں پر اتنا سخت

---

[1] بحار الانوار ج ۱۳

کنٹرول بھی ہوگا کہ ممکن ہے ترقی یافتہ آلات کے ذریعہ ان کی آواز کی موجوں کو ان کے گھروں کی دیوار سے واپس لے لیا جائے اور وقت ضرورت پر سمجھا جا سکتا ہو۔ کہ انھوں نے اپنے گھر کے اندر کیا کہا ہے اور کیا سازش بنائی ہے ؟ !

شاید سو سال پہلے یہ بات معجزہ کے سوا قابل تصور نہ رہی ہو، لیکن آج جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے ملکوں میں سڑکوں پر ٹریفک، کاروں اور گاڑیوں کی رفتار کو دور سے بیٹھے ہوئے پولیس کی موجودگی کے بغیر، راڈر کے ذریعہ کنٹرول کرتے ہیں یا جب ہم یہ سنتے ہیں کہ دانشوروں نے مصر میں میوزیم کے کوزوں پر موجودہ امواج کے ذریعہ دو ہزار سال قبل کے کوزہ گروں کی آواز کو زندہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے، یا جب یہ سنتے ہیں کہ ایسی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں، جو کسی جگہ پر فراری چور یا قاتل کی بچی ہوئی حرارت کی امواج (مادون قرمز امواج INFRA-RED HEAT) کے ذریعہ اس کا فوٹو اتار کر اس کو پہچان سکتی ہیں، تو پھر یہ بات زیادہ تعجب خیز معلوم نہیں ہوتی۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا اس سے مجموعی طور پر تمام گزشتہ سوالات کے جواب مل جاتے ہیں کہ حضرت مہدی کے انقلاب کے زمانہ میں نہ صرف یہ کہ صنعت کو زوال نہ آئے گا بلکہ ٹیکنالوجی اور صنعت کو اس حد تک وسعت اور ترقی حاصل ہو جائے گی جس کی مثال نہ ہوگی، لیکن اس ٹیکنالوجی سے صرف انسانوں کے فائدے اور حق و عدل کے پیاسوں، آزادی خواہوں، اور حق طلبوں کے مقدس ارمان کو پورا کرنے کے لیے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

☆ ☆ ☆

اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اتنی ساری روایات جو یہ کہتی ہیں کہ حضرت مہدیؑ شمشیر کے ساتھ قیام کریں گے، اس کا مطلب کیا ہے ؟ حتیٰ کہ وہ

دعائیں جو ہمیں اس عظیم آزادی بخش جہاد میں شرکت کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہیں۔ اُن میں بھی ہم اس دن کا انتظار کرتے ہیں، جس دن تلوار کھینچے ہوئے (شَاھِرًا سَیْفَہٗ) اِن مجاہدوں کی صف میں شریک ہو جائیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "شمشیر" ہمیشہ طاقت اور فوجی قوت کی طرف اشارہ ہے، جس طرح سے "قلم" علم اور ثقافت کی طرف کنایہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حتیٰ کہ پرانے زمانے کی جنگوں میں بھی شمشیر کے علاوہ اور بھی دوسرے اسلحوں کو استعمال کیا جاتا تھا جیسے تیر کمان، نیزہ، خنجر، لیکن ہمیشہ یہی کہا جاتا ہے کہ اگر فلاں بات کو نہیں مانو گے تو "تلوار تم سے تسلیم کروائے گی" یا یہ کہ "ہم تلوار کے زور پر اپنا حق لے لیں گے"

یا یہ کہ پرانے زمانہ سے یہ بات مشہور ہے کہ ملک کے نظام کو دو چیزوں کے ذریعہ سے چلایا جاتا ہے، قلم اور شمشیر۔

یہ سب چیزیں سمبولیک، کنایہ اور مثال کا پہلو رکھتی ہیں، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ فلاں کام طاقت کے بل بوتے پر اور فوجی قوت کے ذریعہ انجام دیا جائے گا۔

اس زمانہ میں بھی اس سلسلہ میں بہت سی ضرب المثل موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے: "فلاں شخص ننگی تلوار لٹکائے ہوئے ہے"، یعنی کھلم کھلا اپنی طاقت کی نمائش کر رہا ہے۔

یا یہ کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار حکومت کرے گی"، اس کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ کے بغیر یہ مسئلہ حل نہ ہو گا۔

یا یہ کہ "جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جاؤں، تلوار کو میان میں نہیں رکھوں گا یعنی آخری دم تک جدوجہد جاری رکھوں گا یا یہ کہ فلاں شخص نے تلوار کو میان میں رکھ لیا ہے یعنی اس نے جنگ یا جدوجہد سے ہاتھ روک لیا ہے۔ یا یہ کہ "فلاں شخص دو دھاری تلوار ہے یعنی دو طرف سے مقابلہ اور جدوجہد کرتا ہے، ان تمام مثلوں میں تلوار، طاقت، مبارزہ اور جدوجہد کا کنایہ

ہے، اسلامی روایات میں بھی اس قسم کے اشارات بہت سے مقامات پر موجود ہیں مثلاً:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ:

"بہشت تلواروں کے سایہ میں ہے"

اَلسُّيُوفُ مَقَالِيدُ الْجَنَّةِ.

"تلواریں جنت کی کنجیاں ہیں"

یہ تمام چیزیں، جہاد، جاں بازی، اور طاقت کے استعمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں، اور "تلوار" یا "قلم" سے اس طرح کی تمثیلی تعبیرات مختلف زبانوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ تلوار کے ساتھ حضرت مہدیؑ کے قیام کا مطلب یہ ہے کہ آپ طاقت استعمال کریں گے تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو سکے کہ یہ عظیم آسمانی مصلح ایک معلّم یا واعظ یا سماجی مسائل کے رہنما کی شکل میں ظاہر ہو گا اور اس کا کام صرف لوگوں کو نصیحت کرنا ہے۔

بلکہ وہ ایسا دور اندیش رہبر ہے جو پہلے منطق اور عقلی دلائل سے کام لے گا۔ جب لوگ ایسے ہوں کہ ان پر حق باتیں اور منطق بے اثر ہو جائے اور ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو ــــ کیونکہ بہت سے ظالم اور ستمگر منطق کی زبان نہیں سمجھتے ــــ اس وقت آپ تلوار اٹھائیں گے۔ یعنی طاقت کے زور پر ان ظالموں اور ستمگروں کو تنبیہ کریں گے، یا اگر ضروری ہوا تو ان کے منحوس اور کثیف وجود سے اس دنیا کو پاک کر دیں گے، اور اس میں شک نہیں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی اصلاح کے لیے طاقت کے استعمال کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

اَلنَّاسُ لَا يُقِيمُهُمْ اِلَّا السَّيْفُ

"لوگوں کو صرف تلوار ہی سیدھا کر سکتی ہے!"

اور دوسرے الفاظ میں : آپ کا فریضہ صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو بیدار کریں اور ان کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کریں، بلکہ اس کے علاوہ۔ آپ کا سب سے اہم فریضۂ الٰہی قوانین کو نافذ کرنا، اسلام کے ارتقائی انقلاب کو کامیاب بنانا لوگوں کو مقصد تک پہنچانا اور ایصال الی المطلوب ہے۔

اگرچہ گزشتہ بحث سے یہ نکتہ بھی واضح ہو چکا ہے، لیکن اس کو صراحت کے ساتھ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کوتاہ فکروں کے خیالات کے برخلاف جو یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنے ظہور کے وقت کچھ کہے سُنے بغیر طاقت کا استعمال شروع کر دیں گے اور اس جھوٹے افسانہ کے مطابق اس قدر خون بہائیں گے کہ خون آپ کی رکاب تک پہنچ جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ پہلے لوگوں کو سمجھائیں گے، ان کی فکر کو بیدار کریں گے، زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی ہدایت کریں گے، یا مذہبی الفاظ میں اس طرح "اتمام حجت" کریں گے کہ جس شخص میں دین حق کی منطق کو قبول کرنے کے لیے ذرہ برابر بھی آمادگی پائی جاتی ہوگی، اس پر حقائق روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے، اور صرف ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جن کی اصلاح طاقت کے استعمال کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

درحقیقت یہ ایک ایسی بات ہے جس کی دلیل خود اسی کے اندر موجود ہے مگر اس موضوع کو ثابت کرنے کے لیے کچھ روشن قرائن بھی موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مہدیؑ کا اسلوب، پیغمبر اسلام کا اسلوب ہے، آنحضرتؐ مکہ میں تیرہ سال تک لوگوں کو دعوت دیتے رہے، کبھی کھلم کھلا اور کبھی مخفی طریقہ سے، اور جو لوگ حق کے ساتھی تھے، آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے، لیکن ظالم و ستمگر لوگ جو نادان اور جاہل عوام کی اکثریت کو اپنا غلام بنائے رہتے

ہیں۔ آپ کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے، آنحضرتؐ نے مجبوراً مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کا رُخ کیا، مدینہ میں اسلامی حکومت قائم کر کے طاقت فراہم کر کے، ان لوگوں کا منہ توڑ جواب دیا، اور اسلام کی ہمہ گیر دعوت کے لیے راستہ کو ہموار کر دیا۔

اگرچہ اسلام کی دعوت کے بارے میں بہت زیادہ زہر اگلا گیا ہے کہ اسلام دین شمشیر ہے، اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے، لیکن اس وقت ان کے مقابلہ میں جو سب سے بڑی دلیل موجود ہے اور جسے الحمدللہ یہ لوگ چھپانے کی توانائی نہیں رکھتے وہ یہی قرآن ہے۔

اگر اسلام طاقت اور تشدد کا دین ہوتا تو پھر قرآن مجید میں حقائق کو ثابت کرنے کے لیے اتنے سارے استدلال بیان نہ کیے جاتے، خداشناسی، قیامت اور اسلام کے بنیادی اصول کے سلسلہ میں اس قدر مختلف قسم کی دلیلوں کا سہارا نہ لیا جاتا، صاحبان فکر اور صاحبان عقل کو قضاوت کرنے کے لیے اس قدر دعوت نہ دی گئی ہوتی علم و دانش کے بارے میں اس قدر باتیں نہ ملتیں کیونکہ طاقت کے نشہ میں چور فوجی حکومت دلیل اور استدلال نہیں سمجھتی۔

اس کے علاوہ اسلام طاقت استعمال کرتے وقت بھی اپنے اس عمل کو منطقی دلائل کے ذریعہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جنگ ایک ایسی ضرورت ہے جس سے اجتناب ممکن نہیں ہے۔

بہرحال حضرت مہدیؑ بھی پیغمبر اسلامؐ کے نقش قدم پر چلیں گے اور آپ کے اسلوب کو اپنائیں گے۔ اس کے علاوہ حضرت مہدیؑ کے ظہور کے زمانہ میں لوگوں کی معلومات کی سطح بلند اور فکروں میں جلا پیدا ہو چکی ہوگی، یہاں پر زیادہ تر منطق سے کام لیا جائے گا، لیکن ظالموں اور ستمگروں کے دن بدن بڑھتے ہوئے تشدد کا جواب تشدد سے دینا لازم ہے، ان کے مقابلہ میں طاقت کا استعمال ضروری ہے۔

یقیناً بعض جگہوں پر آپ کا انقلاب، خونی انقلاب ہوگا، اور انسانی سماج کے جسم کا گندا اور فاسد خون آپ کی تلوار سے نکال دیا جائے گا، اور کسی بھی فاسد معاشرہ میں اس کے بغیر بنیادی اصلاح ممکن نہیں ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ بے حساب خون بہائیں گے اور بلا وجہ لوگوں کو قتل کریں گے، بلکہ اس ڈاکٹر کی طرح جو بیمار کے جسم سے خون نکالتے وقت ملی گرام کا بھی حساب کرتا ہے۔

آپکی عالمی حکومت کا اسلوب

تاریخ بشریت کے عظیم انقلابی حضرت مہدی کے سلسلہ میں تین معیّن دَور پائے جاتے ہیں۔

۱۔ آمادگی، انتظار، اور ظہور کی علامتوں کا دَور
۲۔ انقلاب آنے اور ظلم وستم وفساد کو مٹانے کے لیے جنگ کرنے کا دَور
۳۔ حق وعدل کی حکومت کا دَور۔

پہلے اور دوسرے دَور کے سلسلہ میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے اور اب تیسرے دَور کی باری ہے، جو اس عظیم ہمہ گیر انقلاب کا نتیجہ اور ماحصل ہے لیکن باوجودیکہ اس موضوع کی اہمیت بہت زیادہ ہے لیکن اس سلسلہ میں بہت کم بحث کی جاتی ہے۔

بہر حال اس بات کا تصور کہ ایک ایسی دنیا وجود میں آئے جو ناحق امتیازات،

طبقاتی اختلافات، اور فتنہ پرور صف بندیوں، تفرقے اور جدائی، جنگ و خونریزی اور جارحیت ـــ نیز ـــ سامراجیوں کے مستانہ ٹھٹھے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے محروموں کے ناموں سے خالی ہو۔

یہ تصور کس قدر دلپذیر، سرور انگیز، آرام بخش اور نشاط آفریں ہے ـــــ!!

لیکن جس قدر خیالات کی دنیا میں ایک ایسی کائنات کا نقشہ کھینچنا آسان ہے اتنا ہی عمل کے لحاظ سے مشکل اور طاقت فرسا ہے لیکن بہرحال بشریت مجبور ہے کہ اس راستہ کو طے کرے، اور اس فکر کو عملی جامہ پہنائے، ورنہ تباہی اور بربادی کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہ رہ جائے گا۔

اسلامی روایات میں ایسے سماج کے بنیادی خطوط مختصر لیکن معنی خیز عبارتوں میں بیان کیے گئے ہیں، اور یہ عبارتیں تیرہ چودہ سو برس پرانی ہو جانے کے باوجود آج بھی انتہائی تر و تازہ ہیں۔

یہاں ہم اس موضوع سے متعلق چند اہم باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

۱۔ حضرت مہدی کے دور میں علم کی برق رفتار ترقی

کوئی بھی انقلابی منصوبہ نہ تو فکری اور ثقافتی انقلاب کے بغیر دوام پیدا کرسکتا ہے اور نہ ترقی کی منزلیں طے کرسکتا ہے لہٰذا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ثقافتی انقلاب کے لیے اقدام کیا جائے تاکہ افکار کو دونوں طرف سے متحرک کیا جا سکے۔

ایک طرف سے ان علوم کے سلسلہ میں جن کی ایک آزاد اور سالم معاشرہ کو ضرورت ہوا کرتی ہے (یہ مادی اور دنیاوی نقطہ نظر سے) اور دوسری طرف سے، ایمان کے سایہ میں صحیح اور انسانی زندگی کے اصول سے مطلع ہونے کے لیے (معنوی

اور بنیادی نقطۂ نظر سے) ۔

ایک حدیث امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ :

اَلْعِلْمُ سَبْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ حَرْفاً فَجَمِيْعُ مَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ حَرْفَانِ فَلَمْ يَعْرِفِ النَّاسُ حَتَّى الْيَوْمَ غَيْرَ الْحَرْفَيْنِ، فَإِذَا قَامَ قَائِمُنَا أَخْرَجَ الْخَمْسَةَ وَالْعِشْرِيْنَ حَرْفاً، فَبَثَّهَا فِي النَّاسِ وَضَمَّ إِلَيْهَا الْحَرْفَيْنِ حَتَّى يَبُثَّهَا سَبْعَةً وَعِشْرِيْنَ حَرْفاً :

"علم ستائیس حروف (۲۷ شعبہ) ہیں، پیغمبروں نے جو کچھ لوگوں کو تعلیم دیا ہے وہ صرف دو حرف تھے، اور لوگوں نے ابھی تک صرف وہی دو حرف سیکھے ہیں، لیکن جب ہمارے قائم قیام کریں گے تو بقیہ ۲۵ حروف (پچیس ۲۵ شعبوں) کو آشکار کریں گے، اور لوگوں کو تعلیم دیں گے، ان دو حروف کو اس کے ساتھ ضمیمہ کر دیں گے تاکہ پورے ستائیس حروف کی تعلیم دے دی جائے [1]"

اس حدیث سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت مہدیؑ کے انقلاب کے دور میں علم ایک خلاف معمول چھلانگ لگائے گا، جست کرے گا کہ تمام پیغمبروں کے زمانے میں جتنا علم انسانوں کو دیا گیا ہے، اس سے بارہ گنا زیادہ ترقی حاصل ہوگی، انسان کے لیے تمام مفید اور تعمیری علوم کے دروازے کھل جائیں گے، اور جتنے راستہ کو انسان نے ہزاروں سال میں طے کیا ہے، اس سے بارہ گنا زیادہ راستہ مختصر سے عرصہ میں طے کرے گا، اس سے زیادہ سریع اور بہتر جست اور کیا ہو سکتی ہے؟!

ایک اور حدیث جو امام محمد باقرؑ سے منقول ہے، مذکورہ بالا حدیث کے

---

[1] بحار جلد ۱۳ - طبع قدیم صـ۱۸۷

مفہوم کو مکمل کر دیتی ہے!

إِذَا قَامَ قَائِمُنَا وَضَعَ اللّٰهُ يَدَهُ عَلَىٰ رُؤُوْسِ الْعِبَادِ فَجَمَعَ بِهَا عُقُوْلَهُمْ ۝ وَكَمُلَتْ بِهَا عُقُوْلُهُمْ ۝ وَكَمُلَتْ بِهَا اَحْلَامُهُمْ ۝!

"جب ہمارا قائم قیام کرے گا، خداوند عالم اس کے ہاتھ کو بندوں کے سر پر رکھ دے گا، اور اس کے ذریعہ ان کی عقلوں کو کامل، اور ان کی افکار کو پروان چڑھا کر مکمل کر دے گا۔" [1]

اور اس طرح سے حضرت مہدی عج کی ہدایت کے پرتو میں اور آپ کی عنایتوں کے زیر سایہ اذہان ترقی کی منزلوں کو طے کریں گے، فکریں کھل اٹھیں گی، اور ہر طرح کی کوتاہ فکری، تنگ نظری اور پست افکار جو بہت سے اختلافات، لڑائی جھگڑوں اور سماجی جنگوں کا سرچشمہ ہیں ختم ہو جائیں گے۔

بلند نظر، روشن خیال، وسیع النظر، دُور اندیش، وسیع القلب، اور بلند ہمت افراد کی تربیت کی جائے گی کہ یہ لوگ بہت سی معاشرتی مشکلوں کو اپنی روح کے اندر حل کر لیں گے، اور صلح و صفا سے لبریز دنیا کی تعمیر کریں گے۔

آج بھی ہر قسم کی سماجی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ فکروں میں تبدیلی اور روح میں انقلاب آئے۔

۞ ۞ ۞

۲۔ اس زمانہ میں صنعت کی فوق العادت ترقی:

"کامیابی کا راستہ" کے عنوان سے گزشتہ بحث میں چار حدیثیں

---

[1] بحار ج ۱۳۔ طبع قدیم ص ۱۸۵

ذکر کی گئی ہیں، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ علمی جست، ایک اعلیٰ پیمانے پر ٹیکنالوجی اور صنعتوں کو بھی شامل کیے ہوئے ہے۔

مواصلاتی آلات اس قدر ترقی یافتہ ہوں گے کہ دنیا ہتھیلی کی طرح سے نظروں کے سامنے ہوگی اور اس کے ذریعہ مرکزی حکومت پوری دنیا کے حالات پر مسلط رہیگی تاکہ موقع پہ وقت ضائع کیے بغیر عالمی مشکلات کو حل کرنے کے لیے کوشش کرے، اور (عمدی وغیر عمدی) ہر قسم کے فساد کو سر اٹھاتے ہی سرکوب کردے۔[۱]

انرجی اور روشنی کی مشکل اس حد تک حل ہوجائے گی کہ انسان سورج کی اس انرجی سے بھی بے نیاز ہوجائے گا جو ایٹمی توانائی کے علاوہ تمام توانائیوں کا سرچشمہ اور ان کی بازگشت کی جگہ ہے۔

شاید یہ بات جوہری توانائی کے ترقی یافتہ نظام کے پرتو میں امکان پذیر ہوگی۔ ان موجودہ تشعشعات کو تصفیہ کرکے جو کہ اس وقت ایٹمی توانائی کے استعمال میں سب سے بڑی مشکل ہیں۔[۲]

تیز رفتار سواریاں، جن کے مقابلہ میں موجودہ سواریاں ہیچ ہیں، نہ صرف پورے کرہ ارض کا چکر لگانے کے لیے بلکہ طولانی خلائی سفر کرنے کے لیے اس حکومت کے قبضہ میں ہوں گی[۳]

اور یہ چیز بھی اس حکومت کے اصلاحی مقاصد میں مدد کرتی ہے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

۱۔ گزشتہ فصل کی دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ گزشتہ فصل کی پہلی حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ گزشتہ فصل کی تیسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

اِنَّ قَائِمَنَا اِذَا قَامَ مَدَّ اللّٰہُ لِشِیْعَتِنَا فِیْ اَسْمَاعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ الْقَائِمِ بَرِیْدٌ، یُکَلِّمُھُمْ فَیَسْمَعُوْنَ وَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ وَھُوَ فِیْ مَکَانِہٖ !

"جب ہمارے قائم قیام کریں گے، خداوند عالم ہمارے شیعوں کی آنکھوں اور کانوں کو اس قدر قدرت عطا کرے گا کہ ان کے اور قائم (ان کے رہبر اور امام) کے درمیان کوئی قاصد نہ ہوگا، قائم ان لوگوں سے باتیں کریں گے، اور شیعہ ان کی باتوں کو سنیں گے، اور ان کو دیکھیں گے، حالانکہ وہ اپنے مکان میں ہوں گے (اور شیعہ دنیا کے دوسرے حصوں میں)![1]

یعنی "آواز" اور "تصویر" کو منتقل کرنے کے آلات اس قدر عام ہوجائیں گے اور آپ عجؑ کے پیروکاران وسائل کو اتنی آسانی کے ساتھ حاصل کر سکیں گے کہ اس حکومت کے دور میں ڈاک خانہ کی ضرورت محسوس نہ ہوگی!

اس حکومت کے مسائل اور مشکلات فائلوں کی قید میں اسیر ہوئے بغیر حل و فصل کیے جائیں گے، اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق نہ ہوگا کہ شاید آدھا وقت اسی فائل بازی کے چکر میں برباد ہوجاتا ہے۔ کام بہت ہی آہستگی کے ساتھ انجام پاتا ہے، اور حق داروں کو اپنے حق کو حاصل کرنے میں بہت زیادہ تاخیر ہوجاتی ہے۔

تمام احکام اور منصوبے "شہود و حضور" کے نظام کے ذریعہ اعلان اور اجرا کیے جائیں گے، وقت برباد کرنے والے زائد اور فالتو قوانین کو حذف کر دیں اور انسانی معاشرہ کے نظم و نسق کو چلانے کے لیے کتنا عمدہ ہے یہ منصوبہ؟!

اسی سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ سے ایک اور حدیث منقول ہے جو اس موضوع

---

[1] روضہ کافی۔ (منتخب الاثر ص ۴۸۳ کی نقل کے مطابق)

کو بہت اچھی طرح واضح کر کے مکمل کر دیتی ہے!

إِنَّ الْمُؤْمِنَ فِي زَمَانِ قَائِمٍ وَهُوَ بِالْمَشْرِقِ سَيَرَىٰ أَخَاهُ الَّذِي فِي الْمَغْرِبِ، وَكَذَا الَّذِي فِي الْمَغْرِبِ يَرَىٰ أَخَاهُ الَّذِي فِي الْمَشْرِقِ۔

"امام قائمؑ کے زمانے میں، مومن مشرق میں بیٹھے بیٹھے اپنے بھائی کو مغرب میں دیکھ سکے گا، اسی طرح مغرب کا باشندہ، اپنے مشرق میں رہنے والے بھائی کو دیکھے گا۔" [1]

گویا نہ صرف یہ کہ یہ مستقیم رابطہ حکومتی سطح پر برقرار ہوگا، بلکہ عوامی سطح پر بھی برقرار ہو جائے گا، ظاہری وجسمانی پیوندوں کے روحانی اور معنوی پیوندوں کو اور بھی مستحکم کر دیں گے، دنیا ایک گھر کی مانند اور سارے عوام ایک گھر کے افراد کی طرح ہو جائیں گے!

اسی طرح سائنس اور صنعت کو دنیا کی حالت بہتر بنانے نیز اخوت اور برابری کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا — نہ کہ تباہی اور ویرانی کے لیے۔

❊ ❊ ❊

۳۔ عظیم معاشیاتی ترقی اور اجتماعی عدل:

جس زمین پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، اس میں ہماری اور ہماری آئندہ اور موجودہ آبادی سے کئی گنا زیادہ آبادی کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، لیکن ایک طرف سے موجودہ ذخیروں اور زمین کے بالقوت ذخیروں کے

---

[1] منتخب الاثر ص ۴۸۳

بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے اور دوسری طرف سے زمین پر موجود دولت کی تقسیم کے موجودہ غلط نظام کی وجہ سے مختلف چیزوں کی کمی کا احساس ہوتا ہے، اور اب تو نوبت یہ آگئی ہے کہ ہر روز کچھ انسان بھوک سے تڑپ تڑپ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

آج کی دنیا کے اقتصادیات پر حاکم نظام جو ایک سامراجی نظام ہے اپنی آغوش میں ایک ظالمانہ جنگی نظام کو پروان چڑھا رہا ہے، جو انسانی اور فکری طاقت کے ایک اہم حصہ کو جسے انسانوں کی زندگی خوشحال بنانے کے لیے رات دن نئے ذخیروں کی تلاش میں مشغول رہنا چاہیے، تباہ کر رہا ہے — لیکن جب اس قسم کے نظام بدل جائیں گے اور تمام انسانی صلاحیتیں زمین کے بے شمار خزانوں کے انکشاف میں مشغول ہو جائیں گی، اور ترقی یافتہ علم اس منصوبہ کے اختیار میں ہو گا، تو نئے نئے خزانوں کا انکشاف بہت تیزی سے انجام پائے گا۔ اور انسان کی اقتصادیات کی رونق پلٹ آئے گی۔

لہٰذا اس عظیم مصلح کی حکومت کے متعلق روایات میں اس معاشیاتی ترقی کی طرف بہت ہی معنی خیز اشارے نظر آتے ہیں جو توضیح و تشریح سے بے نیاز ہیں۔

اس حدیث میں یہ جملے نظر آتے ہیں!

إِنَّهُ يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ الْمَشْرِقَ وَالْمَغْرِبَ، وَتَظْهَرُ لَهُ الْكُنُوزُ، وَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ خَرَابٌ إِلَّا يُعْمَرُهُ۔

"آپ کی حکومت مشرق و مغرب کا احاطہ کیے ہوگی، زمین کے خزانے آپ کے لیے ظاہر ہو جائیں گے، پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی خرابی ہوگی فوراً اس کی تعمیر کر دی جائے گی، ویرانوں کو آباد کر دیا جائے گا۔"[1]

---

[1] اسعاف الراغبین، باب دوم صفحہ ۱۴۰ و ۱۴۱

اور سچ بات تو یہ ہے کہ ایسا ہی ہونا بھی چاہیے کیونکہ زمین کی یہ تباہیاں، نہ انسانی طاقت کی کمی کی وجہ سے ہیں اور نہ مال کی کمی کی بنا پر، بلکہ یہ انسان کی لوٹ مار، غارت گری اور تباہ کاری، انسانی اور مالی صنعتوں کے بے جا مصرف اور ذمہ داری کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے اور جب ایک صحیح سماجی نظام کے زیر سایہ یہ تمام عیوب برطرف ہو جائیں گے تو یقیناً یہ ویران دنیا آباد ہو جائے گی اور خصوصاً یہ کہ اس کو نئے نئے غیر معمولی خزانوں کی پشت پناہی بھی حاصل ہو جائے گی۔

ایک بہت عمدہ حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔

إِذَا قَامَ الْقَائِمُ حَكَمَ بِالْعَدْلِ
وَارْتَفَعَ الْجَوْرُ فِي أَيَّامِهِ
وَأَمِنَتْ بِهِ السُّبُلُ
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ بَرَكَاتِهَا
وَرَدَّ كُلَّ حَقٍّ إِلَى أَهْلِهِ .....
وَحَكَمَ بَيْنَ النَّاسِ بِحُكْمِ دَاوُدَ وَحُكْمِ مُحَمَّدٍ
فَحِينَئِذٍ تُظْهِرُ الْأَرْضُ كُنُوزَهَا
وَتُبْدِي بَرَكَاتِهَا
وَلَا يَجِدُ الرَّجُلُ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ مَوْضِعاً لِصَدَقَتِهِ وَلَا لِبِرِّهِ؛
لِشُمُولِ الْغِنَى جَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ .....

"جب قائمؑ قیام کریں گے، حکومت کو عدل کی بنیادوں پر قائم کریں گے ان کے زمانہ میں ظلم و ستم کا قلع قمع ہو جائے گا۔
آپ کے وجود کی برکت سے راستے بے خطر اور پرامن ہو جائیں گے۔
زمین اپنی برکتوں کو نکال کر باہر کر دے گی

ہر حق اس کے صاحب کو لوٹا دیا جائے گا۔
آپ عج لوگوں کے درمیان داؤد اور محمدؐ کی طرح فیصلہ کریں گے۔
ایسے وقت میں زمین اپنے خزانوں کو آشکار کر دے گی
اور اپنی برکتوں کو ظاہر کر دے گی۔
کسی کو اپنے صدقہ اور خیرات کو خرچ کرنے کے لیے کوئی مواو نہ مل سکے گا
کیونکہ تمام مومنین مستغنی اور بے نیاز ہو جائیں گے، ...... [1]"

زمین کی برکتوں کے ظاہر ہو جانے اور خزانوں کے نکل آنے پر زور دینا، یہ بتاتا ہے کہ زراعت اپنی ترقی کی معراج پر پہنچ چکی ہو گی اور زمین کے سینہ میں چھپے ہوئے تمام خزانوں کا بھی انکشاف ہو جائے گا، لوگ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے، اور لوگوں کی آمدنی اس قدر زیادہ ہو جائے گی کہ کسی معاشرہ میں فقیر نظر نہ آئے گا، سب لوگ مستغنی اور بے نیاز ہو جائیں گے۔

بے شک عدل وانصاف کے اصول کا نفاذ، اور تعمیری کاموں کی طرف انسانی طاقتوں کے دھیان کا ایسا ہی اثر ہو گا، کیونکہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ فقر وفاقہ اور محتاجی کسی چیز کی کمی کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ ظلم وستم ناحق امتیازات، دولت وثروت کی بربادی نیز انسانی طاقت کی تباہی کا مستقیم اور غیر مستقیم نتیجہ ہے!

پیغمبر اسلامؐ اور حضرت داؤد کے اسلوب پر آپ کی طرز حکومت کے بارے میں آئندہ فصلوں میں بحث کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث سُنّیوں کے ماخذوں میں ابوسعید خدری سے نقل کی گئی ہے:۔

---

[1] بحار الانوار ج ۱۳۔ طبع قدیم

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِؐ : اُبَشِّرُکُمْ بِالْمَھْدِیِّ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطاً وَعَدْلاً کَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَجَوْراً یَرْضٰی عَنْہُ سُکَّانُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ یُقَسِّمُ الْمَالَ صِحَاحاً قَالَ رَجُلٌ مَا مَعْنٰی صِحَاحاً قَالَ بِالسَّوِیَّۃِ بَیْنَ النَّاسِ وَیَمْلَأُ قُلُوْبَ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍؐ غِنًی ، وَیَسَعُھُمْ عَدْلُہٗ ، حَتّٰی یَاْمُرَ مُنَادِیًا یُنَادِیْ یَقُوْلُ مَنْ لَہٗ بِالْمَالِ حَاجَۃٌ فَلْیَقُمْ فَمَا یَقُوْمُ مِنَ النَّاسِ اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ ، ثُمَّ یَاْمُرُ لَہٗ بِالْمَالِ فَیَاْخُذُ ثُمَّ یَنْدَمُ وَیَرُدُّہٗ) !

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا !

میں تم کو مہدیؑ کے ظہور کی بشارت دیتا ہوں ، وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح سے بھر دیں گے ، جس طرح سے ظلم و جور سے بھری ہو گی آسمان اور زمین کے باشندے ان سے راضی ہوں گے ، وہ مال و دولت کو صحیح طریقہ سے تقسیم کریں گے ۔

کسی شخص نے پوچھا : دولت کی صحیح تقسیم کا کیا مطلب ہے ؟

آنحضرتؐ نے فرمایا !

لوگوں کے درمیان مساوی طریقہ سے !

(پھر آپ نے فرمایا)

وہ محمدؐ کی اُمت کے دلوں کو بے نیازی سے لبریز کر دیں گے ، ان کا عدل پوری دنیا کو احاطہ کرے گا ، یہاں تک کہ وہ ایک شخص کو حکم دیں گے کہ بلند آواز سے یہ اعلان کر دے کہ جس شخص کو پیسہ کی ضرورت ہے کھڑا ہو جائے تو ایک شخص کے علاوہ کوئی اور کھڑا نہ ہو گا

(حدیث کے ذیل میں ہے کہ امام حکم دیں گے کہ اس کو کافی مقدار میں

مال و دولت دیا جائے، لیکن وہ جلد ہی پلٹ آئے گا اور پشیمان ہوگا کہ کیوں حرص و ہوا کے جال میں پھنس گیا تھا۔ مال و دولت کو واپس کر دیگا[1]

اس حدیث کی تفسیر میں کچھ نکات کی طرف توجّہ کرنا ضروری ہے!

۱۔ آپ کی حکومت سے آسمان کے باشندوں کے راضی ہونے کا مطلب یا تو آسمان کے فرشتوں اور پروردگار کے مقرب ملائکہ کی طرف اشارہ ہے، یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی حکومت دوسرے آباد کرّوں تک پھیلی ہوئی ہوگی، آسمانوں کے راستے کھل جائیں گے، اور کائنات میں دور دراز کے علاقوں تک خلائی سفر شروع ہو جائیں گے۔

۲۔ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ اس اسلام میں جس کے احکام کے محافظ اور مروّج حضرت مہدیؑ ہیں، زیادہ محنت و مشقت کرنے والے بہتر استعداد و صلاحیت والے کو زیادہ دولت دی جاتی ہے، مساوی طور پر دولت کی منصفانہ تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ یہاں یا تو بیت المال کی دولت اور بطور کل عمومی اموال کی طرف اشارہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر شخص برابر کا حصہ دار ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کی سیرت سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہ بات اس کے بالکل برعکس ہے جو کچھ عثمان جیسے خلفاء کے بارے میں پائی جاتی ہے کہ ہم لوگ ناحق امتیازات سے کام لیا کرتے تھے۔

یا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مساوی شرائط اور حالات میں لوگوں کو مساوی اجرت اور مزدوری دی جائے گی اور یہ بات اس چیز کے بالکل برعکس

---

[1] نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار ص ۱۵۶، ۱۵۷ طبع مصر

ہے جو آج کی دنیا میں رائج ہے کہ ممکن ہے کہ ایک مزدور ایک جگہ پر ایک گھنٹہ کام کرنے کے مقابلہ میں دس ڈالر پاتا ہو، لیکن دوسرا مزدور اتنے ہی سخت اور ویسے ہی حالات و شرائط میں دس گھنٹے کام کرنے کے مقابلہ میں ایک ڈالر بھی نہ پاتا ہو، یہ ظلم ہے کہ برابر شرائط اور حالات میں لوگوں کے درمیان امتیاز برتا جائے۔

۳۔ حدیث کے ذیل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک آدمی بھی محتاج اور فقیر نہ ہوگا کیونکہ وہ ایک شخص جو کھڑا ہوگا وہ نفسیاتی اعتبار سے مستغنی نہیں ہوگا اور حرص و لالچ میں مبتلا ہوگا اور مادی اعتبار سے بے نیاز ہوگا سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ اپنی صحیح قیادت کے سایہ میں دلوں کو نفسیاتی اور اور معنوی بے نیازی سے لبریز کردیں گے، حرص و لالچ کی بری خصلت سے لوگوں کے دلوں کو پاک کردیں گے، وہی لالچ جو تہی مغز مالداروں کی بہت سی فضول، بے ہودہ اور عبث کوششوں کا سرچشمہ ہے، اپنے اور اپنی اولاد کی ضرورت زندگی سے کئی ہزار گنا زیادہ دولت جمع ہونے کے باوجود اور بھی زیادہ دولت کا انبار لگانے کے لیے ہاتھ پیر مارا کرتے ہیں، گویا استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ حد سے زیادہ پینے کے باوجود سیراب نہیں ہوتے۔

دولت کو جمع کرنے کا ایک اور سبب بلکہ بہانہ یہ ہے کہ وہ اپنے مستقبل سے مطمئن نہیں ہیں، لیکن اجتماعی عدل کے سایہ میں یہ بات ختم ہو جائے گی، اور کسی شخص کو دولت جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی، کیونکہ اس کی موجودہ زندگی آسودہ ہوگی اور مستقبل میں بھی اپنے اخراجات کے سلسلہ میں مطمئن ہوگا۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر اسلام ؐ فرماتے ہیں :

..... حَتّٰی تَملأُ الاَرضُ جَوراً فَلا یَقدِرُ اَحدٌ یَقُولُ اللّٰہ! ثُمَّ یَبعَثُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ رَجُلاً مِنّی وَمِن عِترَتی فَیَملاُ الاَرضَ عَدلاً کَما مُلِئَت مِن کانَ قَبلَہٗ جَوراً وَیَخرُجُ لَہُ الاَرضُ اَفلاذَ کَبِدِھا وَیَحثُوا المَالَ حَثواً وَلَا یَعُدُّ عَدّاً:

"ایسا زمانہ آجائیگا کہ زمین ظلم وستم سے بھر جائے گی۔ کسی میں اتنی جرأت نہ رہ جائے گی کہ (کھلم کھلا) خدا کا نام لے، اس کے بعد خدائے عزوجل مجھ سے اور میرے خاندان سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا، وہ زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا، جس طرح سے اس سے پہلے ظلم وستم سے بھر دی گئی تھی، اور زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دے گی وہ دولت کو بلا حساب کتاب لوگوں کے درمیان تقسیم کریں گے۔" (اور ہر شخص اپنی ضرورت بھر لے لیگا.....) [1]"

"افلاذ" فِلذہ کی جمع ہے، اس کے معنی شعبہ اور ٹکڑا ہے، افلاذ بہت قیمتی چیزوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور یہاں پر زمین کے سینہ میں چھپے ہوئے گراں بہا اور قیمتی خزانوں کی طرف اشارہ ہے۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے ایسی بات کی طرف اشارہ مقصود ہو کہ انسان کی دسترس زمین کے پگھلے ہوئے داخلی مرکزہ تک ہو جائے گی، جو سارے کا سارا آگ اور حرارت ہے، اور ممکن ہے کہ اس سے انرجی کے ایک عظیم سرچشمہ کے

---

[1] امالی شیخ (منتخب الاثر ص ۱۶۸ کی نقل کے مطابق)

طور پر فائدہ اٹھایا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مختلف قسم کی دھاتوں کے قیمتی خزانے حاصل کیے جاسکیں۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ زمین کا بیرونی جامد چھلکا نسبتاً باریک اور نازک چھلکا ہے اور زمین کے اندر پگھلے ہوئے مادوں اور رنگ برنگے خزانوں کی ایک دنیا موجود ہے، ایسے عظیم خزانے کو پا کر انسان کے خیالات بہت سے اعتبار سے آسودہ ہو جائیں گے۔

اخلاقی ارتقاء، اور مطمئن طریقے سے مستقبل کی ضروریات کا پورا ہو جانا، آمدنی کے ذرائع کی بہتات، اور مختصر یہ کہ جسمانی اور روحانی استغناء اس بات کا سبب ہوگا کہ پیسوں کو گننے کی بھی ضرورت نہ رہ جائیگی اور ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق آپ کی حکومت کے بیت المال سے کسی روک ٹوک کے بغیر پیسہ لے لیا کرے گا۔

یہ تمام باتیں ایک طرف سے۔

❁ ❁ ❁

دوسری طرف سے:

روایات میں کچھ ایسے اشارے نظر آتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کی حکومت کے دور میں بہت ہی وسیع اور آباد شہر، چوڑی سڑکیں، زرق و برق اور زینت کے بغیر، سادی، بڑی بڑی مسجدیں بنائی جائیں گی اور لوگ گھروں کی تعمیر کے طریقہ کی پوری پوری نگرانی کریں گے تاکہ دوسرے لوگوں کو کوئی پریشانی نہ ہو سکے۔

۱۔ امام صادقؑ سے یہ روایت منقول ہے!

وَ يُبْنَىٰ فِي ظَهْرِ الْكُوفَةِ مَسْجِدٌ لَهُ أَلْفُ بَابٍ وَ يَتَّصِلُ بُيُوتُ الْكُوفَةِ بِنَهْرِ كَرْبَلَاءَ وَ بِالْحِيرَةِ:

کوفہ کی پشت پر ایک ایسی مسجد کی تعمیر کریں گے جس میں ایک ہزار دروازے ہوں گے، اور کوفہ کے گھر نہر کربلا اور حیرہ تک پہنچ جائیں گے![1]

---

[1] بحار الانوار ج ۱۳۔ طبع قدیم

اور آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ان دونوں شہروں کے درمیان ۷۰ کیلومیٹر سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہے۔

۲۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے:

إذا قام القائم ......

يكون المساجد كلها جماً لا شرف فيها كما كان على عهد رسول الله

وليوسع الطريق الأعظم فيصير ستين ذراعاً ويهدم كل مسجد على الطريق

ويسد كل كوة إلى الطريق

وكل جناح وكنيف وميزاب إلى الطريق:

جب قائم قیام کریں گے ...... پیغمبر اسلام کے زمانہ کی طرح آپ کے زمانہ میں بھی تمام مسجدوں کی دیواریں نیچی ہوں گی اور اس میں کنگرہ نہ ہوگا۔

بڑی سڑکوں کو وسعت دیں گے، اور اس کی چوڑائی ۶۰ ہاتھ ہو جائیگی

وہ تمام مسجدیں جو راستہ میں واقع ہوئی ہیں (اور لوگوں کیلئے زحمت کا سبب ہیں) آپ کے حکم سے گرا دی جائیں گی۔

وہ تمام روشن دان اور کھڑکیاں جو راستوں کی طرف کھلتی ہیں (اور لوگوں کے عبور و مرور میں زحمت ایجاد کرتی ہیں) بند کر دی جائیں گی۔

وہ چھجے، بالکونیاں، گیلریاں، پاخانے، اور پرنالے جو (لوگوں کے آنے جانے کے) راستہ میں واقع ہوئے ہیں، بند کر دیئے جائیں گے [۱]

۳۔ ایک طولانی حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ!

---

[۱] بحار ج ۱۳ طبع قدیم ص ۸۶! (طبع امین الغرب)

...... وَلَيَصِيرَنَّ الْكُوفَةَ أَرْبَعَةً وَخَمْسِينَ مِيلاً وَلَيُجَاوِرَنَّ قُصُورُهَا كَرْبَلَاءَ وَلَيُصَيِّرَنَّ اللهُ كَرْبَلَاءَ مَعْقِلاً وَمَقَامًا......

...... آپ کوفہ کو ۵۴ میل وسعت دیں گے، یہاں تک کہ اس کی عمارتیں کربلا تک پہنچ جائیں گی اور کربلا (خدا کی راہ میں جاں بازوں، شہیدوں اور دلیروں کی سرزمین) بہت سی کوششوں اور تحریکوں کا مرکز بن جائے گا..... [1]

۴۔ زراعت کی ترقی اور فصل کی فراوانی، پانی اور جانوروں کی بہتات، اور ہر شعبہ میں عمران و آباد کی ترقی کے بارے میں روایات بہت زیادہ ہیں [2]

ٹ ٹ ٹ

۴۔ قضاوت کے میدان میں ترقی

ظلم و ستم، فساد و جارحیت کی بیخ کنی کے لیے، ایک طرف سے ایمان و اخلاق کی بنیادوں کو مستحکم کرنا ضروری ہے، اور دوسری طرف قضاوت کے ایک ایسے طاقت ور اور صحیح نظام کی ضرورت ہے جو پوری طرح چوکنا اور بھرپور احاطہ رکھتا ہو۔

یقیناً جب صنعتیں ترقی کی معراج پر پہنچ جائیں گی تو ایسے آلات و وسائل انسان کے ہاتھ آجائیں گے جن کے ذریعہ سے بوقت ضرورت تمام لوگوں کی حرکات

---

[1] بحار ج ۱۳ طبع قدیم ص ۲۰۳ (طبع امین الغرب)

[2] منتخب الاثر ص ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴

سکنات کی پوری پوری نگرانی کی جا سکتی اور ہر اس غلط اقدام پر کڑی نظر رکھی جا سکتی ہے جو ظلم وستم، فساد وجارحیت کا سرچشمہ ہو، اور جائے واردات پر مجرمین کے چھوڑے ہوئے آثار اور علامتوں کے ذریعہ مجرموں کی تصویریں اتار کر ان کی آواز کو ٹیپ کر کے ان کی اچھی طرح سے شناخت کی جا سکتی ہے، اس قسم کے وسائل کا ایک صالح حکومت کے ہاتھ میں آجانا یہ خود اس بات کا سبب بنے گا کہ کافی حد تک ظلم وستم، فساد وجارحیت کی روک تھام کی جا سکے، اور اگر ایسا حادثہ پیش آ گیا تو فوراً صاحب حق کو اس کا حق دلایا جا سکے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ اس عظیم عالمی مصلح کے زمانہ میں، غیر معمولی ترقی یافتہ ابلاغ عامہ کے ذرائع کی مدد سے اخلاقی تعلیمات کو اس قدر وسعت حاصل ہو جائے گی کہ دنیا کی ایک بہت بڑی اکثریت کو تقویٰ وپرہیزگاری اور سماجی انصاف کے ہمراہ صحیح اور انسانی زندگی بسر کرنے کے لیے آمادہ کر لے گی۔

لیکن چونکہ انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے، اور وہ اپنے افعال واعمال میں جبری قوانین کا پابند نہیں ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ صالح ترین معاشرہ میں بھی ایسے افراد پیدا ہو جائیں — چاہے ان کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو — جو اپنی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھائیں، اور اس کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کریں۔

لہٰذا اس حکومت کو ایک ایسی صحیح وسالم عدالت کی ضرورت ہو گی جو پوری طرح باخبر اور مسلط ہو تا کہ عوام کے حقوق بھی دلا سکے اور ستمگروں کو سرکوب بھی کر سکے

ہم سماجی برائیوں، جرائم اور ان کے روک تھام کے طریقوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ!

اوّلاً:

اجتماعی عدل کے ذریعہ بہت سی ایسی سماجی برائیوں کی بیخ کنی کی جا سکتی ہے

جو مال و دولت جمع کرنے کے لیے لڑائی جھگڑے کشمکش اور ہر طریقہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی کی خاطر جھوٹ، خیانت، فریب کاری اور دھوکے بازی مکر و حیلہ، جرائم نیز کمزور طبقہ کے استحصال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اور شاید ہر سماج میں زیادہ تر جرائم اور ظلم و ستم کا سبب یہی چیزیں ہوں

جب جرائم کی جڑیں خشک ہو جائیں گی تو اس کی ڈالیاں اور پتے خود بخود سوکھ جائیں گے۔

ثانیاً :

صحیح تعلیم و تربیت، سماجی و اخلاقی برائیوں اور فساد و جارحیت کی بیخ کنی پر بہت گہرا اثر چھوڑتی ہے، آج کے سماج میں برائیوں کے پھیلنے کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ معاشرے میں ابلاغ عامہ کے ذرائع کو نہ صرف یہ کہ صحیح تعلیم و تربیت کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ غالباً گندے سے گندے اور گمراہ کن سامراجی پروگراموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ رات دن غلط اثرات چھوڑنے والی فلمیں دکھا کر، گمراہ کرنے والی جھوٹی کہانیاں بیان کر کے، حتیٰ کہ غلط اور جھوٹی خبروں کے ذریعہ جو عالمی سامراج کے مفاد میں ہیں، ظلم و ستم، ناحق امتیازات اور برائیوں کو پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

البتہ ایک اعتبار سے ان چیزوں کا سر چشمہ بھی اقتصادیات ہیں، کیونکہ اس طرح کے پروگرام دکھا کر اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کو اصل مسائل سے غافل بے حس، اور لاپرواہ بنا دیا جائے، تعمیری مفاہیم مسخ کر دیئے جائیں، اور ہر معاشرہ کے بیدار اور جد و جہد کرنے والے عناصر کو نابود کر دیا جائے تاکہ عالمی سامراج پوری آزادی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مظلوموں کا خون چوس سکے اور کسی روک ٹوک کے بغیر ان سے زیادہ سے زیادہ معاشیاتی فائدے اٹھا سکے۔

جب یہ حالت بدل جائے گی تو یقیناً ایک مختصر سے عرصہ میں اس طرح کی بہت سی سماجی برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی، اور یہ کام صرف وہی صالح اور عالمی حکومت انجام دے سکتی ہے جو استحصال کرنے والوں کی خدمت کے بجائے تمام دنیا کے عوام کے مفادات اور صلح و عدل و ایمان سے لبریز آباد اور آزاد دنیا بنانے کے لیے کوشش کرتی ہو۔

ثالثاً:

کڑی نگرانی کے ایسے وسائل کے ساتھ، قضاوت کے ایک ایسے بیدار و ہوشیار نظام کا وجود کہ نہ تو مجرم عناصر عدالت کے پنجہ سے فرار کر سکتے ہوں اور نہ اس کے فیصلوں کو پامال کر سکتے ہوں، قانون کی خلاف ورزی اور نیز گناہوں اور برائیوں کو کم کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

اگر یہ تینوں چیزیں اکٹھا ہو جائیں تو ان کی مجموعی تاثیر کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا۔

❁ ❁ ❁

حضرت کی حکومت کے بارہ میں جب ہم احادیث کو اکٹھا کرتے ہیں تو ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مہدیؑ اپنے انقلاب کے زمانہ میں برائیوں کی روک تھام کرنے والے ان تینوں اسباب کو اس طرح استعمال کریں گے کہ وہ مصروف جملہ جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے جامہ عمل پہن لے گا، کہ ایک ایسا زمانہ آجائے گا کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے، — یہ بات مسلّم ہے کہ شیروں کی ماہیت نہیں بدل جائے گی اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، اسی طرح بکریوں کی موجودہ حالت میں بھی تبدیلی نہیں آئے گی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا میں عدل و انصاف برقرار ہو جائے گا، اور شیر صفت خونخوار و درندہ انسان جو ظالم و

جابر حکومتوں سے مل کر انسانی معاشرہ کے مستضعف طبقہ کا خون چوسا کرتے تھے اپنی راہ و روش کو بدل دیں گے۔

یہ لوگ اس نئے نظام کی پناہ میں یا تو اپنی خصلتوں کو بالکل ہی بدل دیں گے، کیونکہ خونخوار ہونا انسان کی فطرت کا جزء نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کے عوارض میں سے ہے، اور عوارض کو بدلا جاسکتا ہے، اور یا کم از کم یہ عناصر اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھے رہیں گے، اور دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے کے بجائے سب کے ساتھ منصفانہ طریقہ سے خداوند عالم کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے رہیں گے، جس طرح سے شیر، بکری کے ساتھ ایک گھاٹ پر!

اور اگر انہوں نے نہ تو اپنی خصلتوں کو بدلا اور نہ خاموشی اختیار کی تو اس دنیا کو ان کے منحوس وجود سے پاک کر دیا جائے گا!

اس سلسلہ میں قابل توجہ اشارات میں سے ایک وہی ہے جو پیغمبر کی حدیث میں مال کی صحیح تقسیم کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ عوام میں اس قدر جسمانی اور روحانی استغناء پیدا ہو جائے گا کہ دولت کا انبار لگا ہوگا اور کوئی اس کا طلبگار نہ ہوگا۔

یعنی حکومت کے صحیح نظام میں عوام کی تربیت اس طرح سے کر دی جائے گی کہ ضروریات سے زیادہ مال جمع کرنے کو اپنے لیے مصیبت سمجھتے ہوں گے اور اس زراندوزی کی وجہ سے جتنے لڑائی جھگڑے، ہلڑ ہنگامے ہوتے ہیں وہ سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔

ہر شخص کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی اور مستقبل کے بارے میں بھی کسی قسم کی فکر نہ ہوگی، کہ اپنے مستقبل کو مطمئن اور آرام دہ بنانے کے لیے بُرے سے برا کام کرنے کے لیے تیار ہوں، اور دولت کا انبار لگانے میں ایک دوسرے

سے مقابلہ کریں۔

ایک اور حدیث میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ آپ کی حکومت کے زمانہ میں عوام کے افکار کی سطح اس قدر بلند ہو جائے گی کہ اس کا اس دور سے مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا فطری طور پر تمام لڑائی جھگڑے، تضاد اور کشمکشیں جو کوتاہ فکری، تنگ نظریوں، جہالت اور انسان کی شخصیت کو مال و دولت کے انبار لگانے میں محصور کر دینے کی پیداوار ہیں ختم ہو جائیں گی۔

ﺛ ﺛ ﺛ

گزشتہ روایات کے مطابق آپ کی حکومت میں کڑی نگرانی ہونے کی وجہ سے مجرموں کو اپنے گھروں کی چار دیواری میں بھی امان نہیں ہوگا، کیونکہ ممکن ہے جدید اور ترقی یافتہ آلات کے ذریعہ ان کو اس طرح کنٹرول کیا جا رہا ہو کہ دیوار پر موجود ان کی آواز کی موجوں کو محفوظ کیا جا سکتا ہے، یہ خود اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ آپ کی حکومت کے دور میں، برائیوں اور مفاسد کا مقابلہ بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر کیا جائے گا۔

حضرت محمدؐ اور حضرت داؤدؑ کے قضاوت کے قانون پر آپ کا فیصلہ کرنا گویا اس لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ اسلامی قضاوت کے ظاہری قوانین پر بھی عمل کریں گے، جیسے اقرار اور گواہوں کی گواہی و نیز اصل مجرموں کے انکشاف کے لیے علمی اور نفسیاتی ذرائع کو بھی استعمال کریں گے، جیسا کہ حضرت داؤد نے کیا تھا۔

اس کے علاوہ آپ کے دور میں علم و دانش صنعت و تکنیک کی ترقی کے ساتھ ساتھ جرائم کو کشف کرنے والے آلات بھی اس قدر ترقی پا جائیں گے کہ بہت ہی کم ایسے مجرم ہوں گے جو قانون کی گرفت میں نہ آسکیں۔

ایک اخبار میں انسان کے ذہن کی عجائبات کے بارے میں لکھا تھا کہ انسان کا

ذہن اپنے داخلی اعتقادات کے مطابق موجیں باہر بھیجتا ہے، ان امواج کے ذریعہ لوگوں کی باتوں کے صدق و کذب کو سمجھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانہ میں ان آلات کو اور بھی ترقی دی جائے گی، اور دوسرے نئے آلات بھی ایجاد کیے جائیں گے اور ترقی یافتہ نفسیاتی اسلوب کے ذریعہ مجرموں کو پوری طرح قبضہ میں کر لیا جائے گا، اگرچہ اس قسم کے سماج میں اصولاً مجرم بہت کم ملیں گے لیکن یہی کم مجرم بھی اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک دفعہ پھر اس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے کہ:

یہ سوچنا غلط ہے کہ آپ کی حکومت کے دور میں یہ سارے مسائل معجزہ کے ذریعہ حل کیے جائیں گے، کیونکہ معجزہ ضروری مواقع پر اور وہ بھی صرف پیغمبرؐ یا امامؑ کے دعوے کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے ایک استثناء ہے نہ کہ روز مرہ کی عادی اور معمولی زندگی کے نظام کو چلانے کا طریق کار، کسی بھی پیغمبر نے ان مقاصد کے لیے معجزہ سے کام نہیں لیا ہے۔

—— لہٰذا آپ کی حکومت کا راستہ اور اسلوب وہی ہے جو عرض کر چکا ہوں نہ کہ معجزہ!

بہر حال آپ کی حکومت کے سایہ میں پوری دنیا میں اس حد تک امن و امان برقرار ہو جائے گا کہ ایک روایت کے مطابق، اکیلی عورت مشرق سے مغرب تک کا سفر کرے گی اور راستے میں کوئی اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنے گا۔

ٌ ٌ

اگر حضرت مہدیؑ کی زندگی کی سادگی کے مسئلہ کو بھی جیسا کہ روایات میں ہے اضافہ کر دوں تو بات اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گی، کیونکہ آپ کا عمل

ان لوگوں کے لیے نمونہ ہے جو آپ کی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں یعنی تمام دنیا کے انسانوں کے لیے۔

اور اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ بہت سے جرائم اور سماجی برائیوں کی جڑ، یہی تجمل پرستی، فالتو اخراجات، عیش و عشرت اور زندگی کی رنگ رلیاں ہیں، اس لیے امام عجل اللہ فرجہ الشریف کی سادہ زندگی کے مطالعہ سے آپؑ کی حکومت کے دور میں سماجی برائیوں اور جرائم کے قلع قمع ہو جانے کی ایک اور دلیل واضح ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

وما لباس القائمؑ الا الغلیظ وما طعامہ الا الجشب

"قائمؑ کا کپڑا سخت اور موٹا ہوگا، اور آپ کا کھانا بہت ہی سادہ اور معمولی ہوگا"۔[1]

اسی طرح کی ایک روایت امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل ہوئی ہے۔[2]

طویل المدت حکومت

اگرچہ آپ کی حکومت کی مدت کے بارے میں اسلامی مأخذ میں مختلف حدیثیں پائی جاتی ہیں کہ جن میں اس حکومت کی عمر ۵ یا سات سال سے ۳۰۹ سال تک (اس تاریخی غار میں اصحاب کہف کے توقف کی مقدار) بتائی گئی ہے۔ ان

---

[1] منتخب الاثر ص ۳۰۷

[2] منتخب الاثر ص ۳۰۰

احادیث کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ اس حکومت کے مختلف مرحلوں کی طرف اشارہ ہو۔

یعنی حکومت کے آغاز کے پانچ یا سات سال جن میں یہ حکومت تشکل پیدا کرے گی، پھر اس کے ارتقاء کے چالیس سال اور اس کے بعد اس منظم و مکمل حکومت کی بقاء کے تین سو سال سے زیادہ۔

لیکن اسلامی روایات سے قطع نظر یہ بات مسلم ہے کہ اتنے سارے مقدمات اور اتنا سارا شور و غل ایک مختصر سی مدت کے لیے نہیں ہے، بلکہ ایک اتنی طولانی مدت کے لیے ہے جو اتنی ساری زحمت و پریشانی، کوشش و محنت برداشت کرنے کی سزاوار ہو۔

اسلام کی تعمیرِ جدید

اور

وحدتِ ادیان

تمام فکری اور ثقافتی شعبوں میں از سرنو تعمیر

آسمانی ادیان، بارش کے پانی کی طرح ہیں جو آسمان سے برستا ہے ۔۔۔۔ اگر ہوا صاف ہو۔ بارش کے صاف و شفاف خوبصورت قطرے ہر قسم کی گندگی سے پاک و پاکیزہ اور حیات بخش ہیں، جس جگہ پر برس جائیں زندگی اور خوبصورتی کے پیغمبر ہیں۔ اس کی سج دھج کا عالم یہ ہے کہ وہ نہ صرف پیاسوں کو اپنی طرف بلاتی ہے بلکہ ان لوگوں کو بھی پینے کی رغبت دلاتی ہے جو پیاسے نہیں ہیں۔

لیکن جب یہ قطرے گندی زمینوں پر قدم رکھتے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کی وہ طہارت اور شفافیت ختم ہو جاتی ہے، اور کبھی تو ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ ہر شخص اس کو دیکھتے ہی منہ بنا لیتا ہے اور لوگ اس کی بدبو سے دور بھاگتے ہیں۔

الٰہی ادیان جو آغاز میں بارش کی بوندوں کی طرح صاف و شفاف، سورج کی طرح روشن اور بہار کی طرح حسین ہیں، جاہلوں کے پست افکار سے مل جانے، رسم و رواج نیز ذاتی سلیقوں سے مخلوط ہو جانے اور مفروضوں کے ناپاک ہاتھوں

کی وجہ سے کبھی کبھی اس قدر بدل جاتے ہیں کہ اپنی کشش اور جاذبیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اسلام وہ زندہ اور متحرک دین ہے جس نے پس ماندہ ترین قوموں کو ترقی یافتہ ترین قوم بنا دیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ بھی اس بیماری سے محفوظ نہ رہ سکا، اگرچہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا، ہر عصر اور ہر دور میں علماء نے اپنی جان کی بازی لگا کر اس کی اصالت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی، وہ کافی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہے، انھوں نے حتی الامکان اسلام کو تحریف سے بچائے رکھا، لیکن پھر بھی ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اسلام کے بہت سے مفاہیم مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کے درمیان اس حد تک مسخ اور تحریف ہو گئے ہیں کہ بہت اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پیغمبر کے زمانہ کا اصل اسلام بہت سے مسلمانوں کے درمیان نایاب ہو چکا ہے!

اس کے سب سے زیادہ تعمیری مفاہیم، جیسے "زہد" "صبر" "انتظار" "شہادت" "شفاعت" "عبادت" اس حد تک تحریف ہو گئے ہیں، ان کی غلط اور برعکس تفسیر کی گئی ہے کہ حقیقی اسلام کو اس سے وحشت ہوتی ہے! بہت سے اسلامی قوانین "شرعی" اور "غیر شرعی" بہانوں کے ذریعہ عملی طور پر نابود ہو چکے ہیں، جیسے سود خواری وغیرہ کے احکام کا اب صرف نام ہی نام باقی رہ گیا۔

ہجرت و جہاد و شہادت جیسے احکام کو بھلایا جا چکا ہے یا کم از کم اس کو ایک تاریخی شکل دے دی گئی ہے کہ یہ چیزیں اسلام کے ابتدائی ایام سے مخصوص ہیں۔

اسلامی توحید مختلف قسم کے شرکوں سے آلودہ ہو چکی ہے، پیغمبر کے اہل بیت کا نقش قدم جو "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ

وعترتی[1] کے حکم سے اصل اسلام کو اپنے دامن میں پرورش دیتے ہیں، مسلمانوں کے ایک بہت بڑے فرقے کی جانب سے نہ صرف فراموش کیے جا چکے ہیں بلکہ ان پر ہزار قسم کی تہمتیں لگا کر، عوام کو ان سے دور کر دیا گیا ہے۔

حضرت مہدیؑ اپنے ظہور کے موقعہ پر ایک ماہر اور طاقتور مالی کی طرح سے اسلام کے باغ سے رنگ برنگی فالتو گھاسوں کی جا ہے وہ اصلی پودوں سے اس طرح سے لپٹی ہوئی ہوں کہ ان کا الگ کرنا محال معلوم ہوتا ہو بیخ کنی کر دیں گے۔

وہ کج رو، ٹیڑھی میڑھی اور فالتو شاخوں کو بلا تامل کاٹ دیں گے۔ اس گندے اور آلودہ پانی کو نتھار کر صاف وشفاف بنائیں گے، غلط تفسیروں کے زنگ کو چھڑائیں گے، فراموشی اور نسیان کے گرد و غبار کو جھاڑیں گے نیز منحرفوں اور ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے ہاتھوں کو قلم کر دیں گے، مختصر یہ کہ آپ پیغمبرؐ اور علیؑ کے زمانہ والے اسلام کو زندہ کریں گے۔

حضرت مہدیؑ کی رسالت اور ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ اسلام کو بے جوڑ پیوندوں سے نجات دیں، دوسرے لفظوں میں آپ کو اس عظیم الشان باشکوہ محل کی از سر نو تعمیر کرنا ہے۔

ایک دن وہ تھا کہ مسجد تمام اسلامی کوششوں کا مرکز تھی، ہر قسم کی علمی، سیاسی، ثقافتی، اخلاقی اور سماجی تحریکیں مسجد سے جنم لیتی تھیں، لیکن آج کچھ لوگوں کے خیال میں مسجد بے کاروں، بے گھروں اور مجبوروں کا اڈہ ہے،

---

[1] یہ حدیث برادران اہل سنت کی بہت سی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے مزید اطلاع کے لیے کتاب قرآن وحدیث کا مطالعہ فرمائیے۔

آج مسجد میں ان ہی لوگوں کو جانا چاہیئے جو ریٹائر ہو چکے ہوں، زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہے ہوں، اور اگر کچھ اور آگے بڑھے تو تفریح کے لیے چلے گئے، بہت بڑا تیر مارا تو ایک عادت کے مطابق مسجد میں حاضر ہو گئے۔ حضرت مہدیؑ ظہور کے بعد مسجد کو دوبارہ اس کی پہلی شکل میں پلٹا دیں گے۔

اس جمود اور سکوت کی جگہ جوش و خروش، تحرک اور تحریک کا زور و شور ہو گا، آپ ہر میدان میں اسلامی جہاد کی روح پھونک دیں گے۔

اسلام کی حقیقی توحید کو ہر قسم کے شرک سے نجات دلائیں گے اور تحریف شدہ مسخ شدہ مفاہیم کو صحیح طریقہ سے بیان کریں اور سمجھائیں گے۔

ذاتی خیالات اور سلیقوں کو اسلام کے دامن سے نکال باہر کریں گے اور رسم و رواج کے زنگ کو چھڑائیں گے ۔ اسلام کو قومی اور علاقائی حدود سے نکال کر اس کو عالمی روپ میں آشکار کریں گے۔

ناجائز فائدہ اٹھانے والوں اور شرعی بہانے گڑھنے والوں کے ہاتھ کو قلم کر دیں گے، اسلام کے قانون کو کسی کمی اور زیادتی کے بغیر اس کی اصلی شکل میں پیش کریں گے۔

ٌ ٌ ٌ

غرض آپؑ کی یہ اصلاحات مجموعی طور پر معاشرے اور افکار میں اس قدر تبدیلی پیدا کر دیں گی کہ بعض روایات میں اس کو دین جدید کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

کتاب "اثبات الہداۃ" میں امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ:

اذا خرج القائم یقوم بامر جدید، و کتاب جدید، و

سنّت جدید و قضا جدید۔

"جب قائم خروج کریں گے تو وہ اپنے ساتھ نیا امر، نئی کتاب، نیا اسلوب اور قضاوت کا نیا نظام لے کر آئیں گے۔" [۱]

یہ بات واضح ہے کہ ان منصوبوں، اسلوبوں اور قضاوت کے نظام کا نیا پن اور تازگی اس لیے نہیں ہے کہ آپ کوئی نیا مذہب لے کر آئیں گے بلکہ آپ خرافات، تحریفوں، اوہام وخیالات اور غلط تفسیروں کے ڈھیر سے اسلام کو اس طرح باہر نکالیں گے کہ اب اسلام ایک نیا دین اور ایک بالکل نئی عمارت معلوم ہوگا۔

اسی طرح سے نئی کتاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ پر ایک نئی آسمانی کتاب نازل ہوگی، کیونکہ آپؑ صرف امام قائم اور حافظ دین ہیں، پیغمبرؐ نہیں ہیں کہ نئی کتاب اپنے ہمراہ لادیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ اسی اصلی قرآن کو جو طاق فراموشی پر رکھا ہوا ہے معنوی تحریفوں اور غلط تفسیروں کے غلاف سے اس طرح باہر نکالیں گے کہ لوگ اسے نئی کتاب سمجھنے لگیں گے۔

اس بات کی وضاحت صرف یہی نہیں کہ قرآن حکیم میں سورہ احزاب کی چالیسویں آیت میں ختم نبوّت کی واضح نشان دہی کے ساتھ موجود بلکہ ان احادیث میں بھی پائی جاتی ہے جو ختم نبوّت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں نیز یہ کہ بے شمار احادیث میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ امام زمانہؑ کا رویہ اور کردار پیغمبر اسلامؐ کی کتاب وسنّت وآئین کے عین مطابق ہوگا۔

امام جعفر صادقؑ کے دوستوں میں سے "عبداللہ بن عطار" نامی ایک شخص

---

[۱] "اثبات الہداۃ ج ۷، ص ۸۳

کہتے ہیں کہ میں نے امام سے پوچھا حضرت مہدیؑ کی راہ وروش اور ان کی سیرت کیسی ہو گی ؟

امام نے جواب دیا :

یصنع ما صنع رسول اللہؐ یھدم ما کان قبلہ کما ھدم رسول اللہ امر الجاھلیۃ ویستانف الاسلام جدیداً :

" وہی کام انجام دیں گے جو پیغمبر اسلامؐ نے انجام دیا ہے یعنی آپ ماضی کے (غلط) منصوبوں کو اسی طرح ویران کر دیں گے جس طرح رسول خدا نے جاہلیت کے اعمال کو ویران کر دیا تھا، اور یوں آپؑ اسلام کی از سر نو تعمیر کریں گے "۔[1]

کتاب اثبات الھداۃ میں پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں :

القائم من ولدی، اسمہ اسمی، وکنیتہ کنیتی، وشمائلہ شمائلی، وسنتہ سنتی یقیم الناس علی طاعتی وشریعتی ویدعوھم الی الکتاب ربی :

" قائم میری اولاد میں سے ہیں ان کا نام میرا نام ان کی کنیت میری کنیت ان کی شکل میری شکل، ان کا اسلوب میرا اسلوب ہو گا، وہ لوگوں کو میری شریعت کی پیروی اور میری اطاعت پر آمادہ کریں گے اور انہیں میرے پروردگار کی کتاب کی طرف دعوت کریں گے "۔[2]

منتخب الاثر میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے منقول ہے کہ :

وان الثانی عشر من ولدی یغیب حتی لا یری ویأتی

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ (طبع جدید) ص ۳۵۲

[2] اثبات الھداۃ

علی امتی بزمن لا تبقی من الاسلام الا اسمہ، ولا یبقی من القرآن الا رسمہ فحینئذ یأذن اللہ لہ تبارک وتعالی بالخروج فیظہر الاسلام بہ ویجددہ:

میرا بارہواں فرزند لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو جائے گا اور دکھائی نہ دے گا، اور میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام کا صرف نام اور قرآن فقط نقوش کی صورت میں باقی رہ جائے گا، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر ہونے کی اجازت دے گا اور اسلام کو آپ کے ذریعہ نئی زندگی کے ساتھ ظاہر اور نمایاں کریگا۔"

یہ روایت اس قدر صریح اور واضح ہے کہ اس کے سلسلہ میں کسی قسم کی توضیح اور تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

٭ ٭ ٭

وحدت ادیان

اس میں شک نہیں ہے کہ مذہبی اختلافات ہر میدان میں توحیدی نظام کی شان کے خلاف ہیں، کیونکہ یہی اختلاف اور تفرقہ ہر قسم کی وحدت اور اتحاد کو نابود کر دینے کے لیے کافی ہے۔

اس کے برعکس، وحدت واتحاد کے اسباب میں سے ایک سبب وحدت ادیان ومذاہب ہے جو ہر قسم کے اختلافات سے مافوق ہے۔ وحدت ادیان رنگ برنگی زبانوں، قوموں، نسلوں، تہذیبوں کو اپنے دامن میں اکٹھا کر کے ان سے ایک ایسا متحد معاشرہ بنا سکتی ہے جس میں سب کے سب بھائی بھائی کی طرح سے زندگی بسر کریں، کیونکہ: "انما المومنون اخوۃ"

اسی وجہ سے اس عظیم انقلابی اور مصلح کے بنیادی منصوبوں میں سے ایک یہ ہے کہ توحید و وحدت مذہب کے سایہ میں صفوں کو متحد کریں۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اولاً یہ وحدت جبر و تشدد کے ذریعہ ممکن نہیں ہے، اور اگر ممکن بھی ہو تو جبر و تشدد کے ذریعہ وحدت کو برقرار کرنا معقول نہیں ہے۔

مذہب انسانوں کے دل اور ان کی روح سے سروکار رکھتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دل اور روح جبر و تشدد کی قلمرو سے خارج ہیں اور کوئی شخص بھی ظلم و تشدد کے ذریعہ دل کی قلمرو کی سرحدوں تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا،

دوسرے یہ کہ اس کے علاوہ جیسا کہ قرآن گواہی دیتا ہے پیغمبر اسلام کی سنّت اور اسلوب میں بھی جبر و تشدد کی مثال نہیں ملتی کہ: لا اکراہ فی الدین

لہذا اسلام نے ہمیشہ اہل کتاب کو ایک سالم اقلیت کے عنوان سے تسلیم کیا ہے، اور جب تک ان لوگوں نے اسلام کے خلاف سازش نہیں کی اسلام نے ان کی حمایت کی ہے۔

جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس عظیم مصلح کے دوران حکومت میں ابلاغ عامہ کے تمام ترقی یافتہ ذرائع آپ کے اور آپ کے لائق و صالح پیروؤں کے قبضہ میں ہوں گے نیز یہ کہ تحریفات سے پاک و منزہ حقیقی اسلام غیر معمولی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے، تو ہم بہت آسانی سے اس بات کی پیش گوئی کرسکتے ہیں کہ منطقی اور مسلسل تبلیغ کے ذریعہ تقریباً پوری دنیا کے عوام اسلام کو قبول کرلیں گے، اور ترقی پسند اسلام کے ذریعہ وحدت ادیان انجام پاجائے گی۔

مذکورہ بالا عقلی دلیل کے ذریعہ ہم جس حقیقت تک پہنچے ہیں وہی حقیقت

اسلامی روایات میں یوں نظر آتی ہے۔

"مفضل" ایک طولانی حدیث کے ضمن میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"...... فواللّٰہ یا مفضل لیرفع عن الملل والادیان الاختلاف ویکون الدین کلمۃ واحداً کما قال اللّٰہ عزوجل ان الدین عند اللّٰہ الاسلام ......"

اے مفضل! خدا کی قسم ادیان کے اختلافات ختم ہو جائیں گے اور تمام ادیان ایک دین بن جائیں گے جیسا کہ خداوند عزوجل ارشاد فرماتا ہے، خدا کے نزدیک دین فقط اسلام ہے۔۔۔[1]"

گزشتہ صفحات میں قیام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں آیات سے جو بحث ہوئی ہے اس کے ذیل میں ہم اسی قسم کے مطالب کا مطالعہ کر چکے ہیں۔

یوں اسلام اور آئین توحید، ہر گھر، ہر انسان کی زندگی، اور ہر دل میں جاگزیں ہو جائے گا۔

لیکن اس کے باوجود یہ ادّعا نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرے آسمانی ادیان کے ماننے والوں کی مختصر سی تعداد بھی باقی نہ رہ جائے گی، کیونکہ انسان آزاد ہے، وہ اپنے ارادہ کا مالک ہے، اور اس قسم کی حکومت میں جبر و اکراہ کا گزر نہیں ہے ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ کچھ لوگ جہالت یا تعصب کی بنا پر اپنے پرانے عقیدے پر باقی رہیں، اگرچہ اکثریت اسلام کے توحیدی نظام کو دل و جان سے قبول کر لے گی اور یہ ایک فطری بات ہے۔

---

[1] بحار الانوار ج ۱۳ (طبع قدیم) ص ۲۰۳

بہرحال اگر اس طرح کی اقلیت موجود بھی ہو گی تو ایک سالم اقلیت کی شکل میں "اہل ذمہ" کی شرائط کے ماتحت اسلامی حکومت ان کی بھرپور حمایت کرے گی۔

جھوٹے دعویدار

کیا مہدی کا ظہور نہیں ہوا ؟

پوری تاریخ اسلام میں تقریبًا پہلی ہی صدی سے ایسے لوگوں کا تذکرہ ملتا ہے جو اپنا نام مہدی موعود رکھ کر بہت بڑے بڑے دعوے کرتے تھے اور یا یہ کہ دوسروں نے ان کو یہ لقب دے دیا اور ان کے لیے بہت بڑے بڑے مدارج کے قائل ہوئے، اگرچہ کسی بھی مدعی کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ دنیا کی اصلاح کرے، اور ظلم وجور سے لبریز دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے حتیٰ کہ اپنے چھوٹے سے ماحول میں بھی ایک مختصر سی اصلاحی تحریک شروع نہیں کی۔

شاید اس سلسلہ کا پہلا شخص جس کو اس لقب سے نوازا گیا ہے ــ حالانکہ وہ خود اس بات سے ناراض تھا۔ خولہ کے بطن سے حضرت علیؑ کے فرزند محمد حنفیہ تھے، "کیسانیہ" فرقہ اس بات کا معتقد تھا کہ وہ مہدی موعود ہیں، اور ان لوگوں نے ان کی وفات کے بعد شور وغل مچایا کہ ان کا انتقال نہیں ہوا ہے،

بلکہ وہ زندہ ہیں، اور کوہ "رضوی"[1] پر دو شیروں کے درمیان ساکن ہیں، جو ان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔"

حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ "محمد حنفیہ" ۸۰ یا ۸۱ھ میں انتقال فرما گئے تھے، اور (مدینہ کے مشہور قبرستان) بقیع میں دفن ہیں، خوش قسمتی سے اس وقت اس فرقہ کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا ہے۔

اس کے بعد، بعض ظالم و جابر عباسی خلفاء نے مقام خلافت تک پہنچنے اور سادہ دل عوام کے مذہبی عقائد سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مہدی موعود کے سلسلہ میں مسلمانوں میں ذہنی طور پر آمادگی پائی جاتی ہے، اپنے ناپاک مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے، اسی نام سے میدان میں اترنا اور مہدی کہلوانا شروع کر دیا۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا یہ بات ثابت ہوتی گئی کہ نہ صرف یہ کہ یہ لوگ مہدی نہیں تھے بلکہ ان ستمگروں اور ظالموں سے تھے، جن کی گردن مہدی موعود عجل اللہ فرجہ الشریف کی تلوار سے اڑا دی جائے گی۔

یہ بات اسی طرح سے آگے بڑھتی رہی اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد کوئی نہ کوئی شخص مہدویت کا دعویٰ کرتا، اور کچھ لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کر کے ان کو گمراہ کرتا رہا، لیکن یہ فصلی اور موسمی مہدی کچھ ہی عرصہ کے بعد اپنے تمام تر منصوبوں کے ساتھ خود بھی خاک میں ملتے رہے اور ان کی ساری تدبیریں نقش بر آب ہوتی گئیں ___ کیونکہ مہدویت کا دعویٰ وقتی طور پر کچھ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لینے کے لیے جس قدر دلکش اور دلپذیر ہے۔ اتنا ہی ان لیڈروں اور ان کی بے بنیاد د

---

[1] "رضوی" "رعنا" کے وزن پر ہے، مدینہ کے نزدیک ایک پہاڑ ہے، دعا ندبہ میں اس پہاڑ کے ذکر کا سبب کتاب "پرسشها و پاسخها" میں ذکر کر چکا ہوں۔

ناجائز مصلحتوں کے خلاف اور ان کے لیے خطرناک ہے۔ کیونکہ مہدی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بہت جلد جھوٹے دعوے داروں کو روسیاہ اور رسوا کر دیتا ہے۔

ان جھوٹے دعویداروں کی صف میں ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں، بعضوں میں پاگل پنے، حماقت یا کم از کم سادہ لوحی کی نشانیاں نظر آتی ہیں حالانکہ بعض ایسے تھے جو دنیا پرست اور جاہ و مقام کے طالب تھے اور اپنی انہی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اس کے نتائج کو اچھی طرح سمجھے بوجھے بغیر مہدویت کا دعویٰ کر بیٹھے تھے۔

اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام دشمنوں کے آلہ کار تھے، اسلام دشمن عناصر زندگی کے ان اصل مسائل سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانا چاہتے تھے جن کا انہیں سامنا تھا تاکہ اس طرح وہ مسلمانوں کو اپنے کام میں لاسکیں، یا وہ اس طرح اختلاف و تفرقہ ایجاد کرنے اور مذہبی طاقت خصوصاً ان علماء اسلام کی طاقت کو کمزور بنانے کی کوشش کرتے تھے جو ان اسلام دشمنوں کے ناپاک مقاصد کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے اور یوں وہ ان کے ذریعہ اپنے ناپاک عزائم کو پورا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ مہدویت کے جھوٹے دعوی کا یہ کھیل تماشا اسی طرح سے جاری تھا، یہاں تک کہ سید محمد علی باب کی باری آئی اور یہ شخص پردہ پر ظاہر ہوا ——
اگرچہ شروع میں اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ مہدویت کا دعویٰ کرے بلکہ زندہ دستاویزات اور خود اس کے بیانات کے مطابق جو اس وقت تحریری صورت میں موجود ہیں، وہ مہدویت کا دعویدار نہیں تھا، وہ صرف اتنی ہی بات پر راضی تھا کہ لوگ اس کو حضرت مہدیؑ کا "نائب خاص" اور "باب" سمجھیں۔

لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور کچھ لوگوں نے اس کے اردگرد جمع ہو کر اس کو بھڑکانا شروع کر دیا کیونکہ پردے کی آڑ میں ان تمام منصوبوں کی تکمیل انہی

لوگوں کے ہاتھ میں تھی، اس لیے وہ اپنے دعویٰ کو بدل کر قائمیت (مہدویت) کا دعویٰ کر بیٹھا۔[1]

اس کے اور اس کے پیروؤں کے حالات زندگی سے جو دستاویزات اور قرائن اکٹھا کیے گئے ہیں، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے جھوٹے دعویٰ کا سرچشمہ تینوں چیزیں تھیں یعنی:

سامراجی حکومتیں جیسے شروع میں روس میں زار کی حکومت اور اس کے بعد برطانیہ نیز سامراج کے وارث امریکہ کے ایجنٹوں نے اس کو اکسایا، طاقت پہنچائی اور اس کی حمایت کی نیز یہ کہ اس میں جاہ و مقام کی لالچ بھی موجود تھی جو اس کو ایک لحظہ کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی پھر سب سے بڑھ کر اس میں جنون اور پاگل پنے کے کچھ آثار بھی پائے جاتے تھے۔[2]

---

[1] کتاب ظہور الحق میں جس کو اس فرقہ والے مانتے ہیں صـ۱۷۳ میں لکھا ہے کہ باب نے ۱۲۶۵ س۔ھ کے اواسط میں ماکو کے جیل سے ملا عبدالخالق کو ایک خط میں لکھا انا القائم الحق الذی انتم بظہورہ لتوعدون اور ملا عبدالخالق اس واقعہ کے بعد سے اس کے اس دعویٰ سے بہت خفا اور رنجیدہ تھے۔

[2] اس کے پاگل ہونے کی دلیل اس کی کتابوں کے مضامین، الفاظ وعبارات کے علاوہ جو کاملاً ایک پاگل کے الفاظ وعبارات کی مانند ہیں، یہ ہے کہ کتاب کشف الغطاء میں میرزا ابوالفضل گلپائیگانی جو اس فرقہ کے سربراہوں میں سے ہیں، لکھتے ہیں کہ:

اس مجلس میں تبریز کے مجتہدوں نے باب سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد کہا کہ تیری باتیں ہمارے لیے تیرے خون کو مباح کر دیتی ہیں لیکن تجھے موت کی سزا اس لیے نہیں دے رہے ہیں کہ احتمال ہے کہ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

البتہ یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ اور اس کے جانشینوں نے اس کو عملاً پچھاڑ دیا اور اس کو دوسرے درجہ کی شخصیت سے بدل دیا کہ محمد علی باب ان کے ظہور کا پیش خیمہ تھے، اور باب سے بھی بڑھ چڑھ کر دعویٰ کر بیٹھے ـــــ لیکن ایک طرف سے اس فرقہ کا کئی فرقوں میں بٹ جانا[۱]، دوسری طرف سے سامراجی حکومتوں کے ساتھ ان کے براہ راست رابطے موجود ہونے پر زندہ دستاویزات کا شائع ہو جانا[۲] اور تیسری، نیز ان سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دعوت میں ایسے قابل توجہ حقائق کا فقدان تھا جو کم از کم کوچہ و بازار کے عام لوگوں ہی کو سیر کر سکے، اور چوتھی بات اس "سامراجی سیاسی پارٹی" کے متعلق کچھ بیدار و ہوشیار مسلمانوں کی نشان دہی تھی جو مل جل کر اس بات کا سبب بنیں کہ اس کی حقیقت بہت آشکار ہو گئی،

اس بحث میں میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کے کمزور پہلوؤں کے بارے میں بحث کروں کیونکہ اس کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اور خوش قسمتی سے اس سلسلہ میں بہت زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان میں سے بعض کتابیں مطالب اور مندرجات کے لحاظ سے بہت ہی عمدہ ہیں[۳]

❁ ❁ ❁

۱؎ اس وقت تک ان کے فرقوں کی تعداد بیس فرقہ سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔

۲؎ کینیا ر دالگورکی و پرنس دالگورکی، "پرنس دالگورکی"، باب و بہاء۔ بابی بہائی جیسی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

۳؎ "بہائی چہ میگوئید" و "محاکمہ و بررسی" "گفتار خوش یارقلی" و "ھدیۃ النحلۃ" و "پرنس دالگورکی" جیسی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

بلکہ اس مقام پر ہمارا مقصد صرف دو موضوعات کو بیان کرنا ہے :

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ ظہور مہدی کے عقیدے سے بہت زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے اور اٹھایا جا رہا ہے تو کیا بہتر نہیں ہے کہ سرے سے اس موضوع ہی کو ختم کر دیا جائے تاکہ اتنے سارے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اس کو اپنی دستاویز نہ بنا سکیں ؟!

بنیادی طور پر ہم ایسی چیز کو قبول ہی کیوں کریں جس سے اس قدر غلط اور نامطلوب تعبیر کی جا سکتی ہے ؟!

۲۔ دوسرا سوال جو کہ تقریباً پہلے سوال کے برعکس ہے یہ ہے کہ کیا واقعی یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ مہدویت کے جتنے دعوے دار اب تک گزرے ہیں وہ سب جھوٹے تھے ؟

کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ ان لوگوں میں سچے دعوے دار بھی موجود ہوں ؟ اور سب کے سب سامراج کے ایجنٹ، فرصت طلب اور ناجائز فائدہ اٹھانے والے نہ ہوں ؟!

* * *

اس بحث سے ہمارا مقصد صرف ان ہی دو سوالوں کا جواب عرض کرنا اور ان کو تجزیہ و تحلیل کرنا ہے۔

ان دونوں سوالوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں چند نئے سوالوں پر غور کرنا پڑتا ہے جو یہ ہیں کہ :

دنیا میں کونسی ایسی واقعیت و حقیقت موجود ہے جس سے کچھ مجرموں نے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا ہو ؟

• تاریخ، نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بھری ہوئی ہے، حتیٰ کہ اسی اہمیت دار

میں بھی یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور گوشہ وکنار میں ان کے دعووں کے زمزمے سنائی دیتے رہتے ہیں۔

تو کتنا اچھا ہوتا کہ سرے سے پیغمبروں کی نبوّت کے مسئلہ کو بھی بھلا دیا جائے اور "براھمہ" کی طرح سے نبوّت کے منکر ہو جائیں تاکہ ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے ہاتھوں گرفتار نہ ہوں، ؟!

کیا آپ کے خیال میں یہ بات معقول ہے ؟

ہم روزانہ سنا کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ ڈاکٹر، انجنیئر، پروفیسر وغیرہ کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنی جیبوں کو بھرتے ہیں اور اپنے ناپاک عزائم کو پورا کرتے ہیں اور شاید ایسے لوگ برسوں تک لوگوں کو لوٹتے رہیں گے وہ عوام کو دھوکہ میں رکھ کر اپنے کو ڈاکٹر وغیرہ کہلاتے ہیں۔

تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ ڈاکٹر کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے لہٰذا سرے سے ڈاکٹر کے وجود سے ہی انکار کر دینا چاہیئے ؟!

اسی طرح کی باتیں اگرچہ غیر معقول اور عقل وخرد سے دُور معلوم ہوتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ظہور مہدی کے منکروں کی کتابوں میں اس طرح کی باتیں موجود ہیں۔

بہرحال یہ ایک کلی قاعدہ ہے کہ ہر جھوٹ ہمیشہ سچائی کے بھیس میں ظاہر ہوتا ہے، اور بدنامی سے بچنے کے لیے صداقت کی نقاب سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے کہ "ایں دروغ از راست میگیرد فروغ"! جھوٹ کو سچ ہی سے فروغ حاصل ہوتا ہے!

کوئی بھی چور، ڈاکو، جھوٹا اور خائن اپنے اصلی چہرہ میں سامنے نہیں آتا، بلکہ امانت، صداقت، تقویٰ اور پرہیزگاری کے اظہار سے عزّت وآبرو حاصل کرتا اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی آڑ میں اپنے ناپاک عزائم

کو پورا کرتا ہے۔

کیا یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ ان تمام انسانی مفاہیم کا اعتبار ختم ہو جائے؟

دوسرے یہ کہ ظہور مہدی کا عقیدہ ایک حقیقت اور واقعیت ہے جس سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے یا یہ ایک خیالی چیز ہے؟

اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ایک حقیقت اور واقعیت ہے اور یہ کوئی خیالی چیز نہیں ہے۔ جیسا کہ تسلیم کرنا بھی چاہیے کیونکہ اس کے واقعی ہونے پر بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔ تو پھر چند یا بہت سے لوگوں کے ناجائز فائدہ اٹھانے سے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور اگر (بالفرض) واقعیت نہیں ہے بلکہ ایک خیالی چیز ہے تو اس سے دست بردار ہو جانا چاہیے، چاہے اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے!!

بہر حال کسی چیز سے ناجائز فائدہ کا اٹھایا جانا یا نہ اٹھایا جانا اس کی صداقت یا کذب کے بارے میں فیصلہ کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

اگر ایک دن دنیا کے سنگدل خونخواروں نے جوہری توانائی سے ناجائز فائدہ اٹھا لیا، اور ایک ایٹمی حملہ میں شہر ہیروشیما میں ۳ لاکھ انسانوں کو ہلاک اور ۳ لاکھ کو اس طرح زخمی کر دیا کہ ۳۰ برس گزر جانے کے بعد بھی آج تک بعض لوگوں کے ہولناک زخم مندمل نہیں ہوئے ہیں۔ تو یہ کیا اس بات کی دلیل ہو جائے گی کہ اس عظیم توانائی اور انرجی کو نظر انداز کر دیا جائے، یا سرے سے اس کے وجود سے انکار کر دیا جائے؟ کیونکہ بے رحم سامراجوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، یا یہ کہ اس واقعیت کو قبول کر کے اس بات کی کوشش کریں کہ اس کو صحیح کاموں میں اور انسانی سماج کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے؟!

⁂ ⁂ ⁂

اس سوال و جواب سے آگے بڑھیں تو دوسرے سوال کی باری آتی ہے، جو ایک اعتبار سے زیادہ اہم ہے، اور وہ یہ کہ کیا مہدویت کے اتنے سارے دعویدار سب کے سب جھوٹے تھے، اور ان میں سے کسی ایک کے دعویٰ میں بھی کوئی صداقت نہیں تھی؟!

میرے خیال میں اس عظیم ظہور کے نتائج، اس کی علامتوں اور انعکاس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا جواب بہت آسان ہے۔

گزشتہ بحثوں میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ حضرت مہدیؑ ایک عالمی رسالت کے حامل ہیں، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے آپ تمام خداداد ذرائع اور موجودہ وسائل یا اُن وسائل کو جنھیں آپ خود ایجاد کریں گے استعمال کریں گے۔

آپ کا اصل فریضہ انسانوں کے ماحول کو ہر قسم کے ظلم و ستم سے پاک کرنا، استحصال و سامراجیت، مطلق العنانی و آمریت نیز رنگ برنگ کے ناحق امتیازات کا قلع قمع کرنا اور عدل و انصاف کی بنیادوں پر ایک عالمی حکومت کو قائم کرنا ہے۔

وہ افکار کو تحریک بخشیں گے،

وہ علم و دانش اور صنعتوں کو غیر معمولی ترقی دیں گے۔

وہ سوئی ہوئی دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کریں گے۔ ہر شعبہ میں جوش و خروش پیدا کریں گے۔

وہ ہر مذہب کے ماننے والوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیں گے۔ وہ دنیا کی دولت کو منصفانہ طریقہ سے تقسیم کریں گے۔

وہ دنیا کی معاشیات کو اس حد تک رونق بخشیں گے کہ پوری دنیا میں کوئی محتاج نظر نہیں آئے گا۔

وہ ہر حق دار کو اس کا حق پورے طور پر لوٹا دیں گے۔

وہ دنیا کے ہر ویران علاقہ کو آباد کریں گے۔

ان کے زمانہ میں پوری دنیا میں اس حد تک امن و امان برقرار ہو جائیگا کہ اگر ایک عورت یکہ و تنہا مشرق سے مغرب تک کا سفر کرے گی تب بھی اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔

وہ زمین کے خزانوں کو نکالیں گے۔

نیز وہ تمام انسانوں کو ایک ہمہ گیر توحیدی نظام میں اکٹھا کریں گے۔

یہ ہیں تاریخ بشر کے سب سے عظیم انقلاب میں عظیم عالمی انقلابی کی ذمہ داریاں، اور اس کا لائحہ عمل کہ مختلف مآخذ میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے، اور اس کی اسناد اور حوالے گزشتہ فصلوں میں تحریر کر چکا ہوں۔

کیا ان تمام دعویداروں میں سے کسی ایک نے بھی اس منصوبہ کا ہزارواں حصہ بھی انجام دیا ہے، کیا ان میں سے کوئی ایک نقطہ اپنے شہر اور محلہ کو اس منصوبہ کے مطابق منظم کر سکا ہے۔؟

ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی ظلم و ستم و جارحیت و بربریت اپنے اوج پر ہے، ان میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں لاکھوں انسان ہلاک اور کروڑوں زخمی ہو گئے اور پوری دنیا کو خاک و خون میں ملا دیا گیا۔

بڑی طاقتوں کی خطرناک رقابتیں، اور غریب ملکوں سے ان کے فاصلے دن بدن بڑھتے ہی جا رہے ہیں، دنیا میں ہر شب ایک ہزار ملین انسان بھوکے سوتے ہیں، جیل بے گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں —— دیو صفت مطلق العنان حکمران آج بھی دنیا میں عوام کو ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ یعنی یہ دنیا آج بھی ظلم و ستم کی جانب آگے بڑھ رہی ہے، ان دعویداروں میں سے کسی دعویدار کے سچا ہونے کا

بیان کرنے والے ذرا بتائیں تو سہی کہ دنیا کب اور کہاں عدل و انصاف سے لبریز ہوئی ہے؟

اور یہی دلیل ان تمام دعویداروں کے لیے سب سے زیادہ ظاہر اور موثر جواب ہے، اور ان کے جھوٹے ہونے کی زندہ دستاویز ہے۔ یہ دلیل اگرچہ بہت مختصر ہے مگر قاطع ولا جواب!

جی ہاں! ابھی اس آفتاب نے اپنے چہرے سے بادلوں کی نقاب نہیں ہٹائی ہے، اور ہمیں مسلسل اس دن کا انتظار کرنا چاہیے جس دن مطلع پوری طرح سے صاف ہو جائے گا، بادل چھٹ جائیں گے اور یہ اندھیری دنیا آپ عجؑ کے وجود سے روشن ہو جائے گی، اور گویا صبح ہونے ہی والی ہے۔

الیس الصبح بقریب

ترجمہ: سید محمد عسکری حوزہ علمیہ قم
۵ رجب ۱۴۰۰ھ

آثارک - نائین - ناصر مکارم شیرازی
رمضان ۱۳۹۸ھ مطابق مرداد ۱۳۵۷ھ ش
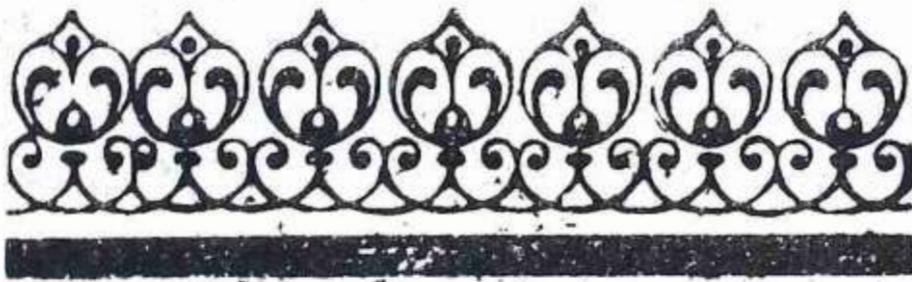
اِنسان کی منزل

کیا انسان چند روزہ زندگی میں صرف کھانے پینے اور پہننے کے لئے خلق ہوا ہے۔ یا اسکی تخلیق کا کوئی اور مقصد بھی ہے؟ قرآن مجید انسان کی تخلیق کا یہ مقصد بیان کرتا ہے کہ "مَیں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں" مفہوم عبادت صرف صوم و صلوٰۃ تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانی زندگی کے نظام پر محیط ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کے ذریعے انسان کو پیدا ہونے سے مرنے تک زندگی گزارنے کے اصول و ضوابط کی تعلیم فرمائی۔ اگر انسان خداوند تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایات اور احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اُس نے منشائے الٰہی حاصل کر لی اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر دیا۔ ورگرنہ اسے اپنے کئے ہوئے کی سزا سے قیامت کے روز دوچار ہونا پڑے گا۔

ہدایات و احکامات الٰہی سے ملت اسلامیہ کو روشناس کرانے کیلئے امامیہ آرگنائزیشن نے امامیہ پبلیکیشنز کی تشکیل کی تاکہ اراکین آرگنائزیشن امر بالمعروف کے فریضے سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ الحمد للہ اس ادارہ نے ملتِ اسلامیہ کی خدمت کے سلسلے میں بارہ کتابوں کی اشاعت پیش کی ہے۔

دین سے محبت کرنے والے بہت سے حضرات کی بھی یقیناً یہ آرزو ہوگی کہ وہ اشاعت دین حق کی کچھ خدمت کرسکیں۔ لیکن مصروفیات دنیا سے وقت نہ نکال سکتے ہوں۔ ایسے حضرات کیلئے ادارے کی خدمات حاضر ہیں کیونکہ یہ ایک قومی ادارہ ہے اور قوم کی خدمت میں مصروف ہے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ شریکِ سفر ہو کر اپنی زندگی کو بامقصد بنا سکتے ہیں۔

سیکرٹری امامیہ پبلیکیشنز

۱۷۔ نور چیمبرز۔ گنپت روڈ۔ لاہور

فرمودات امام خمینیؒ

(۱) نماز پنجگانہ وقت پر ادا کیجیے۔

(۲) جمعرات اور پیر کے دن حتی المقدور روزہ رکھیے۔

۳ سونے کے وقت کو کم کیجیے اور قرآن زیادہ پڑھیے۔

(۴) عہد و پیمان کو اہمیّت دیجیے۔

(۵) تہی دستوں (ناداروں) کی مدد کیجیے۔

(۶) تہمت کی جگہوں سے دُور رہیے۔

(۷) پُر شکوہ اور پُر خرچ مجالس میں شرکت کیجیے اور نہ ہی ایسی مجالس کا اہتمام کیجیے

(۸) سادہ لباس پہنیے (۹) زیادہ باتیں نہ کیجیے۔

(۱۰) زیادہ مطالعہ کیجیے (۱۱) ورزش کو اپنا معمول بنائیے۔

(۱۲) لوگوں کو ہنر سکھائیے۔ عربی سیکھیے اور ہر میدان میں ہوشیار رہیے۔

۱۴ اپنے کیے ہوئے نیک کاموں کو بھول جائیے اور گذشتہ غلطیوں کو ہمیشہ یاد رکھیے

(۱۵) تہی دستوں (ناداروں) کو مادّی نظر سے اور اولیاء اللہ کو معنوی نظروں سے دیکھیے۔

(۱۶) مسلمانوں سے متعلق خبروں سے مطلع (باخبر) رہیے۔

اھلِ قلم سے اپیل

★ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کیلئے

امامیہ پبلیکیشنز

مختلف عنوانات کے تحت نہایت دیدہ زیب کتب کامیابی سے شائع کر رہا ہے۔

اس سلسلے میں اہل قلم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مذہبی۔ دینی، اقتصادی اور معاشی مضامین ارسال فرمائیں تاکہ انہیں عوام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔

★ اہل قلم حضرات کی مکمل حوصلہ افزائی کی جائیگی

امامیہ پبلیکیشنز

کے قیام کا مقصد فقط اہلِ قلم کے جذبۂ تحریر کو تقویت پہنچانا اور اُن کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہی نہیں بلکہ عوام ~~عوام کی مذ~~ ا ا ت دی میدان میں خدمت کرنا مقصود ہے۔

ادارہ

امامیہ پبلیکیشنز کی فخریہ پیشکش

نامور علماء اسلام اور ذاکرین اہلبیتؑ کی مجالسِ عزا اور دیگر اسلامی و دینی موضوعات پر مثلاً تفسیر قرآن حکیم۔ فقہی مسائل۔ تلاوت قرآن حکیم دعائے کمیل۔ دعائے توسّل ۔ دروس نہج البلاغہ ۔ اصول دین مسائل حج ۔ انقلاب اسلامی ایران ۔ ایران، عراق جنگ کی وی سی آر (ویڈیو) اور ٹیپ ریکارڈ کی کیسٹیں تیار کی جارہی ہیں ۔

مزید معلومات بذریعہ خط و کتابت حاصل کر سکتے ہیں ۔

امامیہ پبلیکیشنز

۱۷۰ اے، [illegible] روڈ

لاہور نمبر ۲ پاکستان